

گفتارِ و کردارِ قائدِ اعظمؒ

سعید راشد

پہلا سبق، میں مسلمان ہوں

اپریل 1945ء میں قائداعظمؒ خان آف قلات کی دعوت پر بحالی صحت اور آرام کے لئے بلوچستان تشریف لے گئے۔ پہلے انہوں نے کچھ وقت کوئٹہ میں گزارا، جب طبیعت کچھ سنبھلی تو مستونگ اور قلات کا دورہ کیا۔ اس موقع پر خان آف قلات نے ان سے ایک سکول کا معائنہ کرنے کی درخواست کی۔ قائداعظمؒ ننھے منے چاق و چوبند بچوں سے مل کر بہت خوش ہوئے اور ان سے گھل مل گئے۔

قائداعظمؒ : (ایک بچہ سے، خان قلات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ کون ہیں؟

بچہ : یہ ہمارے بادشاہ ہیں۔

قائداعظمؒ : میں کون ہوں؟

بچہ : آپ ہمارے بادشاہ کے مہمان ہیں۔

قائداعظمؒ : تم کون ہو؟

بچہ : میں تو بلوچ ہوں۔

قائداعظمؒ : (خان قلات سے) اب آپ ان کو پہلا سبق یہ پڑھایئے کہ میں مسلمان ہوں۔ (بچوں سے) بچو! تم پہلے مسلمان ہو، پھر بلوچ یا کچھ اور۔ *

---

* رضوان احمد - روزنامہ جنگ لاہور، مورخہ 31 اکتوبر 1981

گفتار و کردار قائداعظمؒ

سعید راشد

سلطانہ فاؤنڈیشن' اسلام آباد

تعارف مصنف

نام	سعید راشد
رسمی تعلیم	ادبیات اردو' انگریزی اور فن تعلیم
مربی درس گاہیں	اسلامیہ کالج بریلی' بریلی کالج بریلی' مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
مربی اساتذہ	جناب مبارک حسین' مولانا محمد محسن' ڈاکٹر شوکت سبزواری' ڈاکٹر داس گپتا
	ڈاکٹر عشرت حسین' پروفیسر رشید احمد صدیقی' ڈاکٹر ذاکر حسین خان
ذہنی پس منظر	تحریک پاکستان کا دور
مشغلہ	تحقیق' تصنیف و تالیف ٹیچر ایجوکیشن
مشن	کردار سازی' پاکستانیت کا فروغ
سابق	استاد ملٹری کالج جہلم 1950-90
	پرنسپل آرمی پبلک سکول جہلم و منگلا 1990-94
حال	ڈائریکٹر تعمیر ملت انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ' اسلام آباد
	ڈائریکٹر کیریکٹر بلڈنگ اور پاکستانیت
	سلطانہ فاؤنڈیشن' فراش ٹاؤن' اسلام آباد

تصانیف و تالیفات

1. Character and Conduct of Quaid-e-Azam.
2. Living with Leadership.
3. Learning to Lead.
4. In Search of Maturity.
5. From School to College.
6. A Lasting Lighthouse.
7. Teacher Guide.
8. In Search of Character.
9. Excrcises In Character building.
10. Teacher Education Programmes.
11. Words of Wisdom.

12- گفتار و کردار سرسید

13- حیات قائداعظم

14- گفتار و کردار قائداعظم

15- تذکرہ اقبال

16- مکالمات اقبال

17- شادباد منزل مراد

18- کردار کی کرنیں

19- کردار ساز

20- پاکستانیت اور کیریکٹر بلڈنگ

21- کیریکٹر بلڈنگ اور پبلک سپیکنگ

22- تذکرہ شہداء

23- جراتوں کے نشان

24- میجر اکرم شہید نشان حیدر

25- کرنل حق نواز کیانی شہید ستارہ جرات

26- چراغوں کی قطار (ملٹری کالج کے اساتذہ کا تذکرہ)

27- داستان علم و عمل (جلد اول) تاریخ ملٹری کالج، جہلم

28- داستان علم و عمل (جلد دوم) تاریخ ملٹری کالج، جہلم

29- شہید سیاچن

30- آدمی میں انسان کی تلاش

31- دیئے سے دیئے کو جلاتے چلو

32- روشن راہیں

33- دانائی کی تلاش

کوائف

کتاب — گفتار و کردار قائداعظم

موضوع — قائداعظم کی کردار ساز شخصیت

مقصد — تعمیر ملت بذریعہ کیریکٹر بلڈنگ اور پاکستانیت کا فروغ

مولف — پروفیسر سعید راشد

پتہ — ڈائریکٹر' تعمیر ملت انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ

اسلام آباد فون : 446835

ڈائریکٹر' کیریکٹر بلڈنگ اور پاکستانیت' سلطانہ فاؤنڈیشن' اسلام آباد

فون : 240057

رہائش — کردار منزل 349' سٹریٹ 15' چک لالہ III راولپنڈی فون : 591376

اہتمام — ہارون رشید' طاہرہ رشید

ایڈیشن — پاکستان گولڈن جوبلی سال 1997ء

ناشر — ڈاکٹر ارشد اویس قاضی بیورو چیف

نیشنل بیورو آف پبلی کیشنز جی پی او بکس 2105 اسلام آباد

طابع — وی پرنٹرز' اسلام آباد

تقسیم کار — زوریز حسن آغا' آفس نمبر10' محمدی پلازہ' اسلام آباد

قیمت — 300 روپے بیرون ملک 10 ڈالرز

انتساب

لیڈر شپ کے عظیم رول ماڈل

قائداعظم محمد علی جناح کے نام

جن کی پہچان ہی

ان کا

بے داغ کردار تھا

جنھیں ان کے

بدترین سیاسی دشمنوں نے بھی

Incurruptible

اور

Unpurchasable کہا

مقدمہ

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی شخصیت خداداد صلاحیتوں کا ایک حسین مرقع تھی۔ قول و فعل میں یگانگت، خلوص، خدا خوفی، خیر خواہی اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرپور شخصیت، جس کا مطمع نظر راستی اور راست بازی تھا کیونکہ اپنوں اور بیگانوں کے دلوں میں اثر کرتی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ قائداعظمؒ نے اصولوں کی جنگ اصولوں کے ساتھ لڑی اور ہر مکروفریب کا مقابلہ سچ اور بے باکی سے کیا۔

قائداعظمؒ کی شخصیت فی الواقعہ تاریخ ساز شخصیت تھی۔ ان کی باتیں دل کی گہرائیوں سے نکلتی تھیں اور اثر رکھتی تھیں۔ مردہ دلوں میں جان پیدا ہو جاتی تھی اور تحریک پاکستان میں گرمی عمل بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔ دشمن ہر حربے سے مایوس اور بے حس کرنے پر تلا ہوا تھا مگر قائداعظمؒ کا یقین غیر متزلزل ثابت ہوا اور پاکستان بن کر رہا۔

پروفیسر سعید راشد نے بڑی محنت اور محبت سے قائداعظمؒ کے اقوال و افعال کو یکجا کیا ہے اور مستند حوالے سے درج کر کے کتاب کی افادیت کو بڑھا دیا ہے۔

جس واقعہ میں مؤلف نے اس کتاب میں میرا ذکر کیا ہے اس کا مطمع نظر پنجاب مسلم لیگ کی مالی اعانت کی استدعا ہی نہ تھا بلکہ پوشیدہ حالات سے قائداعظمؒ کو آگاہ کرنے کا مقصد تھا۔ مجھے قائداعظمؒ نے سرغلام حسین ہدایت اللہ اور جناب حسین شہید سہروردی، جو ہردو اپنے صوبے کے اس وقت کے وزیراعظم تھے، سے ملنے کو کہا تاکہ وہ بھی ان حالات سے واقف ہو جائیں۔ یہ امر بھی قابل ذکر سمجھتا ہوں کہ پنجاب مسلم لیگ کو دست نگر ہونے سے رب العزت نے بچا دیا اور سرخضر حیات کے استعفیٰ سے یہ تحریک سول نافرمانی ختم ہو گئی۔

یہ کتاب نہ صرف طلبہ و اساتذہ کے لیے مفید ثابت ہو گی بلکہ زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگ جب اس کتاب کو پڑھیں گے تو ان کے لیے کردار سازی کے بہترین نمونے ان کے سامنے آئیں گے۔ سیاست تو زندگی کا ایک میدان ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے میدان زندگی ہیں جہاں گفتار و کردار میں ہم آہنگی اس طرح ضروری ہوا کرتی ہے جس طرح سیاست میں قائداعظمؒ نے کوئی ایسی بات کہے بغیر نہیں چھوڑی جو تحریک کے دوران یا قیام پاکستان کے بعد کام آنے والی نہ ہو۔

یہ میری دلی دعا ہے کہ خداوند کریم پاکستان کو زندہ و تابندہ رکھے اور مؤلف کی یہ کوشش ان کو دین و دنیا کی کامیابیوں سے ہمکنار کرے۔

سید شمیم حسین قادری
چیف جسٹس پنجاب
نومبر 1982ء

پیش لفظ

جب کوئی قوم اپنے ماضی سے رابطہ منقطع کر لیتی ہے تو پھر وہ اپنے حال کے الٹ پھیر میں بھٹکتی رہتی ہے اور مستقبل کی راہ اسے کبھی نہیں ملتی۔ پاکستان کا تصور کسی خاص دور سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ تصور ایک طویل سلسلے کی کڑی ہے۔ ہماری سیاسی اور ملی زندگی کا سارا سرمایہ اسی سلسلے کا اندوختہ ہے جس کی حفاظت ہمارا فرض اولین ہے۔ اگر ہم تحریک پاکستان اور جنگ آزادی کے اصل سرچشمے سے بچھڑ جائیں گے تو سارا سرمایہ رائیگاں جائے گا۔ ہماری قومی بقاء' ملکی سالمیت اور ملکی وقار سب کچھ اسی بنیاد پر قائم ہے۔

ملک کے استحکام' ملت کے اتحاد اور ترقی و سربلندی کے لئے اشد ضروری ہے کہ ہماری نئی نسل تحریک پاکستان' قائد اعظمؒ اور دوسرے زعماء کرام کے بارے میں باخبر رہے۔ تاکہ اس کو اپنی قومی و ملی تحریک آزادی اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی آزادی اچھی طرح واضح ہو کہ یہی چیز موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔

چند سال قبل میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ جنگ آزادی کی تاریخ' قصے' کہانیوں اور حکایتوں (اینکڈوٹ) کی شکل میں پیش کی جائے تو نئی نسل کے لئے زیادہ دلچسپی کا باعث بن سکتی ہے۔ چنانچہ 1980ء سے اسی بنیاد پر "جنگ آزادی کی جھلکیاں" کے عنوان سے روزنامہ جنگ میں ہفتہ وار کالم مسلسل لکھ رہا ہوں۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ تقریباً اسی بنیاد پر جناب سعید راشد صاحب نے گفتار و کردار قائداعظم کے عنوان سے ایک اچھا مجموعہ مرتب کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کتاب کو پڑھ کر میری طرح ہی خوش ہوں گے اور فائدہ اٹھائیں گے۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی زندگی اور کارناموں کی طرف لوگوں کو یہ انداز ترتیب خصوصی طور متوجہ کرے گا۔ یہ مجموعہ بڑی محنت سے تیار کیا گیا ہے۔ زیادہ واقعات اور حکایتیں' حوالوں اور پوری صحت کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہیں کہیں حوالے دستیاب نہیں ہو سکے۔ یہاں سے تو محقق کا کام شروع ہوتا ہے۔ مؤلف و مرتب کے حدود محدود ہوتے ہیں اس دائرے میں رہ کر جناب سعید راشد نے جو کاوش کی ہے قابل ستائش ہے۔ میں ان کی محنت' لگن اور جذبے کی قدر کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا ان کو اور بڑے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رضوان احمد

9 نومبر 1982ء

بی 5-217' گلشن اقبال' کراچی

تبصرہ

دنیا میں بہت کم رہنما ایسے ہوں گے جن کی گفتار اور کردار، قول و فعل میں اس قدر ہم آہنگی ہو جتنی قائداعظمؒ کے یہاں ہے۔ کم ہی سیاستدان ہوں گے جنہوں نے سیاست میں غرق ہو کر بھی سیاسی داؤ پیچ سے اس قدر پرہیز کیا ہو جتنا قائداعظمؒ نے کیا۔ کم ہی ایسے بڑے آدمی ہوں گے جنہوں نے مقبولیت کے عام ہتھکنڈوں سے اس قدر بے پرواہ ہونے کے باوجود کروڑوں انسانوں کے دلوں پر اس طرح راج کیا ہو۔ اسی لیے قائداعظم کی زندگی اور کردار کا مطالعہ ہماری سیاسی تربیت کے لیے ایک نصابی کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے روزمرہ زندگی میں بھی سچائی، دیانت، خودداری اور بے باکی کے جو معیار قائم کئے ہیں وہی ہمارے معیار ہونے چاہئیں۔

پروفیسر راشد نے یہ کتاب مرتب کر کے اسی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ قائد کی سوانح عمری نہیں ہے نہ اس میں اہم ترین واقعات ہی جمع کئے گئے ہیں۔ بلکہ مختلف خیال انگیز عنوانات کے تحت ایسے واقعات کو یکجا کیا گیا ہے جن کے پس منظر میں ایک ہی مقصد کی کرنیں جلوہ فگن ہیں۔ یعنی قائد کے اصولوں اور قدروں کی عملی تفسیر۔

ان واقعات اور مکالمات سے قائد کے ذاتی کردار اور ان کی اقدار کی ایک ایسی تصویر سامنے آتی ہے جس میں ہمارے لیے بہت سے ولولہ انگیز پیغام اور بہت سی بصیرتیں ہیں۔ پروفیسر راشد نے ان واقعات کی تلاش اور ترتیب و تدوین میں بڑی کاوش اور سلیقے سے کام لیا ہے۔

واقعات سنانے کے لیے مؤلف نے "روایت" کی تکنیک کی بجائے حتی الامکان مکالمے کی تکنیک استعمال کی ہے اور قائداعظمؒ خود ان میں جیتے جاگتے نظر آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تاریخ یا واقعہ نگاری کے اسلوب کے مقابلے میں یہ تکنیک کہیں زیادہ موثر ہے اور اس نے واقعات کو زیادہ زندہ اور حقیقی رنگ دے دیا ہے۔

اس کتاب کی ایک اور نمایاں خوبی اس کی زبان کی سلاست، شگفتگی اور اس کا بے ساختہ و دل نشین انداز بیان ہے۔ مصنف کو واقعہ نگاری کا خاص سلیقہ ہے۔

اس کتاب کی گوناگوں خوبیوں کے پیش نظر یہ توقع کرنا بے جا نہ ہو گا کہ یہ کتاب قائداعظمؒ کو ان کے عظیم کردار کے حوالے سے پہچاننے کا ایک حوالہ بنے گی۔ اس کتاب میں قائداعظمؒ پر ایک فلم، ڈرامے، ایک نفسیاتی مطالعہ یا تجزیاتی سوانح عمری کا کافی مواد موجود ہے۔ اپنی موجودہ صورت میں بھی یہ اس قابل ہے کہ یہ ہر پاکستانی کے گھر میں ہو اور پڑھی جائے۔

عین الدین علوی

دیباچہ

1946ء میں جب قائداعظمؒ پاکستان کی جنگ اصولی طور پر جیت چکے تھے' ایک ملاقات کے موقع پر مشہور کشمیری رہنما چوہدری غلام عباس مرحوم نے ان سے کہا:

"یہ سب کچھ آپ کی ذہانت و فراست کا نتیجہ ہے۔"

ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ فقرہ عقیدت تعریف کے طور پر کہا تھا لیکن یہ سن کر قائداعظمؒ قدرے چونکے اور بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میرے دشمن میرے متعلق جو چاہیں کہیں' انہیں اختیار ہے۔ لیکن میرے دوستوں کو علم ہونا چاہئے کہ محمد علی جناح نے کانگریس کو جس سیاست سے ہر قدم پر مات دی ہے اس کا نام راست بازی اور سچائی ہے۔"

قائداعظمؒ کی ساری سیاسی زندگی ان کے اس قول کی تائید اور تصدیق کرتی ہے کہ برصغیر کے وہ واحد سیاست دان ہیں جنہوں نے سیاست میں بھی اخلاقی اصولوں کو نہ صرف مقدم سمجھا بلکہ عملی طور پر ملحوظ بھی رکھا اور کہاں کہاں کس کس موقع پر ملحوظ رکھا؟ اس کی تفصیلات عام لوگوں کو شاید زیادہ معلوم نہیں۔ اسی طرح یہ بات کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں قائداعظمؒ کیسے تھے؟ ان کی قدریں کیا تھیں؟ ان کی زندگی کے رہنما اصول کیا تھے اور کس طرح وہ ان اصولوں پر سختی سے کاربند تھے؟ اس بارے میں بھی عام پاکستانیوں کی معلومات بہت ناکافی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قائداعظمؒ کی شخصیت و کردار کے موضوع پر ضروری مواد قابل قبول شکل میں اور کافی مقدار میں دستیاب نہیں۔

اس اہم قومی ضرورت کو کسی حد تک پورا کرنے کے لیے یہ اوراق ترتیب دیئے گئے ہیں۔ طریقہ کار یہ اختیار کیا گیا ہے کہ قائداعظمؒ کی ساری سوانح حیات اور ملفوظات کا جائزہ لے کر اور ان کی چھان بین کر کے ایسے واقعات و مکالمات و مختلف موزوں عنوانات کے تحت یکجا کر دیا گیا ہے جن سے قائداعظمؒ کی شخصیت و کردار پر براہ راست روشنی پڑتی ہے۔ اس طرح ان اوراق میں قائداعظمؒ کے کردار کی کہانی خود ان کے الفاظ میں واقعات کے تانے بانے سے بیان کی گئی ہے۔

گو یہ کتاب قائداعظمؒ کی شخصیت و کردار کا باقاعدہ نفسیاتی تجزیہ نہیں۔ لیکن ایسے سائنسی تجزیے کے لیے ان اوراق میں کافی مواد موجود ہے۔ بلکہ اپنی موجودہ صورت میں بھی قائداعظم کی جو تصویر ذہن کے پردے پر ابھرتی ہے وہ ایک ایسے مرد مومن کی تصویر ہے جس کے لیے

اقبال نے کہا ہے:

گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

قائداعظمؒ کی ذات مسلمانان برصغیر کے لیے ایک تحفہ خداوندی کی حیثیت رکھتی ہے۔ نواب بہادر یار جنگ مرحوم کہا کرتے تھے کہ محمد علی جناح برصغیر کے مسلمانوں کے لیے خدا کی رحمت ہیں۔ اور ان کا یہ کہنا غلط نہیں تھا۔ اب سے چالیس پچاس برس پہلے مسلمانوں کو حصول پاکستان کے لیے جس قسم کی قیادت کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں شان ربوبیت سے محمد علی جناحؒ کی شکل میں ان کو عطا کی۔

فبای الاء ربکما تکذبٰن

اور آج تعمیر پاکستان کے لیے قائداعظمؒ کی شخصیت و کردار کا مطالعہ ہمارے لہو کو سوز یقین سے گرما سکتا ہے اور زندگی کے بہت سے دائروں میں خاص طور پر سماجی تعلقات اور سیاسی تگ و دو کے میدان میں ہماری راہوں کو روشن کر سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ قومی تاریخ کے اس مرحلہ میں بحیثیت قوم جس کرداری رہنمائی کی ضرورت ہے وہ قائداعظمؒ کے کردار میں موجود ہے۔ قائداعظمؒ کے قد کے سے قائد کبھی مرتے نہیں وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں قومی ہیرو کو ہر نسل اپنے طور پر دریافت کرتی ہے اور فیض پاتی ہے۔

اس کتاب کو میں نے چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب کا عنوان ''کاروان حیات'' ہے۔ اس میں قائداعظمؒ کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات اس انداز سے جمع کر دیئے گئے ہیں کہ ان سے ان کی عظیم شخصیت و کردار کے خدوخال خودبخود ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ یہ گویا اس بطل جلیل کے کردار کی قلمی تصویر ہے جو ان ہی کے الفاظ سے تیار کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں قائداعظمؒ کی قدروں اور رویوں کو ان کی زندگی کے بعض واقعات و معاملات کی مدد سے پیش کیاگیا ہے۔ تیسرے حصے کا نام ''تگ و تاز زندگی'' ہے اور اس میں ایسے واقعات جمع کئے گئے ہیں جو ان کی قدروں' اصولوں اور رویوں کی عملی تفسیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چوتھے باب میں قائداعظمؒ کے ان تبصروں اور تاثرات کو جمع کیاگیا ہے جن سے ان کی شخصیت و کردار کے کسی نہ کسی پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ پانچویں باب میں ''بساط سیاست'' کے عنوان سے ان کے سیاسی افکار' اصولوں اور رویوں سے متعلق مکالمات کو ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے۔ چھٹے حصے میں طلبہ' نوجوانوں اور صحافیوں کے بارے میں قائداعظمؒ کے ملفوظات ہیں اور آخر میں کیپٹن احسان الرحمان بخاری صاحب کا ایک انٹرویو ہے جس سے قائداعظم کی شخصیت کے بعض خوب صورت گوشے بے نقاب ہو گئے ہیں۔

اس کتاب کے لیے مواد کی تحقیق و جستجو میں دوسرے بہت سے دوست احباب کے علاوہ

پروفیسر عزیز احمد نے خاص طور پر مجھ سے تعاون کیا اور بڑے خلوص سے تعاون کیا۔ میں ان کا خصوصیت سے ممنون ہوں۔ اس کتاب کے پہلے باب میں ایک واقعہ "یہ تو اعتماد شکنی ہوئی" کے عنوان سے شامل ہے جس سے قائداعظمؒ کے کردار کے ایک رخ پر بڑی بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ یہ واقعہ جناب قدرت اللہ شہاب کے حوالے سے مختلف رسالوں' کتابوں میں شائع ہوتا رہا ہے۔ اس کی تصدیق کے لیے میں نے جناب شہاب صاحب کو لکھا تو انہوں نے بکمال مہربانی پورا واقعہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجا۔ اب یہ واقعہ تقریباً ان ہی کے الفاظ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس عطائے خاص کے لیے میں شہاب صاحب کا از حد شکرگزار ہوں۔

پاکستان کے ہر باسی پر قائداعظمؒ اور ارض پاکستان کا کچھ قرض ہے جس کو ذوق و شوق سے اتارنا ایک فرض بھی ہے اور سعادت بھی۔ میری جھولی میں جو کچھ تھا' وہ حاضر ہے۔

سعید راشد

چوتھے ایڈیشن پر نوٹ

گفتار و کردار قائداعظمؒ کا یہ خصوصی ایڈیشن قومی تاریخ کے اس نازک مرحلہ پر جبکہ ہر سطح پر کردار کا بحران گھمبیر سے گھمبیر تر ہوتا جا رہا ہے اور جس سے قومی وجود ہی کو ایک سنگین خطرہ لاحق ہے۔ ایک خاص مقصد سے ایک Vision اور Conviction کے تحت شائع کیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر خرابی پر کمزوری کردار کی خرابی اور کمزوری سے پیدا ہوتی ہے اور ہر ترقی پر کامیابی' ہر مضبوطی کی جڑ کیریکٹر ہے اور کیریکٹر بلڈنگ بیشتر رول ماڈل سے ہوتی ہے۔ ہمارے لیے اس دور میں قائداعظمؒ سے بڑا رول ماڈل کون ہو سکتا ہے۔ جن کی پہچان ہی ان کا بے داغ کردار تھا۔ جو اپنے عہد کے قائدین میں سب سے زیادہ صادق و امین تھے۔ جنہیں ان کے بدترین مخالفین بھی کہتے تھے۔ جن کے بارے میں 1945ء میں شملہ مذاکرات کے زمانہ میں اس وقت کے وائسرائے ہند لارڈ ویول نے کہا تھا یہ شخص تو اپنی سوچوں میں بھی Stright ہے۔

گفتار و کردار قائداعظمؒ کا پہلا ایڈیشن 1982ء میں شائع ہوا تھا۔ بعد کے سالوں میں اس کے دو ایڈیشن اور چھپے جو بغیر کسی ترمیم و اضافہ کے پہلے ایڈیشن کے مواد پر مشتمل تھے۔

1997ء کا یہ چوتھا ایڈیشن اس لحاظ سے پچھلے ایڈیشنوں سے مختلف اور منفرد ہے کہ اس میں 1982ء سے 1995ء تک قائداعظمؒ کی زندگی خصوصاً ابتدائی زندگی پر جو تحقیقات ہوئی' اس سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ اس طرح کتاب کے مواد میں خاصا اضافہ ہوا ہے اور اس کی ترتیب بھی نئی ہے۔ کتاب کی یہ نئی ترتیب و تشکیل اور پروف ریڈنگ عزیزم ہارون رشید اور طاہرہ رشید کی کاوشوں اور دیدہ ریزیوں کی مرہون منت ہے۔ میرے دل سے ان دونوں کے لیے دعا نکلتی ہے۔

آخر میں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ یہ خصوصی ایڈیشن پاکستانیت کے دلدادہ جناب کرنل فاروق رشید کی توجہ اور کریکٹر بلڈنگ کے علم بردار جناب کرنل ضیاء ارشد' جناب امان اللہ خان اور جناب اظہار قریشی کے تعاون سے اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔ جزاک اللہ' پاکستان میں جہاں کہیں جو جس طرح بھی استحکام پاکستان کے لئے اپنی استطاعت اور Limitations کے ساتھ کام کر رہا ہے پاکستان کے اس گمنام مجاہد اور محسن کو میرا سلام پہنچے۔

سعید راشد
349 کردار منزل
چک لالہ III' راولپنڈی

عنوانات

باب اول
شخصیت کا خاکہ

(آپ بیتی)

باب دوم

آئین حیات (قدریں اور رویے)

باب سوم
(تبصرے اور تاثرات)

باب چہارم
(بساط سیاست)

باب پنجم
(تحریک پاکستان کے ہراول دستے)

باب ششم
(الف - قائد اعظمؒ اور خواتین)

(ب - طنز و مزاح)

(ج - انٹرویوز) 405

تتمہ 417

باب اول
شخصیت کا خاکہ (آپ بیتی)

میں سٹریٹ لائٹ میں پڑھا ہوں

قائد اعظم اپنی محنت وفراست سے نیچے سے اوپر چڑھے تھے۔ اس امر کو انہوں نے کبھی چھپایا نہیں بلکہ جب ذکر آتا بڑے فخر سے اس کا تذکرہ کرتے۔

ایک روز جب قائد اعظم دہلی میں' لیاقت علی خاں کی کوٹھی گل رعنا میں ٹھہرے ہوئے تھے' کھانے کے بعد کسی طرح فضول خرچی کا ذکر چھڑ گیا۔

رعنا : اس معاملے میں آپ کی احتیاط پروری کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

قائد اعظم : میں سٹریٹ لائٹ میں پڑھا ہوں۔ اس لئے میں پیسوں کی قدر کرتا ہوں۔

(آتش فشاں' قائداعظمؒ نمبر' 1976ء)



لنکنز میں داخلہ اور رسول کریمؐ کا نام نامی

1892 میں جب محمد علی جناح قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلستان گئے تو پہلے تو ایک سال لگا کر انہوں نے قانونی درسگاہوں میں داخلے کا امتحان امتیاز سے پاس کیا۔ اس کے بعد موزوں درسگاہ کی تلاش ہوئی۔ اس زمانے میں لندن میں قانون کی تعلیم کے چار مشہور ادارے تھے مڈل ٹمپل' انرٹمپل' گریز ان اور لنکنز ۔ ان کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرنے کے لئے وہ ان چاروں اداروں میں گئے جب وہ لنکنز پہنچے تو دیکھا کہ اس کے صدر دروازے پر لاطینی میں کچھ عبارت کندہ ہے۔ اس وقت ان کی اپنے گائیڈ سے یہ گفتگو ہوئی:

جناح : یہ کیا ہے؟

گائیڈ : یہ فریسکو (FRESCO) ہے (دیواری نقش ونگار)

جناح : اس پر لکھا کیا ہے؟

گائیڈ : دنیا میں جتنے عظیم مقنن (GREAT LAW GIVERS) آئے ہیں ان کے نام کھدے ہوئے ہیں۔

جناح : سب سے اوپر کس کا نام ہے؟

گائیڈ : مقنن اعظم محمدؐ کا۔

1947ء میں کراچی بار کے وکلاء سے خطاب کرتے ہوئے' قائد اعظم نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے

کہا:

"بلاشبہ رسول کریمؐ دنیا کے عظیم ترین مقنن اور مدبر تھے۔ یہ دیکھتے ہی کہ ان کا نام نامی مقننوں کی فہرست میں سب سے اوپر درج ہے' میں نے لنکنز میں داخلہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔"

قائداعظم نے بعد میں یہ واقعہ 1948ء میں کراچی کی سیرت کانفرنس کے سامنے بھی بیان کیا۔

رسول اکرم ﷺ سے قائد اعظم کی عقیدت کا ایک پس منظر بھی تھا۔ ان کی والدہ شیریں بائی آغا خان اول کے ایک وزیر موسیٰ جمعہ کی بیٹی تھیں اور ایران کی بہترین دینی روایات کی حامل تھیں۔ قائد اعظم کا نام محمد علی بھی ان کے ایرانی نژاد ماموں قاسم موسیٰ نے رکھا تھا اور ان کے عقیقے کی رسم ایک صوفی خوجے بزرگ حسن پیر کی درگاہ پانیلی میں ہوئی تھی۔ ان کے والد جناح پونجا سندھ مدرستہ الاسلام کے بانیوں میں سے تھے اور سرسید کی تحریک سے متاثر تھے اور خود بھی کبھی سندھ مدرسے میں استاد رہے تھے۔ گویا اسلامی قدروں اور روایتوں سے محبت قائد اعظم کے خون میں رچی بسی تھی۔



میں نے کبھی شیکسپیئر کے ڈراموں میں حصہ لیا تھا

1937ء کی گرمیوں میں بیگم رعنا لیاقت علی خان شملہ کے سیسل ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھیں۔ اسی دوران قائداعظم ان کی بیٹی دینا اور بہن فاطمہ جناح نے بھی وہاں قیام کیا۔ بیگم لیاقت علی نے ان کے اعزاز میں ایک ڈنر کا اہتمام کیا جس میں سرہومی موڈی' سرکاؤس جی جہانگیر' سردادا بھائی' فتح محمد خاں اور بھولا بھائی ڈیسائی مدعو تھے۔ ڈنر کے بعد رواج کے مطابق کچھ تفریح و تفنن کا اہتمام بھی کیا گیا تھا کھانے کے بعد جب قائداعظمؒ اٹھ کر جانے لگے تو میزبان خاتون سے یہ گفتگو ہوئی۔

بیگم رعنا : آپ جا رہے ہیں حالانکہ تفریحی پروگرام ابھی باقی ہے۔

قائداعظم : میں نے زمانہ طالب علمی میں شیکسپیئر کے ڈراموں میں حصہ لیا وہی کافی ہے۔



شیکسپیئر کے ڈراموں میں دلچسپی کی لہر

19 مارچ 1948ء کو تاج محل ہوٹل بمبئی میں جشن جام جمشید کی تقریب میں قائداعظمؒ بھی مدعو تھے۔ اس موقع پر معروف مصنف اور سفارت کار ملک وہیدنا بھی موجود تھے۔

ملک : مسٹر جناح! کیا یہ صحیح ہے کہ آپ نے کبھی انگلستان کے اسٹیج پر بھی کام کیا ہے؟

قائداعظم : جی ہاں! مجھے معلوم ہے کہ میری زندگی کے اس پہلو کو کافی شہرت ملی ہے لیکن حقیقت حال سے ابھی تک پردہ نہیں اٹھا ہے۔

ملک : تو پھر حقیقت کیا ہے؟

قائداعظمؒ : میں اکثر دوستوں کو شیکسپیئر پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ اس کی خاصی شہرت ہو گئی۔ میں جب بیرسٹری کا امتحان پاس کر چکا تو بعض دوست مجھے ایک تھیٹریکل کمپنی کے مینجر کے پاس لے گئے۔ اس نے مجھ سے کہا سٹیج پر جا کر کچھ سناؤ۔ مجھے جو کچھ یاد تھا سنا دیا۔ مینجر اور اس کی بیوی میری پرفارمنس سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے مجھے اپنی کمپنی میں ملازمت کی پیش کی۔ میں بہت خوش ہوا۔ میں نے فوراً اپنے والد کو لکھا کہ وہ مجھے اس پیشہ کو اختیار کرنے کی اجازت دے دیں۔ میری دلیل یہ تھی کہ قانون بہت دقت طلب اور صبر طلب پیشہ ہے۔ اس میں کامیابی بھی غیریقینی ہوتی ہے جبکہ اداکاری اس لحاظ سے بہتر ہے۔ اس کی تو ابتدا ہی میرے لیے اچھی ہے۔ مزید یہ کہ اس پیشہ کو اختیار کرتے ہی مالی طور پر اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاؤں گا اور ان کو پیسوں کے لیے مزید پریشان نہیں کروں گا۔

ملک : تو آپ کے والد نے کیا جواب دیا؟

قائداعظم : بتاتا ہوں! انہوں نے مجھے ایک طویل خط لکھا اور میرے منصوبے سے سخت اختلاف کیا۔ منجملہ اور باتوں کے ان کے خط میں ایک جملہ ایسا تھا جس نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دیا۔

ملک : وہ جملہ کیا تھا؟

قائداعظمؒ : وہ جملہ تھا' اپنے خاندان سے دغا نہ کرو۔

ملک : پھر آپ نے کیا کیا؟

قائداعظمؒ : میں اپنی کمپنی کے مینجر کے پاس گیا اور انہیں بتا دیا کہ میں اداکاری

کے پیشے کو اختیار نہیں کر سکتا۔ انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ انہوں نے مجھے کافی سمجھانے کی کوشش کی لیکن میں تو حتمی فیصلہ کر چکا تھا۔ میں اپنے فیصلہ پر قائم رہا۔ لیکن ابھی تک ایک رکاوٹ باقی تھی۔ میں نے کمپنی سے جو معاہدہ کیا تھا اس کی رو سے ملازمت چھوڑنے سے پہلے مجھے تین مہینے کا نوٹس دینا تھا۔ کمپنی کا مینجر معقول انسان تھا۔ اس نے کہا جب تمہیں اداکاری میں دلچسپی نہیں رہی تو تمہاری مرضی کے خلاف ہم تمہیں تین مہینے اپنے پاس کیوں رکھیں۔ اس لیے معاہدہ کی اس پابندی سے تم آزاد ہو۔ اب تم گھر جا سکتے ہو۔

چنانچہ میرا سٹیج کیریر بہت مختصر تھا۔

یہ مکالمہ 7 جون 1947ء کے بلٹز اخبار کے حوالے سے شریف الدین پیرزادہ نے اپنی کتاب "قائداعظمؒ کی زندگی کے چند پہلو" میں نقل کیا ہے۔ قائداعظم کے سٹیج کیریر کے بارے میں ہیکٹر بولائیتھو نے اپنی کتاب "جناح دی کیریٹر آف پاکستان" میں بھی ان کے تھوڑے عرصے کیلئے مس ہارنی منس کی مشہور تھیٹریکل کمپنی سے وابستہ رہنے کا تذکرہ کیا ہے۔

ڈان اخبار کے ایک صحافی جو بعد کو سیکرٹری اطلاعات بھی ہوئے کے حوالے سے شریف الدین پیرزادہ نے لکھا ہے کہ جب وہ ڈان کے نامہ نگار تھے تو ایک بار قائداعظمؒ نے ان سے اپنے ایک شیکسپیرین کمپنی سے کچھ دنوں متعلق رہنے کا تذکرہ کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ ایک بار انہوں نے رومیو کا پارٹ ادا کیا تھا۔

(قائداعظمؒ کی زندگی کے چند پہلو)



تنگ دستی کا دور

1937ء میں قائداعظمؒ مسلم لیگ کو ایک عوامی جماعت بنانے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ اس شعبے میں بمبئی مسلم لیگ کے ایک نوجوان مخلص کارکن حنیف نیار اپنے والد محمد علی کے ساتھ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک بار یہ گفتگو ہوئی۔

حنیف : مسلم لیگ کو منظم کرنے کی ہم کوشش تو کر رہے ہیں لیکن مشکلات بھی بہت پیش آ رہی ہیں۔

قائداعظمؒ : آپ ہمت نہ ہاریں اور بہتری کی امید رکھیں۔ آپ نوجوان ہیں۔ آپ کو محنت' محنت اور مسلسل محنت کرنا ہو گی۔ میں بھی جب بیرسٹر بن کر ہندوستان واپس آیا تو یہاں کی قانونی فرموں پر انگریز' ان کے بعد پارسی اور پھر ہندو قابض تھے۔ یہ فرمیں مجھے اس بنا پر کیس نہ دیتیں کہ میں مسلمان ہوں تین برس تک یہی ہوتا رہا لیکن میں مایوس نہیں ہوا حالانکہ بعض اوقات میرے پاس کھانا کھانے تک کے لیے بھی پیسے نہ ہوتے تھے۔ اس تنگدستی کے زمانہ میں بھی میں ہر روز عدالت میں جاتا۔ وہاں مقدموں کی کارروائی سنتا۔ چیمبر میں مطالعہ کرتا۔ خاصی تگ و دو کے بعد مجھے ایک کیس ملا۔ میں نے اس میں خوب محنت کی اس کے بعد میرے پاس کیس آنے شروع ہو گئے۔ پھر میں مجسٹریٹ بھی ہوا۔ مجھے زندگی میں جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے اس میں محنت کو بہت دخل ہے۔



پیدل یا بس پر

عطا ربانی ایئرفورس کی طرف سے قائداعظمؒ کے پہلے اے ڈی سی تھے۔ قائداعظمؒ اپنے اے ڈی سی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ناشتے اور کھانے پر محترمہ فاطمہ جناح کے علاوہ وہ بھی قائداعظمؒ کے ساتھ میز پر بیٹھتے تھے۔ ایسے موقعوں پر قائداعظم اکثر ہلکی پھلکی باتیں کرتے۔ کبھی کبھار اپنی زندگی کے حالات اور تجربات بھی بیان کرتے اسی طرح ایک موقع پر جب عطا ربانی قائداعظمؒ کے سامنے بیٹھے تھے تو یہ گفتگو ہوئی!

قائداعظمؒ : مجھے یہ بتانے میں کوئی عار نہیں کہ جب میں نے بمبئی میں پریکٹس شروع کی تو ہر صبح گھر سے چیمبر تک پیدل جانا پڑتا۔ بس کا کرایہ ایک آنہ تھا ہر صبح یہ فیصلہ کرنا ہوتا کہ بس پر جانا چاہیئے یا پیدل سو میں سے نوے دفعہ میں نے پیدل ہی سفر کیا تم لوگ ہو کہ پیسے کی پرواہ ہی نہیں۔

عطا ربانی لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کے جزئیات میں جانے کا یہ عالم تھا کہ سوٹ سلواتے تو کوٹ کی آستین کے تینوں بٹنوں کے درمیانی فاصلے کو بھی نظر میں رکھتے تھے جب کبھی گورنر جنرل ہاؤس کے کمروں کا معائنہ کرتے تو چھوٹی سے چھوٹی چیز کو دیکھتے۔ اگر کسی پیتل کے بٹن پر پالش نہ ہوا ہوتا تو اس کی نشاندہی بھی کرتے۔



خوددار وکیل

قائداعظم کلکتہ میں مرزا اصفہانی کے یہاں مقیم تھے اور اس روز وہ خاص طور پر خوش تھے کیونکہ انہیں بنگال کی یونائیٹڈ مسلم پارٹی کو اس امر پر راضی کرنے میں کامیابی حاصل ہو گئی تھی کہ وہ کل ہند مسلم لیگ میں ضم ہو جائے۔ اس طرح راتوں رات مسلم لیگ سب سے بڑی اور سب سے زیادہ فعال جماعت بن گئی تھی۔ یہ بہت بڑی سیاسی کامیابی تھی۔ قائداعظمؒ اپنے بارے میں عموماً بہت کم گفتگو کیا کرتے تھے لیکن اس روز اصفہانی کے مکان کے جنوبی برآمدے میں بیٹھے وہ بہت مسرور نظر آرہے تھے۔ باتوں باتوں میں کہنے لگے۔

قائداعظمؒ : اصفہانی! انسان کو کامیاب لمحوں میں ناکام لمحے ضرور یاد آتے ہیں۔ آج جبکہ اللہ نے مجھے سب کچھ دیا ہے اور بحیثیت وکیل میں نے اتنا کچھ پایا ہے لیکن میری وکالت کا ابتدائی زمانہ بڑی سختی کا تھا۔ ہر روز میں اپنے چیمبر میں جا کر بیٹھتا تھا اور اس انتظار میں صبح سے شام کر دیتا تھا کہ شاید کوئی مقدمہ ملے۔ لیکن نہیں ملتا تھا۔ میں اتنا نووارد اور کم عمر تھا کہ بمبئی ایسے شہر میں جہاں بڑے بڑے تجربہ کار اور مشہور وکیلوں کی ریل پیل تھی۔ میری طرف کوئی توجہ نہ دیتا۔ میری طرح کے نئے وکیلوں کو عموماً کسی نہ کسی بڑے وکیل کی سرپرستی حاصل تھی۔ بڑے وکیل اپنے رشتہ داروں اور واقف کاروں کو موکلوں سے متعارف کرا دیتے تھے لیکن مجھے یہ آسانی بھی میسر نہیں تھی اور میں نے مقدموں کو خریدنا بھی پسند نہیں کیا۔

اصفہانی : مقدمے خریدنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟

قائداعظم : جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گا کہ مقدموں کی بھی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ میرے پاس بھی دلال آتے رہتے تھے اور پیش کش کرتے کہ وہ مجھے مقررہ کمیشن پر چھوٹے موٹے مقدمے دلا سکتے ہیں۔ اگرچہ میری شدید خواہش تھی کہ میں کسی نہ کسی طرح کام شروع کر دوں اور کچھ کمانے لگوں خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن میرے ضمیر نے گوارا نہ کیا کہ میں دلالوں سے کمیشن پر مقدمے لوں چنانچہ ایک روز میں نے ایک دلال سے جو بہت پیچھے پڑا ہوا تھا صاف کہہ دیا۔

"مسٹر! میں بھوک سے مرجانا پسند کروں گا لیکن دلالی پر مقدمے ہرگز نہ لوں گا۔"

خدا گواہ ہے میں بہت پریشان تھا۔ وہ دن معاشی اعتبار سے میری زندگی کے

مشکل ترین دن تھے۔ لیکن میرے لیے وہ کام کرنا مشکل تھا جس کو میں جائز نہیں سمجھتا تھا۔ خدا عزم راسخ کا صلہ ضرور دیتا ہے۔ شکر ہے کچھ دنوں بعد بمبئی کے سرکاری وکیل میکفرسن نے مجھے کاغذات پڑھنے کی اجازت دے دی اور مجھے انہی کے توسط سے ریذیڈنسی مجسٹریٹ کی عارضی اسامی پر کام کرنے کا موقع مل گیا۔ اس دن سے گویا میرے دن پھرگئے۔ بعد میں مجھے یہ اسامی ایک معقول مشاہرے پر مستقل طور پر بھی پیش کی گئی لیکن جو راستہ میں نے منتخب کر رکھا تھا اس کی راہ میں میں نے اس ترغیب کو حائل نہیں ہونے دیا۔



سب کچھ محنت کا اعجاز

جب 1941ء میں قائداعظمؒ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے لاہور تشریف لائے تو خاص طور پر فیڈریشن کے مہمان ہوئے۔ طلبہ نے انہیں نیڈوز ہوٹل میں ٹھہرانے کا بندوبست کیا تھا۔ وہ وہیں ٹھہرے حالانکہ صوبے کے وزیراعلی سر سکندر حیات خان اور دوسرے مقتدر لیڈروں نے انہیں اپنے ہاں ٹھہرنے کی پیش کش کی تھی۔

آخری دن کا اجلاس فیڈریشن کا مجلس عاملہ کے ارکان کے لیے مخصوص تھا۔ نیڈوز ہوٹل کے لاؤنج میں سب نوجوان عہدے دار جمع ہوئے تو دوران گفتگو فرمایا۔

قائداعظمؒ : جب میں نے بمبئی بار میں پریکٹس شروع کی تو وہاں بہت ہی قابل وکیل تھے۔ ہندو' پارسی اور انگریز بار پر چھائے ہوئے تھے۔ مجھے سخت محنت کرنا پڑی۔ محنت سے جو مقام میں نے حاصل کیا وہ آپ کے سامنے ہے۔ جس طرح زندگی میں نے گزاری ہے آپ لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اتنے عرصے کی محنت اور مشقت کے بعد جو کچھ میں نے کمایا ہے وہ اس لحاظ سے کافی ہے کہ میں اپنی باقی زندگی آسودگی سے گزار سکوں۔ اتنی محنت کے بعد ریٹائرمنٹ کی زندگی گزارنا اگرچہ میرا حق تھا لیکن اس کے باوجود میں نے ایسا کرنا پسند نہیں کیا۔ مال و دولت کی فراوانی اور عزت و شہرت کی بلندی کی کوئی قیمت نہیں۔ میں شہر شہر پھر رہا ہوں کہ مسلمانوں کے لیے آزاد ریاست حاصل کی جائے جس کے سامنے ہر دنیاوی آسائش' عزت و شہرت کا ہر مقام ہیچ ہو جاتا ہے۔



غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں

قائداعظم نے 24 اگست 1896ء کو بمبئی ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ کی حیثیت سے رکنیت حاصل کی تھی لیکن ان کی وکالت کو جمتے ہوئے عرصے لگا۔ 17 جولائی 1945ء کو لاء کالج یونین الٰہ آباد یونیورسٹی سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے خود فرمایا :

"وکالت میں قدم جمانے میں بڑی جدوجہد کی۔ تقریباً تین برس تک مجھے ایک مقدمہ بھی نہیں ملا تھا۔"

لیکن اس عرصے میں وہ نہ صرف مایوس نہیں ہوئے بلکہ اس وقت کو انہوں نے قانونی مطالعہ میں گزارا۔ ایک دوست کی وساطت سے ان کی رسائی بمبئی کے ایکٹنگ ایڈووکیٹ جنرل جان میکفرسن تک ہو گئی۔ ان کی سرپرستی میں نوجوان وکیل کو کوئی خاص کام تو نہیں ملا لیکن ان کی لائبریری سے انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔

1900ء میں بمبئی کے پریذیڈنسی مجسٹریٹ کی عارضی اسامی کی جگہ خالی ہوئی۔ نوجوان وکیل محمد علی جناح نے اس جگہ کے لیے درخواست دینے کا ارادہ کیا لیکن اس جگہ کا حصول بھی آسان نہ تھا۔ نوجوان جناح نے شعبہ قانون کے سربراہ سر چارلس اولیونٹ سے براہ راست ملنے کا فیصلہ کیا۔ سر چارلس بڑے تپاک سے ملے اور کہا میں پہلے ہی آپ کے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں آپ نے اچھا کیا سیدھے میرے پاس آئے لیکن معمول کے طریق کار کے مطابق میں پسند کروں گا کہ آپ کے لیے مسٹر میکفرسن جو یقیناً آپ کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں تعارف نامہ لکھیں۔ دوسرے دن میکفرسن سے جناح کی یہ گفتگو ہوئی۔

جناح : میں سراولونٹ سے پریذیڈنسی مجسٹریٹی کی اسامی کے بارے میں ملا تھا وہ آپ کا تعارف نامہ چاہتے تھے۔

میکفرسن : سراولیونٹ مجھ سے پہلے ہی آپ کے متعلق بات کر چکے ہیں۔ آپ کا تعارف کرا کے مجھے حد سے زیادہ خوشی ہوگی لیکن اگر آپ اسامی چاہتے تھے تو آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔

جناح : جناب والا ! آپ کا یہ احسان کیا کچھ کم ہے کہ آپ کے چیمبر سے استفادہ کرتا رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میں اپنے ذاتی مسائل سے آپ کو مزید پریشان کروں۔

--○--

جناب اتنی رقم تو میں ہر روز کمانا چاہتا ہوں

نوجوان وکیل محمد علی جناح کی مجسٹریٹی 1900ء سے تین ماہ کی مدت کیلئے تھی۔ تین ماہ بعد اس میں مزید تین ماہ کی توسیع ہوئی۔ اس متعین مدت کے اختتام پر سراولیونٹ نے جناح کو بلایا۔

سراولیونٹ : مسٹر جناح! میں آپ کی کارکردگی سے بہت مطمئن اور متاثر ہوں۔ اگر آپ پسند کریں تو پندرہ سو روپے ماہوار مشاہرہ پر آپ مستقل طور پر اس اسامی پر کام کر سکتے ہیں۔

جناح : جناب والا! اس پیش کش کے لیے میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ لیکن میری خواہش ہے کہ اتنی رقم میں ہر روز کماؤں۔

اس واقعہ کے بعد سراولیونٹ ریٹائرمنٹ پر انگلستان آئے تو بمبئی کے اورینٹ کلب میں انہیں دعوت دی گئی۔ جناح بھی کلب کے ممبر تھے۔ انہیں ایک جگہ دیکھ کر وہ ان کے پاس آئے۔

سراولیونٹ : مسٹر جناح! آپ کی پریکٹس کیسے جا رہی ہے؟

جناح : میں ہر روز اس سے زیادہ کما رہا ہوں جس کی اس وقت میں نے خواہش ظاہر کی تھی۔

سراولیونٹ : میں آپ کے عزم اور حوصلہ کی داد دیتا ہوں۔ آپ نے اچھا کیا تھا کہ اس وقت آپ نے میری پیش کش قبول نہیں کی تھی۔

--○--

آپ بھی کسی تھرڈ کلاس وکیل سے مخاطب نہیں

بمبئی میں جناح کے ابتدائی دور وکالت کی بات ہے جسٹس مارٹن کی عدالت میں مقدمہ درپیش تھا۔ وہ وکیل صفائی تھے۔ ان کی بحث کے دوران ایک نکتہ پر وہ بھڑک اٹھا۔

مارٹن : ذہن میں رکھیں کہ آپ کسی تھرڈ کلاس مجسٹریٹ سے مخاطب نہیں ہیں۔

جناح : جناب والا! آپ کے روبرو بھی کوئی تھرڈ کلاس وکیل نہیں ہے۔

--○--

مجھے آپ کی ذاتی رائے کی ذرہ برابر پرواہ نہیں

بمبئی ہی میں جناح ایک مقدمہ میں اپنے دلائل کو پیش کر رہے تھے۔ استغاثہ کی طرف سے وکیل سرچمن لال سیتلواد بھی موجود تھے۔ جسٹس مرزا کو جناح کے بعض نکات پر اعتراض ہوا۔

جسٹس : مجھے آپ کے موقف سے اتفاق نہیں لیکن یہ میری رائے ہے قانونی فیصلہ نہیں۔

جناح : جناب والا! آپ کی ذاتی رائے کی تو مجھے ذرہ برابر پرواہ نہیں۔

جسٹس : (سرسیتلواد سے) کیا آپ کا خیال نہیں کہ مسٹر جناح توہین عدالت کے مرتکب ہوئے ہیں؟

سرچمن لال سیتلواد اس واقعہ پر اپنی کتاب "یادیں اور تاثرات" میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جسٹس مرزا کا مجھ سے یوں پوچھنا مناسب نہ تھا۔ چنانچہ میں نے جواب دیا یہ آپ کا استحقاق ہے کہ آپ فیصلہ کریں کہ ایسا ہوا کہ نہیں۔ لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے جیسا کہ میں مسٹر جناح کو جانتا ہوں اس بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ ان کا منشاء یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ عدالت کی توہین کریں۔ بات آئی گئی ہوئی۔ لیکن خود جناح نے ایک عرصہ تک جسٹس مرزا کے سامنے پیشی سے گریز کیا۔

(قائداعظمؒ کی زندگی کے چند پہلو)



آپ نے کیا کہا؟

مشہور بیرسٹر کے ایل گابا راوی ہیں کہ ایک دفعہ قائداعظمؒ اپنے مؤکلوں کے ساتھ عدالت میں تشریف لائے تو جج کے رویے سے مطمئن نہ ہوئے اور اپنے مؤکلوں سے کہا۔ "نان سس! فضول باتیں کر رہا ہے۔" اتفاق سے یہ فقرہ جج نے سن لیا اور چراغ پا ہو گیا۔

جج : جو کچھ آپ نے ابھی کہا تھا اسے ذرا میرے سامنے دہرائیں۔

قائداعظمؒ : میں نے کہا تھا' نان سس۔

یہ کہہ کر عدالت سے واک آؤٹ کر گئے۔



تو پھر عدالت میں آپ اکیلے ہی بیٹھے ہوں گے

ایک اہم مقدمہ میں جناح اور سر چمن لال سیتلواد ایک دوسرے کے مقابل پیش ہو رہے تھے۔ جج مقدمہ کی طوالت سے گھبرا گیا۔

جج : (پانچ بجے کے قریب) آپ بحث جاری رکھیں۔ میں سات بجے رات تک بیٹھنے کو تیار ہوں تاکہ کیس ختم ہو سکے۔

جناح : جناب والا! عدالت کا وقت 5 بجے شام تک ہے۔ اس کے بعد جناب والا یہاں اکیلے بیٹھے ہوں گے۔ چونکہ 5 بجے کے بعد ہم دونوں کی پیشہ ورانہ مصروفیات ہیں۔

چنانچہ جوں ہی گھڑی نے پانچ بجائے' جناح عدالت سے باہر نکل آئے۔

(قائداعظمؒ کی زندگی کے چند پہلو)



میں بیرسٹر ہوں' ایکٹر نہیں

کراچی میں جسٹس اے سی وائلڈ اور جسٹس آر بی ملن پر مشتمل ایک ڈویژن بنچ بڑے پیر پگاڑا کی سزا کے خلاف اپیل سن رہا تھا۔ جناح پیر صاحب کی طرف سے دلائل دے رہے تھے۔

جسٹس ملن : مسٹر جناح! ذرا زور سے بولئے میں آپ کو سن نہیں سکتا۔

جناح : جناب والا! میں بیرسٹر ہوں' ایکٹر نہیں۔



جناب والا! انصاف کے دروازے بند نہ کیجئے

1941ء میں کراچی میں سندھ چیف کورٹ کے سامنے ایک اپیل کا مقدمہ درپیش تھا۔ قائداعظمؒ مدعا علیہ بچول کی طرف سے پیش ہو رہے تھے۔ مقدمہ کی کارروائی سننے کے لیے یا قائداعظمؒ کو دیکھنے کے لیے ہزاروں افراد جمع تھے۔ عدالت کا کمرہ اور برآمدے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ چیف جسٹس ڈیوس اور جسٹس و یسٹن عدالت میں داخل ہونے لگے تو ہجوم کو دیکھا۔

جسٹس ڈیوس : (پیش کار سے) دروازے بند کر دو!

جناح : (مسکراتے ہوئے) جناب والا! انصاف کے دروازے کھلے رہنے چاہئیں۔

جسٹس ڈیوس : دروازے کھلے رکھنے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ مجمع خاموش رہے۔

جناح : مجھے امید ہے کہ یہ لوگ خاموش رہیں گے۔

(قائداعظمؒ کی زندگی کے چند پہلو' شریف الدین پیرزادہ' صفحہ 31)



بات اصول کی ہے!

قائداعظمؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری مطلوب الحسن نے اپنی کتاب ہمارے قائداعظمؒ میں ایک مشہور ہندو وکیل اور سیاسی لیڈر دیوان چمن لال کے حوالے سے قائداعظمؒ کی پیشہ ورانہ دیانت داری کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے۔ ایک مؤکل ایک روز محمد علی جناح کے پاس آیا۔

مؤکل : جناح صاحب! یہ میرے مقدمے کے کاغذات ہیں۔ آپ ان کو پڑھ کر اس کیس کے بارے میں اپنی رائے دیجئے۔

جناح : آپ کو معلوم ہے کہ اس قسم کے کاغذات کا مطالعہ کرنے کی فیس فی گھنٹہ کے حساب سے لی جاتی ہے۔

مؤکل : جی ہاں

جناح : کاغذات تو بہت زیادہ ہیں۔ ان کا مطالعہ کرنے میں بہت زیادہ وقت لگنے کا امکان ہے۔ اس لیے اس مشورہ کی فیس بہت زیادہ ہو گی۔

مؤکل : مثلاً کتنی زیادہ؟

جناح : ہو سکتا ہے کہ پندرہ بیس ہزار تک بات پہنچ جائے۔ یہ میرا اندازہ ہے۔ اس میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے۔

مؤکل : لیکن میں صرف دس ہزار دے سکتا ہوں۔

جناح : اس طرح سودا کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے کاغذات اس مقررہ معاوضہ پر نہیں پڑھ سکتا۔

مؤکل : میں بڑی امید لے کر آیا تھا۔

جناح : قدردانی کا شکریہ ! لیکن وکالت میں میرے کچھ اصول ہیں۔ میں ان سے انحراف نہیں کر سکتا۔

مؤکل : اچھا ایک صورت ہے ان کاغذات کو آپ پڑھنا شروع کریں اور جب رقم ختم ہو جائے تو جہاں تک پڑھا ہو' اسی پر رائے دے دیں۔

جناح : ٹھیک' یہ شرط مجھے منظور ہے۔

چنانچہ وکیل محمد علی جناح نے کاغذات پڑھے اور جب وہ شخص مقررہ وقت پر واپس آیا تو یہ گفتگو ہوئی۔

مؤکل : مجھے امید ہے کہ آپ نے کاغذات دیکھ لئے۔

جناح : آپ اپیل کیجئے۔ کیس آپ کے حق میں ہے۔

مؤکل : آپ نے سارے کاغذات کیسے دیکھ لیے؟ میں نے صرف دس ہزار روپے پیش کئے تھے۔

جناح : یہ دس ہزار بھی پورے صرف نہیں ہوئے' اس کیس کو دیکھنے میں جو میرا وقت صرف ہوا اس کی فیس کل ساڑھے تین ہزار بنتی ہے۔ اس لیے یہ رہے آپ کے باقی ساڑھے چھ ہزار اور یہ فائل۔

مؤکل : لیکن جناب میں نے تو دس ہزار روپے دینے کی حامی بھری تھی۔ آپ نے پوری فائل دیکھی ہے۔

جناح : بات پوری فائل کی نہیں، اصول کی ہے۔ جس شرط پر میں نے کاغذات پڑھنے شروع کئے تھے اس لحاظ سے میں نے اپنی فیس وصول کر لی۔
باقی آپ کی رقم آپ کو واپس کر رہا ہوں۔
شکریہ! اب اجازت دیجئے۔



کہاں پانچ ہزار، کہاں پندرہ سو

قائداعظمؒ کی وکالت کے ابتدائی دور کا قصہ ہے کہ بمبئی کے ایک معروف تاجر حاجی عبدالکریم ان کے دفتر میں آئے۔

عبدالکریم : ایک برے مقدمے میں پھنس گیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرا کیس لڑیں۔ اس کی فیس کیا ہو گی؟

جناح : نہیں، میں یہ رقم لینے کو تیار نہیں۔ میری روز کی فیس پانچ سو روپے ہے۔ آپ اس شرط پر مجھے وکیل کرنے کو تیار ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ کسی اور وکیل کو ڈھونڈ لیجئے۔

عبدالکریم : مجھے یہ معاہدہ منظور ہے۔

عبدالکریم بتاتے ہیں کہ جب یہ معاہدہ طے پا گیا تو جناح نے مقدمہ لڑا اور تین پیشیوں میں جیت لیا اور تین دن کے پندرہ سو بڑی خندہ پیشانی سے قبول کئے۔

(قائداعظمؒ کی زندگی کے چند پہلو، شریف الدین پیرزادہ)



صرف اس موقع کیلئے میں شیروانی نہیں پہنوں گا

قائداعظمؒ کو مسلم لیگ کے 1912ء کے لکھنؤ سیشن کا صدر منتخب کیا گیا تھا۔ اجلاس کے منتظمین نے پروگرام بنایا کہ انہیں کانپور سے سپیشل ٹرین کے ذریعہ لکھنؤ لایا جائے۔ قائداعظمؒ کو اطلاع دے دی گئی اور مسلم لیگ کے عمائدین جن میں راجہ صاحب محمود آباد، سر وزیر حسین اور آفس سیکرٹری سید شمس الحسن شامل تھے۔ وقت مقررہ پر کانپور ریلوے سٹیشن پر ان کا استقبال تو خیر ہوا اور بہت تپاک

اور دھوم دھام سے ہوا لیکن مجلس استقبالیہ کے اراکین ایک نئی الجھن سے دوچار ہو گئے۔ مسئلہ یہ تھا کہ قائداعظمؒ کے استقبال کے لیے جو پوسٹر شائع کئے گئے تھے ان میں انہیں مولانا محمد علی جناح لکھا گیا تھا اب جو وہ سامنے آئے تو دیکھا کہ ان میں تو مولانائی کے آثار دور دور تک نظر نہیں آتے۔ کلین شیو، بہترین سوٹ، نہ آن بان، چہرے مہرے سے ان پر دیسی مسٹر ہی کا نہیں کسی یورپین لارڈ کا شبہ ہو رہا تھا۔ مسلمان رہنما اس صورت حال سے پریشان تھے کہ مسٹر کو مولانا کیسے بنائیں اور چپکے چپکے آپس میں مشورے کرنے لگے۔ قائداعظمؒ نے ان کی پریشانی بھانپ لی۔

قائداعظمؒ : کیا مسئلہ ہے آپ لوگ کچھ پریشان نظر آتے ہیں؟

سروزیر حسین : پوسٹر میں غلطی سے آپ کو مولانا محمد علی جناح لکھ دیا گیا ہے آپ کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کی زیادہ تعداد قدامت پسند ہے۔ وہ لیڈروں کو روایتی لباس میں دیکھنے کے عادی ہیں۔

راجہ محمود آباد : اس مسئلہ کا ایک حل ہے۔

قائداعظمؒ : وہ کیا؟

راجہ صاحب : اگر آپ چند دنوں کے لیے شیروانی پہن لیں تو ــــ

قائداعظم : اول تو سردست میرے پاس کوئی شیروانی ہے نہیں دوسرے یہ کہ محض دکھاوے کے لیے میں شیروانی یا کوئی بھی ایسا لباس ہرگز نہیں پہنوں گا جو میں عام طور پر نہیں پہنتا۔

سید شمس : میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔

قائداعظمؒ : فرمایئے!

سید شمس : لباس آپ ہرگز نہ بدلیں۔ مخصوص اوقات میں صرف ترکی ٹوپی پہن لیں۔

قائداعظمؒ : اگر آپ کا اصرار ہے تو میں اس میں کوئی قباحت نہیں سمجھتا۔

اس مکالمے کے راوی سید شمس الحسن اپنے انٹرویو میں کہتے ہیں کہ میں بھاگم بھاگ کان پور کے مچھلی بازار گیا۔ وہاں سے تین چار اچھی ٹوپیاں لے آیا۔ حسن اتفاق سے ایک ان کے سر پر بالکل فٹ آگئی۔ وہ یہ ٹوپی سیشن کے دوران پہنتے رہے۔

--○--

سر کے خطاب کی پیشکش

ہندوستان کا وائسرائے لارڈ ریڈنگ قائداعظمؒ کی صلاحیت' دیانت داری اور فرض شناسی کی بہت عزت کرتا تھا۔ پہلے اس نے انہیں ہائی کورٹ کی ججی پیش کی۔ پھر وائسرائے کی کابینہ میں قانونی رکن کی حیثیت سے تقرر کی پیش کش کی۔ ایک روز کہا:

لارڈ ریڈنگ : آپ کا نائٹ ہڈ کے بارے میں کیا خیال ہے؟

قائداعظمؒ : سر محمد علی جناح کے مقابلہ میں' میں یہ زیادہ پسند کروں گا کہ مجھے صرف مسٹر محمد علی جناح کہا جائے۔

لارڈ ریڈنگ کو جواب سن کر مایوسی تو ضرور ہوئی ہو گی۔ مگر جناح کو نہ کسی قیمت پر خریدا جا سکتا تھا اور نہ وہ حکومت کے حواریوں میں شامل ہو سکتے تھے۔ مسٹر جناح سے مایوس ہو کر لارڈ ریڈنگ نے مسز رتی جناح کو ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔

لارڈ ریڈنگ : مسز جناح! کیا آپ یہ پسند نہیں کریں گی کہ لوگ آپ کو لیڈی جناح کہیں؟

مسز جناح : اگر جناح نے سر کا خطاب قبول کر لیا تو میں ان سے الگ ہو جاؤں گی۔



اختلاف اپنی جگہ' تعلقات اپنی جگہ

قائداعظمؒ کے بمبئی کے زمانہ قیام کا ذکر ہے۔ وہ کسی محفل میں مہمان خصوصی کے طور پر مدعو تھے۔ شرکاء میں بمبئی کے بہت سے سربرآوردہ وکیل اور سیاسی کارکن شامل تھے اور اس دور کے سیاسی واقعات پر گفتگو ہو رہی تھی کہ یکایک میزبان نے کہا۔

میزبان : سیاست میں تعلقات کو نبھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ بہت جلد دشمنی میں بدل جاتی ہے یا پھر دشمن کو سیاسی ضرورت کے تحت دوست بنانا پڑتا ہے۔

قائداعظمؒ : جناب! یہ بھی اپنے اپنے اصولوں کی بات ہے۔ آپ میں سے بعض کو اب سے بیس پچیس سال پہلے کا وہ زمانہ یاد ہو گا جب سر لاؤنڈیس بمبئی میں جج تھے۔ میں نے اس زمانے میں اپنی وکالت کا آغاز کیا تھا اور ابھی میرے پاؤں جمے نہ تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت مجھے کوئی پوچھتا نہ تھا اور میں بہت سی مشکلات میں گرفتار تھا۔ سرجارج نے اس مشکل دور میں میری استعانت کی' رہبری کی بلکہ

بڑے خلوص سے سرپرستی کی اور مجھے اس مقام پر پہنچنے میں بھرپور مدد دی جہاں بحیثیت وکیل میں آخرکار پہنچا۔ میں انہیں اپنا محسن بلکہ باپ کے برابر سمجھتا ہوں۔ وہ بھی مجھ سے بیٹے کا سا سلوک کرتے تھے۔ لیکن جب وہ حکومت ہند کے لاء ممبر کی حیثیت سے امپیریل لیجسلیٹو اسمبلی میں شامل کئے گئے تو اکثر امور میں میں نے ان سے شدید اختلاف کیا۔ لیکن اس بات سے ان سے میری ذاتی ارادت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اب بھی میں ان کا احترام کرتا ہوں۔ انہیں اب بھی اپنا محسن سمجھتا ہوں۔ آج بھی ہمارے تعلقات اسی طرح کے ہیں جس طرح پہلے تھے۔ پنڈت موتی لال نہرو اور میں لیجسلیٹو کاؤنسل میں خون خوار بلوں کی طرح لڑتے تھے۔ مگر اس گرما گرمی کے بعد اسی شام کو وہ میری بیوی اور میری جانب سے رات کے کھانے پر مدعو ہوتے۔

سیاسی اختلافات کے باوجود میرے دل میں کسی کے لیے بغض اور کینہ نہ تھا۔



ہمیں رتی کو بچانا چاہیے

1928ء میں محمد علی جناح اور رتی جناح کے تعلقات کشیدہ تھے۔ وہ شدید بیمار تھیں اور پیرس کے ایک کلینک میں زیر علاج تھیں۔ جناح کے پرانے دوست دیوان سر چمن لال انہیں دیکھنے گئے تو انہیں 102 ڈگری کا بخار تھا اور ان پر سرسامی کیفیت طاری تھی۔ انہوں نے فوراً جناح کو لندن میں فون کیا۔ بدقسمتی سے وہ اس وقت ڈبلن میں تھے۔ انہیں وہاں اطلاع کی گئی وہ تیسرے دن پیرس پہنچ گئے اور جارج پنجم نامی ہوٹل میں ٹھہرے۔ دیوان چمن لال ان سے وہیں ملنے گئے۔

دیوان چمن لال : اچھا ہوا آپ آگئے۔

جناح : لیکن لیڈی پٹیٹ نے تو مجھے بتایا ہے کہ رتی بہتر ہیں۔

چمن لال : بہتر، میں ابھی ابھی کلینک سے آیا ہوں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شدید بخار سے وہ جاں بلب ہیں۔

جناح : اچھا (چند لمحے گہری سوچ میں رہنے کے بعد) آپ کلینک کو فون کیجئے۔

چمن لال : (فون کرنے کے بعد) وہی حالت ہے۔

جناحؒ تو پھر ہمیں اس کو بچانے کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔

اس واقعہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے سر دیوان چمن لال لکھتے ہیں۔

"جناح کوئی تین گھنٹے رتی جناح کے ساتھ کلینک میں رہے۔ میں قریب کے کیفے میں انتظار کرتا رہا۔ جب وہ کلینک سے آئے تو ان کے چہرے سے پریشانی اور اضطراب کے آثار خاصے کم ہو چکے تھے۔ انہوں نے رتی کے لیے ایک نئے کلینک اور نئے معالج کا انتظام کر دیا تھا۔ اس علاج سے انہیں خاصا افاقہ ہوا لیکن وہ جناح کے ساتھ نہیں ٹھہریں اور ان سے ملے بغیر بمبئی چلی گئیں۔"

(قائداعظمؒ ' جیسا میں جانتا تھا' دیوان چمن لال ' پاکستان ٹائمز' 11 ستمبر 1959ء)



رتی بیمار ہیں' میں جا رہا ہوں

فروری 1929ء کو ایک شام ویسٹرن کورٹ دہلی میں محمد علی جناح اور دیوان چمن لال بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ بمبئی سے جناح کے نام ٹرنک کال آئی جو انہوں نے بہت سکون سے سنی اور جواب میں صرف اتنا کہا۔ میں آج رات ہی روانہ ہو رہا ہوں۔

جناح : رتی بہت شدید بیمار ہیں۔ مجھے آج رات ہی روانہ ہو جانا چاہئے۔ چمن' تم نے کچھ اندازہ لگایا کہ ٹیلی فون پر کون تھا۔

چمن لال : نہیں

جناح : یہ میرے فادر ان لاء تھے۔ میری شادی کے بعد آج پہلی بار میری ان سے بات ہوئی ہے۔

دیوان چمن لال : میرے خیال میں تو صبح فرنٹیئر میل سے جائیں۔ رات کی گاڑی بھی آپ کو اسی وقت بمبئی پہنچائے گی۔

جناح : نہیں فوراً روانہ ہونا چاہتا ہوں۔

مسٹر چمن لال 11 ستمبر 1959ء کے پاکستان ٹائمز میں لکھتے ہیں کہ مجھے بعد کو معلوم ہوا کہ حقیقت میں اس وقت جب کال تھرد ہوئی' رتی کا انتقال ہو چکا تھا۔



اپنے ضمیر کے خلاف نہ جاؤ

1929ء میں قائداعظمؒ سکھر میں پیرپگاڑو کی طرف سے وکالت کرنے گئے تھے۔ پیر سے جمعہ تک وہ سکھر میں کیس کرتے تھے اور ہفتہ اتوار کی چھٹی منانے کراچی چلے جاتے تھے۔ کراچی میں وہ حاتم اے علوی کے ہاں ٹھہرتے تھے جو پرانے خلافتی تھے اور گو 1928ء میں وہ کانگریس کی مسلم دشمن پالیسیوں کی وجہ سے کانگریس کی رکنیت ترک کر چکے تھے لیکن پھر بھی ان سے ایک ذہنی تعلق قائم تھا۔ اسی وجہ سے وہ مسلم لیگ میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ قائداعظمؒ کو ان کی گزشتہ سیاسی وابستگیوں کا پورا علم تھا۔ اس کے باوجود ذاتی مراسم کی بنا پر وہ ان کے ہاں ہی ٹھہرتے تھے۔ طویل سیاسی بحثیں بھی ہوتیں۔

حاتم علوی : میں آپ کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

قائداعظمؒ : میں نے صرف کانگریس کے رویے کا تجزیہ کیا ہے کہ کانگریس آزادی ضرور چاہتی ہے لیکن مسلمانوں کے لیے نہیں۔ ایک دن تم بھی اسی نتیجے پر پہنچو گے۔ لیکن تم اپنے ضمیر کے خلاف نہ جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اپنے ایقان کے خلاف میری بات مانو۔

حاتم علوی قائداعظمؒ کے یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :

”1937ء سے پہلے تک میں باقاعدہ طور پر مسلم لیگ میں شامل نہیں ہوا تھا بلکہ میرا قدرے جھکاؤ کانگریس کی طرف تھا۔ اس کے باوجود قائداعظمؒ بڑی فراخ دلی سے اختلاف رائے برداشت کرتے اور انہوں نے کبھی مجھے زبردستی اپنی رائے بدلنے پر مجبور نہیں کیا۔ ”جو صحیح سمجھو وہی کہو اور کرو“ یہ ان کا نقطہ نظر تھا۔“



ریمزے میکڈانلڈ کو ڈانٹ

گول میز کانفرنس کے موقع پر برطانوی وزیراعظم ریمزے میکڈانلڈ نے ایک بار قائداعظمؒ سے علیحدگی میں ملاقات کی۔

وزیراعظمؒ : مسٹر جناح ! آپ کو معلوم ہے کہ بہت جلد ہندوستان کو حکومت خوداختیاری دی جانے والی ہے۔ اس صورت میں ہمیں ایسے قابل لوگوں کی ضرورت ہو گی جنہیں صوبوں کا گورنر بنایا جا سکے۔

قائداعظمؒ

(تیزی سے) مسٹر میکڈانلڈ! کیا آپ مجھے رشوت دینے کی کوشش کر رہے ہیں؟



مولانا محمد علی جوہر سے آخری گفتگو

گول میز کانفرنس 32-1930ء میں بیگم جہاں آرا شاہنواز ایک مندوب کی حیثیت سے شریک تھیں۔ ان کے والد سر شفیع، قائد اعظم اور آغا خاں مسلم وفد کے سرکردہ رہنماؤں میں سے تھے۔ وہ اکثر ان کی مجلسوں میں شریک ہوتی تھیں۔

جہاں آراء : لیکن میں تو نیشنلزم پر یقین رکھتی ہوں۔ وطن کی آزادی ہر چیز پر مقدم ہے اور مجھے امید ہے یقیناً" مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے گی۔

قائداعظمؒ : بی بی! ابھی تم ناتجربہ کار ہو تم بھی بہت جلد اس نتیجے پر پہنچ جاؤ گی جس پر میں ہندوؤں کے ساتھ تقریباً" تیس سال کام کرنے کے بعد پہنچا ہوں۔ اب تمہیں ایک واقعہ سناتا ہوں۔ اپنے انتقال سے صرف چار روز پہلے مولانا محمد علی نے مجھے بستر کے قریب بلایا اور ازراہ کرم مجھ سے کہا آپ قوم کی آئندہ امیدوں میں سے ایک ہیں۔ اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ میں آپ کی رہنمائی کے لیے کچھ اشارے کروں۔ پھر انہوں نے بڑے دکھ کے ساتھ ہندوؤں کے ساتھ اپنے تلخ تجربات کے قصے سنائے۔ حالانکہ وہ سخت بیمار تھے۔ اس کے باوجود وہ تقریباً دو گھنٹے تک مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ آپ پلیٹ فارم سے مسلم قوم کے مستقبل کے بارے میں بہت احتیاط سے بات کیا کریں۔

بیگم جہاں آراء یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتی ہیں:

"جو کچھ محمد علی جناحؒ نے کہا تھا اس کا بہت جلد مجھے خود تجربہ ہو گیا اور میرا نیشنلزم قطرہ قطرہ چھلکتا گیا۔ جب مختلف فرقوں میں طویل اور صبر آزما مذاکرات ہوئے خصوصاً" ان دو یادگار مہینوں میں جب کانفرنس میں گاندھی جی سے میرے مذاکرات ہوئے۔ کانگرسی لیڈر ہوشیار ضرور رہے لیکن ہماری لیڈر شپ اس کے دام فریب میں نہیں آئی۔ دل شکستہ، مایوس، دل برداشتہ ہو کر مجھے احساس ہوا کہ ہندو، ہندو راج چاہتے ہیں۔ ہندوستان کی آزادی کے طلبگار نہیں۔"

(کچھ یادیں، جہاں آرا شاہنواز، صفحہ 96)



میں نے تمام عمر اسی اصول کو مد نظر رکھا ہے

پاکستان کی پہلی قانون ساز اسمبلی کے رکن اور معروف مسلم لیگی لیڈر اور کھیلوں کے سرپرست احمد ای ایچ جعفر نے اپنا سیاسی کیریئر 1934ء میں شروع کیا تھا۔ جب وہ تقریباً نوجوانی میں بمبئی کے علاقہ سے ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے جب جنوری میں اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تو دہلی میں ویسٹرن کورٹ میں وہ اوپر کی منزل پر ٹھہرے۔ اتفاق سے قریب ہی قائداعظمؒ بھی اقامت پذیر تھے۔ اس لیے ان سے ضرور علیک سلیک ہوتی رہتی تھی۔ قائداعظمؒ انڈی پنڈنٹ پارٹی کے لیڈر تھے۔ چونکہ اس وقت مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی قائم نہیں ہوئی تھی۔ احمد ای جعفر کا تعلق کسی پارٹی سے نہیں تھا۔ وہ اپنے طور پر اسمبلی کے حالات کا مطالعہ کر رہے تھے۔ ایک آدھ بار انہوں نے قائداعظمؒ کی پارٹی کے خلاف ووٹ بھی دیا تھا۔

ایک روز قائداعظمؒ نے انہیں اپنے اشوکا روڈ کے کرائے کے بنگلے پر ملاقات کی دعوت دی۔ قائداعظمؒ نے اس وقت تک دس اورنگ روڈ کی پروقار اور شاندار عمارت نہیں خریدی تھی۔

احمد جعفر : سر، مجھے یہاں ملاقات کا موقع دینے کے لیے میں آپ کا ممنون ہوں۔

قائداعظمؒ : احمد! میں نے نوٹ کیا ہے کہ آپ نے کئی بار میرے خلاف اسمبلی میں ووٹ دیا ہے۔ مین نے اس کا برا نہیں منایا۔ ووٹ دینا تمہارا حق ہے۔ اس کو جس طرح تم مناسب سمجھتے ہو استعمال کرو۔ لیکن یاد رکھو کبھی اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف نہ جانا۔ اگر تم محسوس کرو کہ تم حق پر ہو تو پھر جھجکنے کی ضرورت نہیں لیکن اگر تمہیں ذرا سا گمان ہے کہ تم کوئی ایسا قدم اٹھا رہے ہو جو تمہارے ایقان سے مطابقت نہیں رکھتا اور اس کے محرک جذبے میں کوئی کھوٹ ہے تو اس اقدام سے اس راہ سے بچو۔

تمام زندگی میں نے اسی اصول پر عمل کیا ہے۔ میں اس کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا کہ لوگ کیا کہتے ہیں یا سوچتے ہیں۔ میں صرف وہ کرتا ہوں جو مجھے میرا ضمیر بتا دے یا یہ صحیح ہے۔ اگر تم نے میرے مشورہ پر عمل کیا تو تم کندن ہو جاؤ گے۔ یہ اصول صرف اسمبلیوں اور کونسلوں ہی کے لیے نہیں ہے۔ زندگی کی تمام منزلوں میں اس کی کسوٹی بنایا جا سکتا ہے۔ عہدوں کے پیچھے مت بھاگو۔ عہدوں کو اپنے پیچھے بھاگنے دو۔

--○--

مسجد کا احترام

21 فروری 1936ء کو قائداعظمؒ مسجد شہید گنج کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے۔ اس روز جمعہ تھا۔ قائداعظمؒ نماز کے لیے بادشاہی مسجد تشریف لے گئے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو خواجہ اشرف احمد ان کے پاس پہنچے۔

خواجہ اشرف : (آٹوگراف بک آگے بڑھاتے ہوئے) جناب' آٹوگراف۔

قائداعظم : یہاں نہیں' گھر جا کر۔

خواجہ اشرف لکھتے ہیں کہ محض مسجد کے احترام کی خاطر انہوں نے آٹوگراف نہیں دیا تھا۔ بعد کو میں نے میاں احمد یار خاں کی کوٹھی پر جا کر ان سے آٹوگراف لیا۔



مجھے تم ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے

ہیکٹر بولائیتھو نے اپنی کتاب "Jinnah, The creator of Pakistan" میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ یہ سپین کی سول وار کے زمانے کی بات ہے۔ کوئی جلسہ ہو رہا تھا۔ پنڈت نہرو تقریر کر رہے تھے۔ جناح اور ابراہیم رحمت اللہ بھی پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ جب وہ اکیلے ہوئے تو یہ گفتگو ہوئی۔

جناح : ابراہیم! تمہارا کیا خیال ہے کہ کیا نہرو لایعنی باتیں نہیں کر رہے تھے؟

ابراہیم : میرا تو خیال ہے کہ نہیں۔

جناح : آخرکار جنگل کا قانون ہی چلتا ہے۔ اگر تم اس پر یقین نہیں رکھتے ہو تو تم دیوانے ہو۔

ابراہیم : ہم اپنے آپ کو مہذب انسان کہتے ہیں۔ چونکہ ہم جنگل کے قانون سے آزاد اور بلند ہو گئے ہیں۔ اگر آپ ایسا نہیں سمجھتے تو جناب والا! آپ خود دیوانے ہیں۔

جناح : (بے باکی سے خوش ہو کر) بہت خوب' مجھے تم ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے' آؤ میرے ساتھ کام کرو۔

(ہیکٹر بولائیتھو' محمد علی جناح' معمار پاکستان صفحہ 49)



میں بغیر تنخواہ کے کوئی کام نہیں کروانا چاہتا

37-1936ء تک قائداعظم کے پاس کوئی باقاعدہ سیکرٹری نہیں تھا۔ مسلم لیگ کا بیشتر کام وہ خود ہی کرتے تھے۔ ایک روز حسین بیگ محمد سے جو قائداعظم کے پرانے دوست کے بیٹے' مسلم لیگ کے مخلص کارکن تھے' یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : انتخابات کے بعد مسلم لیگ کا دفتری کام خاصا بڑھ گیا ہے ہر روز مجھے اس دن کی اہم خبروں کا مربوط خلاصہ چاہیے۔ یہ کام بھی مجھے خود ہی کرنا پڑتا ہے۔

حسین : اس طرح کے کاموں کے لیے آپ کو ایک سیکرٹری چاہیئے۔

قائداعظمؒ : میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ میں ایک جز وقتی سیکرٹری رکھ لوں جو کم از کم خبروں ہی کو ترتیب دے کر مجھے دے دیا کرے۔

حسین : اس کام کے لیے میں حاضر ہوں۔

قائداعظمؒ : حسین ! پیش کش کا شکریہ۔ میں جانتا ہوں کہ اس ذمہ داری کے لیے تم ہر طرح سے موزوں آدمی ہو لیکن میں آپ کو نہیں کہہ سکتا۔

حسین : (چونک کر) کیوں؟

قائداعظمؒ : اس لیے کہ آپ تنخواہ نہیں لیں گے اور میں بغیر تنخواہ کے کام نہیں کرانا چاہتا۔

حسین بیگ محمد لکھتے ہیں کہ بعد کو یہ خدمت شریف الدین پیرزادہ کے سپرد ہوئی۔



میں بغیر اجرت کے کسی سے خدمت لینا پسند نہیں کرتا

1938ء میں جب قائداعظمؒ دہلی میں لیاقت علی خاں کی کوٹھی گل رعنا میں مقیم تھے' کچھ عرصہ تک ان کے اسٹینوگرافر کی خدمات مجاہد حسین نے سرانجام دیں۔

قائداعظمؒ : مجاہد ! آج تمہیں کام کرتے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا ہے۔ کیا اجرت دی جائے۔

مجاہد : اجرت جناب میں تو سرکاری ملازم ہوں۔ گورنمنٹ سے تنخواہ پاتا ہوں۔

قائداعظم : کیا اس کام کی تنخواہ بھی گورنمنٹ تم کو دیتی ہے؟

مجاہد : یہ کام تو ایک طرح کی عملی تربیت ہے۔ سرکاری ملازمت میں ترقی کے لیے میں شارٹ ہینڈ سیکھ رہا ہوں۔

قائداعظمؒ : نہ جانے تم کیا کہہ رہے ہو؟ یہ کوئی شارٹ ہینڈ سکول تو نہیں۔ کیا تم نے مجھے کنگال سمجھا ہے کہ مفت کام لوں۔ اگر تم اس کا معاوضہ لینے کے لیے تیار نہیں تو بے شک کل سے نہ آنا۔

یہ قائداعظمؒ کی عادت تھی کہ وہ قومی کام کرانے کا بھی مناسب معاوضہ دینے پر اصرار کرتے تھے۔

مجاہد حسین اپنی یادداشتوں میں قائداعظمؒ کے کام کرانے کے طریقے کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

"وہ خط الف سے یے تک لکھواتے تھے۔ یہاں تک کہ آخر میں اپنا نام ایم اے جناح بھی بولا کرتے تھے۔ ہر خط کا جواب دینا ان کی عادت تھی۔ بعض اوقات ایسے ایسے فضول خط جن کو کم از کم میں پھاڑ کے پھینک دیتا وہ ان کا جواب بھی اسی اہتمام سے لکھواتے۔"

(چند یادیں چند ملاقاتیں)



کسی سے بلامعاوضہ کام نہیں

شریف الدین پیرزادہ نے انگریزی میں ایک کتابچہ لکھا تھا پاکستان --- "ایک نظر میں" جس میں لاہور ریزولیوشن کی وضاحت اعدادوشمار کے ذریعے سے کی گئی تھی۔ جب قائداعظمؒ کی نظر سے یہ کتابچہ گزرا تو انہوں نے اسے پسند فرمایا اور جب انہیں ایک سیکرٹری کی ضرورت محسوس ہوئی تو ابراہیم اسماعیل چند ریگر کے ذریعے انہیں بلا بھیجا۔

قائداعظمؒ : میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ہاں کچھ کام کریں۔

شریف الدین : آپ کا یاد فرمانا ہی میرے لیے باعث عزت ہے۔ کام کیا ہے؟

قائداعظمؒ : اخبارات میں سے اہم خبروں کا خلاصہ تیار کرنا ہے۔ اہم بیانات اور تقریروں کے تراشے محفوظ کرنا ہیں۔

شریف الدین : میں کالج میں زیرِ تعلیم ہوں۔ پورا وقت دینا تو میرے لیے مشکل ہو گا۔ جز وقتی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔

قائداعظمؒ : جز وقتی بھی ٹھیک ہے لیکن اس کا معاوضہ کیا ہو گا؟

شریف الدین : معاوضہ تو میں لے نہیں سکتا۔

قائداعظمؒ : تو بغیر تنخواہ کے میں کام نہیں کراؤں گا۔

شریف الدین : سر، میں مشنری جذبے سے یہ قومی خدمت انجام دینا چاہتا ہوں۔ اگر معاوضہ لیا تو جذبہ متاثر ہو گا۔

یہ گفتگو نقل کرنے کے بعد شریف الدین پیرزادہ لکھتے ہیں کہ یہ سن کر وہ بمشکل میرے وہاں بغیر معاوضے کے کام کرنے پر راضی ہوئے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہی انہوں نے مجھے معاوضہ ادا کرنے کی ایک خوبصورت راہ نکالی۔ فرمایا :

"مختلف لیڈروں سے جو میری خط و کتابت ہوئی ہے اسے مرتب کر کے شائع کر دیں۔"

میں نے قائد کے حکم کی تعمیل کی اور اس طرح رائلٹی کی کچھ رقم مجھے مل گئی۔ قائداعظم کا اصول تھا کہ وہ کسی سے بلامعاوضہ کام نہیں لیتے تھے۔



ایک عام آدمی، کوئی مہاراجہ نہیں

قائداعظمؒ ایک بار ایک مقدمے کے سلسلے میں لکھنؤ آئے تو حسب دستور مہاراجہ محمود آباد کے مہمان ہو کر بٹلر پیلس میں ٹھہرے۔ وہ چیف کورٹ سے لنچ کے وقفہ میں تھوڑی دیر کے لیے آئے تھے۔

اور ان کا لنچ تنہا ہوتا تھا۔ پہلے دن باورچی خانہ کا داروغہ قدیم دستور کے مطابق ان کی کرسی کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ قائد اپنے خیالات میں منہمک تھے۔ پہلے تو کچھ خیال نہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد انہیں محسوس ہوا کہ کوئی آدمی پاس کھڑا ہے۔

قائداعظمؒ : کیا کام ہے؟

داروغہ : حضور کوئی کام نہیں ہے۔

قائداعظمؒ : پھر کیوں کھڑے ہو؟

داروغہ : میرا فرض ہے کہ میں مہاراجہ صاحب کے معزز مہمانوں کے خاصہ کے وقت حاضر رہوں۔

یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے راجہ صاحب محمود آباد کے سیکرٹری حسن عابد جعفری لکھتے ہیں۔

"رات کے کھانے پر قائداعظمؒ نے واقعہ خود ہنس ہنس کر بیان کیا اور کہا: اگر آپ کا داروغہ لنچ کے وقت میرے سر پر سوار رہے گا تو میں کچھ نہ سوچ سکوں گا۔ میں بمبئی کا آدمی ہوں' مہاراجہ نہیں ہوں۔ اس وقت کھانے پر کئی مشہور و معروف ہستیاں موجود تھیں۔ قائداعظمؒ نے یہ باتیں اردو میں ایسے لب و لہجہ میں کیں کہ سب ہنس پڑے اور سب سے زیادہ خود قائداعظمؒ ہنسے۔"

اس مضمون میں حسن عابد' جنہیں قائداعظمؒ کو خلوت و جلوت میں دیکھنے کا خاصا موقع ملا تھا' مزید لکھتے ہیں۔

"وہ بہت پڑھتے تھے۔ قانون میں تو ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا ہی۔ سوانح عمریاں اور معرکتہ تقریریں بھی ان کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ میں نے ان کو سسرو اور ڈیمو سھینز کے خطبے اور تقریریں پڑھتے دیکھا ہے۔ اسی طرح انہیں تاریخ کے مطالعہ سے بھی بہت شغف تھا۔ان کے کتب خانے میں تقریباً" ہر قسم کی اچھی کتابیں تھیں۔ آخر میں ان کے پاس اسلامی لٹریچر بھی کافی جمع ہو گیا تھا۔"

اس ضمن میں مرزا عزیز بیگ "قائداعظمؒ کے چند ذاتی پہلو" کے عنوان سے لکھتے ہیں:

"قائداعظمؒ نے اپنے زمانہ طالب علمی میں فارسی بھی پڑھی تھی۔ اس سلسلہ میں مشہور فارسی کتاب عقائد لطیف خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ بعد میں آپ کا فارسی اور اردو سے ربط قائم نہیں رہ سکا۔1946ء میں آپ نے اپنی ایک تقریر میں فردوسی کے چند اشعار کا حوالہ دیا جن کا ترجمہ یہ ہے:

"اگر تم امن کے خواہاں ہو تو میں بھی جنگ نہیں چاہتا۔ لیکن اگر تم جنگ چاہتے ہو تو میں اسے بلا تامل قبول کرتا ہوں۔"

1945ء میں قائد کی توجہ اورنگ زیب کی سوانح عمری پر مرکوز رہی۔"

(قائداعظمؒ میری نظر میں' صفحہ 107)



میرا سارا وقت میرے مؤکل کا ہے

جب قائداعظمؒ گولکنڈہ سگریٹ فیکٹری کے مقدمہ میں ایک فریق کی وکالت کے لیے حیدر آباد گئے تو نظام حیدر آباد نے بھی ان سے ملاقات کی اور بعض امور کی بابت ان سے مشورہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ سر اکبر حیدری نے جو اس وقت ریاست کے وزیراعظم تھے' نظام اور قائداعظمؒ کی گفتگو انگریز ریذیڈنٹ تک پہنچا دی۔ اس نے قائداعظمؒ کو فون کیا۔

ریذیڈنٹ : میں آپ سے بعض امور پر تبادلہ خیال کرنا چاہتا ہوں مجھے خوشی ہو گی اگر آپ کھانا میرے ساتھ کھا سکیں۔

قائداعظم : دعوت کا شکریہ ! لیکن میں کہوں گا اول تو میری آپ کی شناسائی نہیں ہے۔ اس لیے ساتھ کھانا کھانے کا کیا سوال۔ دوسرے یہ کہ میری مصروفیات پہلے سے بہت زیادہ ہیں۔ تیسری اور سب سے اہم بات یہ کہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گا کہ میں یہاں خاص طور سے ایک مقدمہ کی پیروی کے لیے آیا ہوا ہوں۔ میرا سارا وقت میرے مئوکل کا ہے۔

اس واقعہ کے راوی سید بادشاہ حسین لکھتے ہیں کہ قائد کو اصل صورت حال کا علم ہوچکا تھا اس لیے انہوں نے ریذیڈنٹ کو یہ جواب دیا۔

اس دو ٹوک انکار کی اہمیت کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہیں اس امر کا کچھ اندازہ ہو۔ اس دور میں ریاستوں میں سرکار برطانیہ کے نمائندے اور ترجمان کا کیا مرتبہ اور دبدبہ ہوتا تھا۔ قوت و اختیار کے لحاظ سے عملاً اس کی حیثیت نواب یا راجہ سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔ لیکن قائداعظم تو قائداعظمؒ تھے۔

(قائداعظمؒ چند یادیں چند ملاقاتیں' صفحہ 34)



مروت سے پہلے قومی مصلحت

1937ء میں مسلم لیگ کی تنظیم نو کے بعد قائداعظمؒ اور گاندھی جی کے درمیان سیاسی مسائل پر خط و کتابت شروع ہوئی تھی۔ مارچ 1938ء میں اخبارات میں ایک خبر شائع ہوئی کہ گاندھی جی 25 اپریل کو مسٹر جناح سے ملنے بمبئی جائیں گے۔ اتفاق سے اوائل اپریل میں قائداعظمؒ کو ایک کیس کے سلسلہ میں کلکتہ جانا پڑا۔ 15 اپریل کو انہیں وہاں گاندھی جی کی طرف سے ایک تار ملا۔ اگر آپ واپس جاتے ہوئے واردھا میں ایک دن کے لیے رک جائیں تو بمبئی تک طویل سفر کرنے کی صعوبت سے بچ جاؤں گا۔ مجھے کچھ عرصہ تک متواتر جسمانی آرام کی ضرورت ہے۔ دوسرے یہ بتائیے کہ کیا مولانا ابوالکلام آزاد بھی انٹرویو کے وقت میرے ساتھ ہو سکتے ہیں؟ برائے کرم واردھا کے پتے پر جواب دیجئے جہاں میں کل پہنچ رہا ہوں۔

اس کا جواب قائداعظمؒ نے یہ دیا :

"مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میرے لیے میرا پروگرام بدلنا بہت مشکل ہے۔ میں بمبئی میں پروگرام کے مطابق 25 اپریل یا اس کے بعد آپ کا خیرمقدم کروں گا۔"

گاندھی جی نے دونوں تار اخبارات میں اشاعت کے لیے دے دیئے۔ دونوں تاروں کو ایک ساتھ پڑھ کر بہت سے لوگوں نے یہ تاثر لیا کہ مسٹر جناح نے زیادتی کی ہے۔ ان میں سے ایک حاتم علوی بھی تھے۔ انہوں نے قائداعظمؒ کو ایک خط میں لکھا کہ مروت اسلام کا ایک حصہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ گاندھی جی کی درخواست کے جواب میں آپ کا ردعمل قرین مروت نہیں تھا وغیرہ وغیرہ۔ قائداعظمؒ نے اس گلہ کا جواب نہیں دیا۔ حاتم علوی نے اس خاموشی سے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ غالباً ناراض ہو گئے ہیں۔ بہرحال کچھ دنوں کے بعد جب حاتم علوی کا بمبئی جانا ہوا اور انہوں نے قائداعظمؒ سے ملاقات کا وقت لینے کا خواہش ظاہر کی تو قائداعظمؒ نے نہ صرف وقت دیا بلکہ انہیں رات کے کھانے پر آنے کی دعوت بھی دی اور جب ملے تو بڑی خوش دلی سے ملے۔ ان کے انداز میں اشارتاً" یا کنایتاً" بھی کوئی ناراضگی یا برہمی نہیں تھی۔ بلکہ وہ بے تکلفی سے عام سیاسی حالات پر گفتگو کرنے لگے۔ حاتم علوی کو تعجب ہوا۔

حاتم علوی : میں نے آپ کو گاندھی جی کی درخواست رد کرنے کے بارے میں ایک تنقیدی خط لکھنے کی جسارت کی تھی۔ آپ نے برا تو نہیں منایا؟

قائداعظمؒ : علوی ! میں نے جان بوجھ کر اسکا جواب نہیں دیا تھا۔ خط میں جو نکتہ تم نے اٹھایا تھا اس کا جواب میں اب تفصیل سے دیتا ہوں۔ تم لوگوں کا خیال ہے کہ میں مغرور اور خودپرست ہوں۔ لیکن یقین کرو ایسا نہیں ہے۔

علوی ! کیا کبھی تم نے سوچا ہے کہ کانگریس اور انگریزوں کے خلاف ہم اپنی سیاسی لڑائی کن ہتھیاروں سے لڑ رہے ہیں۔ ہمارے پاس نہ پریس ہے نہ پیسہ ہے اور مسلمان قوم ہزار ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ کانگریس نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مسلمانوں میں فرقہ بندیوں' گروپ بندیوں اور حریف قیادتوں کو ابھارا ہے' پیدا کیا ہے۔ آپ میں شیعہ ہیں' سنی ہیں' احرار ہیں' نیشنلسٹ ہیں' یونینسٹ ہیں اور کیا کیا نہیں۔ ہمیں صرف اپنے کھلے دشمنوں سے ہی نہیں لڑنا بلکہ اپنے ان لوگوں سے بھی نمٹنا ہے جو کانگریس کا آلہ کار بن گئے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم کانگریس کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور تمام مسلمانوں کو ایک نصب العین کے تحت ایک پلیٹ فارم پر جمع کریں۔ پھر ایک متحد اور مستحکم مسلم فرنٹ کی حیثیت سے انگریزوں اور ہندوؤں سے مذاکرات کریں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کوشش میں اب تک ہم بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ لیکن ہمیں اپنا دباؤ قائم رکھنا چاہئے اور

یہ دباؤ قائم رکھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کانگریس کو کوئی چھوٹ نہ دیں بلکہ کسی طرح یہ ظاہر بھی نہ ہونے دیں کہ کوئی ڈھیل دی جا رہی ہے۔
علوی! تم نوجوان ہو' تصور پرست ہو' تم تصوراتی خلوص سے یہ سمجھنے لگتے ہو کہ جو چیز چمکتی دکھائی دیتی ہے سونا ہے۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی واضح تصور ہے کہ اگر میں بمبئی جاتے ہوئے واردھا میں رک جاتا تو حقیقتاً" کیا صورت حال ہوتی؟

حاتم علوی : نہیں میرے ذہن میں کوئی واضح تفصیل نہیں۔

قائداعظمؒ : تو سنو! میرا خیال ہے کہ جب میں مسٹر گاندھی سے ملنے جاتا تو اس کا نقشہ کچھ یوں ہوتا کہ وہ ایک اونچے سے لکڑی کے تخت پر براجمان ہوتے۔ مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوتے اور جب ہم ہاتھ ملا رہے ہوتے' وہ اپنے تخت کی بلندی سے اور میں آشرم کی خاک کی پستی سے نظر آتے اور ایک درجن فوٹوگرافر اپنے کیمروں سے اس منظر کی تصویر لیتے اور پھر دوسرے روز تمام ہندو پریس اس فوٹو کو اس انداز سے چھاپتا جیسے میں کانگریس سے مفاہمت کرنے گاندھی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اس پروپیگنڈے سے جو کم سے کم نقصان ہوتا وہ یہ ہوتا کہ جن مسلمانوں کو ہم کانگریس کے دائرہ اثر سے نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ مزید تذبذب کا شکار ہو جاتے اور سوچتے کہ جب مسلم لیگ اور کانگریس میں مفاہمت ہونے ہی والی ہے تو کیوں نہ تھوڑی دیر ہم اور انتظار کر لیں اور کانگریس سے وابستگی سے پورا فائدہ اٹھا لیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے علاوہ اور دوسرے منفی نتائج بھی مرتب ہوتے۔

گفتگو نقل کرنے کے بعد حاتم علوی لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کی یہ توضیح اور توجیہ سننے کے بعد نہ صرف میں نے ان کے موقف سے اتفاق کیا بلکہ میں ان کی سیاسی فراست کا بھی قائل ہو گیا کہ اللہ اکبر' اس شخص کی نظر کہاں کہاں ہے اور کتنی گہری ہے اور یہ بھی کہ ہمارا قائد سر اٹھا کے چلتا ہے تو قوم کے لیے بعد کے حالات و واقعات نے ثابت کر دیا کہ قائداعظمؒ کی تمکنت اور خوداعتمادی نے نہ صرف پوری قوم کے وقار کو بلند کیا بلکہ پوری قوم میں وہ خوداعتمادی پیدا کی جس نے تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ ہندو اور انگریز ایسے مانے ہوئے شاطروں کو مات دی۔ یہ سب کچھ جناح کی قیادت کا اعجاز تھا۔

(قائداعظمؒ اپنے معاصرین کی نظر میں' صفحہ 62)

--○--

اگر مسلمان مغلوب ہوئے تو اردو بھی نہ رہے گی

جون 1937ء میں سر محمد شفیع نے شملہ میں قائداعظمؒ کے اعزاز میں خاص احباب کے ساتھ ایک لنچ کااہتمام کیا۔ ان میں لاہور کے جسٹس شاہ دین مرحوم کے نوجوان صاجزادے میاں بشیر احمد بھی تھے۔ قائداعظمؒ کی نظر جو ہر قابل پر رہتی تھی۔ قائداعظمؒ نے ان سے باتیں کیں اور کہا آپ مجھ سے کل ملیں چنانچہ دوسرے روز میاں صاحب قائداعظمؒ کی خدمت میں گرینڈ ہوٹل میں حاضر ہوئے تو یہ باتیں ہوئیں۔

قائداعظمؒ : آج کل آپ کیا کر رہے ہیں؟

میاں بشیراحمد : میں اردو میں کچھ ادبی کام کر رہا ہوں۔ ایک ادبی علمی رسالہ "ہمایوں" نکالتا ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ اس ذریعہ سے مسلم تہذیب و تمدن کو فروغ دیا جائے اور اعلیٰ انسانی قدروں کی ترویج کی جائے۔

قائداعظمؒ : میں آپ کے مخلصانہ کام کی قدر کرتا ہوں لیکن آپ اس نکتہ پر غور کیجئے کہ اردو کا اصل مسئلہ ادبی ہے یا سیاسی ہے۔ یاد رکھیے اگر مسلمانوں اور ہندوؤں کی موجودہ تلخ سیاسی کشمکش کے نتیجے میں اگر خدانخواستہ مسلمان مغلوب ہو گئے تو ان کے ساتھ ان کا مذہب، کلچر اور زبان سب تباہی سے دوچار ہو جائیں گے۔ تو جناب اردو کا مسئلہ بھی ادبی نہیں سیاسی ہے۔ اس لیے آپ ادب کے طلسماتی گنبد سے باہر نکلیں اور لکھنؤ آئیں اور وہاں آل انڈیا مسلم لیگ کے مباحثہ میں شریک ہوں اور پھر وہاں لیگ کی مدد کریں کہ وہ تمام ہندوستان میں اردو کی سیاسی حیثیت کو مضبوط کرنے کے لیے ایک قرار داد پاس کریں۔

میاں بشیراحمد : کیا آپ اس سلسلہ میں مولوی عبدالحق کو ایک خط لکھنا پسند کریں گے؟

قائداعظمؒ : کیوں نہیں۔

یہ گفتگو نقل کرنے کے بعد میاں بشیر احمد لکھتے ہیں:

قائداعظمؒ نے بابائے اردو کو اس بارے میں لکھا۔ چنانچہ 15 اکتوبر 1937ء کے مسلم لیگ کے 25 ویں سالانہ جلسہ کے موقع پر اردو کے لیے ایک مضبوط اور زوردار ریزولیوشن پاس بھی کیا۔

لکھنؤ کا لیگ سیشن بھی بہت کامیاب رہا۔ واپس آکر مجھ سے ادبی آدمی نے بھی مسلم لیگ میں شرکت کرنا ضروری سمجھا اور پھر پنجاب مسلم لیگ کا جوائنٹ سیکرٹری

منتخب ہوا۔ اس وقت پنجاب مسلم کے صدر خود علامہ اقبالؒ تھے۔"

(قائداعظمؒ اپنے معاصرین کی نظر میں' صفحہ 15)



میں تم لوگوں سے برتر نہیں

1939ء میں شملے کی جامع مسجد میں مسلم لیگ کا جلسہ تھا۔ قائداعظمؒ صدارت کر رہے تھے۔ سب سے پہلے مولانا ظفر علی خاں نے تقریر کی اور پھر مجمع کے اصرار پر اپنی دو نعتیں بھی سنائیں۔ حسین شہید سہروردی' مولانا شوکت علی اور مولوی اے کے فضل الحق نے بھی تقریریں کیں۔ قائداعظمؒ نے اپنی صدارتی تقریر میں کئی بار شہادت کی انگلی اٹھا کر کہا:

"ایک ہو جاؤ' ایک ہو جاؤ' یہ اللہ اور رسول ﷺ کا حکم ہے۔ میں بھی یہی کہتا ہوں۔"

جلسے کے بعد لوگوں نے قائداعظمؒ کو گھیر لیا۔ بعض نے جوش عقیدت میں ان کے ہاتھ چومنے کی کوشش کی۔

قائداعظمؒ : (اپنے ہاتھ کھینچ کر) سب مسلمان برابر ہیں' میں تم سے برتر نہیں۔



میں فارسی جانتا ہوں' اردو کیا چیز ہے

آل انڈیا مسلم لیگ کاؤنسل کے اجلاس منعقدہ دہلی 27 اگست 1939ء میں سر سکندر حیات خاں کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک ڈاکٹر عاشق بٹالوی نے پیش کی تھی۔ اس ہنگامے میں سر سکندر کے حامیوں اور مخالفوں نے ایک دوسرے پر فقرے کسے۔ اس موقع پر ڈاکٹر بٹالوی نے برجستہ ایک شعر پڑھا تھا جس کا بڑا چرچا ہوا تھا۔ دوسرے روز ڈاکٹر بٹالوی قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے:

قائداعظمؒ : وہ شعر دوبارہ سنائیے۔

بٹالوی : رہیں نہ رند' یہ واعظ کے بس کی بات نہیں
تمام شہر ہے دو چار کس کی بات نہیں

قائداعظمؒ : بہت خوب

بٹالوی : اگر ارشاد ہو تو اس کا انگریزی ترجمہ بھی پیش کروں۔

قائداعظمؒ : میں فارسی جانتا ہوں' اردو کیا چیز ہے۔

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے اپنے ایک مضمون میں قائداعظمؒ کا یہ جواب نقل کیا ہے۔

"قائداعظمؒ کی فارسی دانی کا ایک ثبوت یہ ہے کہ 1942ء میں قائداعظمؒ نے اپنی ایک تقریر میں فارسی کے شاعر فردوسی کے چند اشعار کا حوالہ دیا جن کا ترجمہ یہ ہے۔

اگر تم امن کے خواہاں ہو تو میں بھی جنگ نہیں چاہتا
لیکن اگر تم جنگ چاہتے ہو تو میں اسے بلا تامل قبول کرتا ہوں"



خواتین کو کسی قیمت پر تکلیف نہیں ہونی چاہیئے

23 مارچ 1940ء کے مشہور لاہور سیشن میں شرکت کرنے والوں کے لیے دہلی سے ایک سپیشل ٹرین چلی تھی۔ قائداعظمؒ کے کمپارٹمنٹ میں ان کے طالب علم اے ڈی سی' علی گڑھ کے ایک طالب علم غلام عمر (بعد کو میجر جنرل غلام عمر) بھی تھے۔ میرٹھ کے اسٹیشن پر زنانے ڈبے سے بیگم محمد علی جوہر کا ایک پیغام آیا۔

غلام عمر : سر! بیگم محمد علی صاحبہ کا پیغام آیا ہے۔

قائداعظم : کیا مسئلہ ہے؟

غلام عمر : ٹرین میں خواتین کے لیے صرف ایک ڈبہ لگا ہے۔ یہاں سے بہت سی خواتین کو سوار ہونا ہے اور جگہ نہیں۔

قائداعظمؒ : خواتین کو کسی قیمت پر تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔

جنرل عمر بیان کرتے ہیں کہ یہ کہتے ہوئے قائد اپنے ڈبے سے نیچے اتر آئے اور منتظمین سے کہا کہ فوراً" ریلوے حکام سے رابطہ قائم کر کے کم از کم ایک اور ڈبہ لگوائیں۔ ریلوے سٹیشن پر مسلم لیگی کارکنوں کے علاوہ بہت سے نیشنل گارڈز اور رضاکار بھی موجود تھے۔ یہ سب لوگ جلد سے جلد ڈبہ لگوانے میں دوڑ دھوپ کر سکتے تھے۔ ان لوگوں نے قائد سے درخواست بھی کی کہ سر! آپ اندر تشریف رکھیں لیکن انہوں نے خود ریلوے حکام سے بات چیت کرنا پسند کیا اور کہا اگر ڈبے کی کمی ہے تو مردوں کا ڈبہ خالی کرایا جائے۔ چنانچہ جب تک عورتوں کے لیے ڈبہ نہیں لگ گیا وہ باہر ہی کھڑے

رہے۔

اسی انٹرویو میں جنرل عمر نے یہ مشاہدہ بھی بیان کیا ہے کہ جب سپیشل ٹرین لاہور پہنچی تو پلیٹ فارم پر وہ جم غفیر تھا جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ نیشنل گارڈز اور رضاکار بہت تھے۔ استقبالیہ کمیٹی کے اراکین بھی استقبال کے لیے موجود تھے۔ لیکن ہجوم کے سمندر کے سامنے سب بے بس تھے۔ ایک افراتفری کا عالم تھا۔ قائداعظمؒ اس بدنظمی کو دیکھ کر کچھ کبیدہ خاطر ہوئے۔ اپنے کمپارٹمنٹ کے دروازہ پر آکر اپنی گرجدار آواز میں ڈسپلن کہا اور یکایک مجمع پر سکوت چھا گیا۔ جوں ہی قائداعظمؒ نے آگے قدم بڑھایا، مجمع بیچ سے پھٹ گیا اور راستہ بن گیا۔ یوں جیسے لوہے کا تار لگا ہو اور قائداعظم زندہ باد قائداعظم زندہ باد کے فلک شگاف نعروں میں آگے بڑھنے لگے۔



اس وقت جبکہ لاہور کی گلیاں مسلمانوں کے خون سے سرخ ہیں، میں یہ ہار نہیں پہن سکتا

23 مارچ کو اقبال پارک میں مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس سے چند روز پہلے حکومت وقت سے تصادم میں سینکڑوں خاکسار شہید اور زخمی ہو چکے تھے۔ چونکہ الیہ صوبے کے مسلمان وزیراعلیٰ سر سکندر حیات کے زمانہ اقتدار میں رونما ہوا تھا اس لیے پنجاب ہی کے نہیں سارے ملک کے مسلمانوں کے دل پژمردہ تھے۔ سر سکندر نے پہلے تو قائداعظمؒ سے درخواست کی کہ لاہور کی کشیدہ صورت حال کے پیش نظر لیگ کا اجلاس ملتوی کر دیا جائے۔ لیکن جب قائداعظمؒ نے مطلع کیا کہ اجلاس پروگرام کے مطابق ضرور ہو گا۔ تو بادل نخواستہ انہوں نے ضروری انتظامات کو آخری شکل دینا شروع کی۔ مجلس استقبالیہ کے اراکین میں نواب شاہ نواز خان ممدوٹ، میاں بشیر احمد، سر سکندر حیات خاں اور میاں امیرالدین شامل تھے۔ جب قائداعظمؒ کی ٹرین پہنچنے کا وقت آیا تو ان کے خیر مقدم کے لیے استقبالیہ کے اراکین پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ سر سکندر کے ہاتھ میں سرخ گلاب کے پھولوں کا ایک بڑا ہار تھا۔ سب سے پہلے نواب شاہنواز ممدوٹ نے قائداعظمؒ کو خوش آمدید کہا۔ ان کے بعد سر سکندر آگے بڑھے۔

سر سکندر : (ہاتھ آگے بڑھا کر) جناب! مسلمانان پنجاب کی طرف سے میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔

قائداعظمؒ : (بے رخی سے ہار کو سامنے سے ہٹاتے ہوئے) اس وقت جبکہ لاہور کی

گلیاں خاکساروں کے خون سے سرخ ہیں' میں یہ ہار نہیں پہن سکتا۔

اس سانحہ عظیم سے قائداعظمؒ بہت متاثر تھے۔ مسلم لیگ کے اجلاس میں آنے سے پہلے انہوں نے ہسپتالوں میں جا کر زخمی خاکساروں کی عیادت کی۔ اسی وجہ سے وہ اجلاس میں خلاف معمول چند منٹ دیر سے بھی پہنچے اور اپنی صدارتی تقریر میں سب سے پہلے اس المیہ پر اظہار افسوس کیا۔



اجلاس ضرور ہو گا لیکن جلوس نہ نکالا جائے

23 مارچ 1940ء کو لاہور میں مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس ہونا تھا۔ اس سے ٹھیک چار روز پہلے لاہور میں ایک انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس نے خاکساروں پر بے رحمی سے گولی چلوائی تھی جس میں بیسیوں خاکسار شہید ہوئے تھے اور اس سے زیادہ ہسپتال میں زخمی پڑے تھے۔ یہ سر سکندر حیات کا دور حکومت تھا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ لیگ کا اجلاس کچھ عرصہ کے لیے ملتوی کر دیا جائے۔ ادھر لیگ کی اپنی ترجیحات تھیں۔ قرارداد پاکستان کا مسودہ تیار ہو چکا تھا اور تحریک پاکستان کا باقاعدہ آغاز ہونا تھا۔ اس پس منظر میں سر سکندر حیات نے دہلی میں قائداعظمؒ کو ٹرنک کال کی۔

سر سکندر : سر! کیا موجودہ حالات کی روشنی میں لیگ کا اجلاس کسی موزوں تاریخ پر ملتوی نہیں کیا جا سکتا؟

قائداعظمؒ : نہیں' لیکن شہید خاکساروں کے احترام میں میری آمد پر مجوزہ جلوس نہ نکالا جائے۔

میاں محمد شفیع جنہوں نے سول اینڈ ملٹری گزٹ کے لیے اس اجلاس کی رپورٹنگ کی تھی لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ فرنٹیر میل سے خاموشی سے آئے اور اسٹیشن سے سیدھے میو ہسپتال گئے اور ہر زخمی خاکسار کی فرداً" فرداً" عیادت کی۔

(میاں محمد شفیع' صفحہ 25)



ہمارا سفر شروع ہو چکا ہے

23 مارچ 1940ء کو لیگ کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن علی گڑھ وفد کے طلبہ

جلسہ کے انتظامات میں دوسرے نیشنل گارڈ رضاکاروں کے ساتھ مصروف تھے کہ جلسہ کے ایک طرف کچھ لوگوں نے گڑ بڑ پھیلانے کی کوشش کی۔ ابوالخیر محمود علی فاروقی' علی احمد' یہ طلبہ فوراً قائداعظم کے پاس پہنچے۔

ابوالخیر : سر! کچھ شرپسند جلسہ میں گڑ بڑ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

قائداعظمؒ : گھبراؤ نہیں' کچھ نہیں ہو گا' اب ہمارے مارچ کو کوئی نہیں روک سکتا۔



اس قسم کی فراخدلی کوئی قابل فخربات نہیں

مارچ 1941ء میں علی گڑھ اولڈ بوائے ایسوسی ایشن نے اولڈ بوائز لاج میں قائداعظمؒ کے اعزاز میں دوپہر کے کھانے کا اہتمام کیا۔ کھانے کے بعد حسب دستور تقریری سلسلہ شروع ہوا۔ ایک سینئر اولڈ بوائے اٹھے اور انہوں نے دوران تقریر ایک بڑا نکتہ بھی پیدا کیا۔

سینئراولڈبوائے : اور جناب والا ! علی گڑھ کی ایک اور خصوصیت بھی ہے۔ علی گڑھ کے طلباء عقیدہ' تصورات اور خیالات کے اختلافات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ ان کی زندہ دلی اور خوش طبعی ہر چیز پر غالب رہتی ہے۔

قائداعظمؒ : (جوابی تقریر میں) میں نہیں سمجھتا کہ علی گڑھ کا کردار اتنا گیا گزرا ہے کہ اس کی کوئی نظریاتی بنیاد ہی نہیں۔ اپنے عقیدہ پر اصرار نہ کرنا کونسی فراخدلی ہے اور کوئی نظریاتی بنیاد نہ رکھنا کونسا کمال ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ علی گڑھ کے کردار کی ایک اساس' ایک بنیاد ہے اور یقیناً" ہے اور وہ اسلام ہے اور اس کے اظہار اور اقرار میں نہ کوئی شرم کی بات ہے نہ جھجک کی اور اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ ایک عظیم مقصد کے حصول کی راہ میں اگر تمہارا اپنا سگا بھائی مخالفت کرتا ہے تو تمہیں اسے چھوڑ دینے پر بھی تیار رہنا چاہیے۔

اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے جمیل الدین احمد اپنی کتاب "قائداعظمؒ کی جھلکیاں" میں لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کی نہایت شائستگی سے کی ہوئی تنبیہ سے اولڈ بوائز متاثر ہوئے۔

قائداعظمؒ لگی لپٹی نہیں رکھتے تھے۔ جونہی اس طرح کی رواداری اور خوش مزاجی کی باتوں میں سیکولرازم کی بو محسوس کی انہوں نے فوراً" اس کا نوٹس لیا۔



میں ہر سال آپ کے سامنے آنا پسند کروں گا

اپریل 1941ء میں مدراس میں آل انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ ہوا جس میں ایک قرارداد پیش ہوئی کہ قائداعظمؒ سے تاحیات مسلم لیگ کا صدر رہنے کی درخواست کی جائے۔

قائداعظمؒ : میں اس قرارداد سے قطعاً متفق نہیں ہوں۔ میں پارٹی کے معاملات میں جمہوری طریق کار پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں ہر سال کھلے اجلاس میں آپ کے سامنے آپ کی رضا لینے آنا پسند کروں گا۔ مجھے تاحیات صدر منتخب ہو جانا پسند نہیں۔

(زندگی کے چند پہلو' ص 57)



میں آخر میں آیا ہوں' آخر میں بیٹھوں گا

3 مارچ 1941ء کو قائداعظمؒ کو لاہور ریلوے سٹیشن کے سامنے آسٹریلیا مسجد میں نماز عصر ادا کرنا تھی۔ جب وہ تشریف لائے تو مرزا عبدالمجید تقریر کر رہے تھے۔ قائداعظمؒ اس وقت اچکن اور چوڑی دار پاجامہ میں ملبوس تھے۔ گو وہ مسجد کے عقبی دروازے سے داخل ہوئے تھے۔ ان کو دیکھتے ہی لوگوں نے ان کیلئے اگلی صف تک راستہ بنانا شروع کر دیا۔

لیگی کارکن : جناب! آپ ادھر سے آگے آجایئے۔

قائداعظمؒ : میں آخر میں آیا ہوں۔ اس لیے یہاں آخر ہی میں بیٹھوں گا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد اس واقعہ کے عینی شاہد خواجہ اشرف لکھتے ہیں:

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ضیاء الاسلام قائد کے بائیں جانب بیٹھے تھے نماز سے فارغ ہونے کے بعد قائد نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے جوتے خود اٹھا لیے اور لوگوں کے اصرار کے باوجود کسی کو نہیں دیئے اور اسی طرح اٹھائے ہوئے دروازے پر پہنچے۔"



رات میں نے تقریر پوری طرح تیار نہیں کی تھی

23 مارچ 1940ء کو قائداعظمؒ نے لاہور میں قرارداد پاکستان کے اجلاس کی صدارت کی تھی۔ یکم

مارچ 1941ء کو ایک سال بعد جب دوبارہ لاہور تشریف لائے تو رات کو ساڑھے دس بجے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جلسے میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو کہا۔

قائداعظمؒ : میں اپنی صدارتی تقریر کل پر ملتوی کرتا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ یہ کانفرنس ایک چھوٹے سے ہال میں صرف طلبہ تک محدود ہو گی۔ لیکن خوشی کی بات ہے کہ اس جلسے میں پوری قوم شریک ہے۔ میں اپنا خطبہ صدارت کل صبح دس بجے دوں گا۔ دس بجے کا مطلب دس بجے۔
آج کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ گزشتہ برس ہم مارچ میں ملے تھے۔ آج یکم مارچ ہے۔ اس لیے مارچ آن (آگے بڑھو)

دوسرے روز قائداعظمؒ ٹھیک دس بجے اپنی تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو کہا۔

قائداعظمؒ رات میں نے تقریر اس لیے نہیں کی تھی کہ پوری قوم کو خطاب کرنے کے لیے میں نے تیاری نہیں کی تھی۔ اب میں پوری تیاری کر کے بولنے آیا ہوں۔

اس واقعہ کے عینی گواہ خواجہ اشرف لکھتے ہیں کہ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قائداعظمؒ کی قیادت کتنی محتاط اور ذمہ دار قیادت تھی۔



مزدوری کانٹے کی تول، نہ کم نہ زیادہ

جب قائداعظمؒ مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کرنے مدراس تشریف لے گئے تو واپسی میں انہیں مہاراجہ میسور کا دعوت نامہ ملا کہ آکر آپ کچھ دن میسور کے ایک پہاڑی مقام پر گزاریں تو آپ کی صحت پر خوشگوار اثر پڑے گا۔ اس دعوت نامے کو انہوں نے قبول کر لیا۔ چنانچہ ان کی رہائش کا انتظام ایک پہاڑی مقام نندی پر کیا گیا۔ قائداعظمؒ تو سواری سے نندی گئے لیکن ان کا سامان قلی اٹھا کر اوپر لے گئے۔ یہ پہاڑی کچھ ایسی اونچی نہ تھی تاہم یا تو صرف قلیوں کو خوش کرنے کے لیے یا تھوڑا سا رعب ڈالنے کے لیے قائداعظمؒ کے سیکرٹری مطلوب الحسن سید نے انہیں چار چار روپے فی کس دیئے۔

قائداعظمؒ نے ریسٹ ہاؤس پہنچ کر پہلا سوال جو پوچھا وہ یہ تھا۔

قائداعظمؒ : سید! قلیوں کو کیا اجرت دی؟

مطلوب الحسن : جناب، چار چار روپے فی آدمی۔
قائداعظمؒ : یہ تو بہت زیادہ ہے تم نوجوان پیسے کی قدر نہیں کرتے۔
مطلوب الحسن : میرا خیال تھا کہ ہماری شایان شان ادائیگی ہو۔
قائداعظمؒ : (جھنجلا کر) تمہارے خیال میں کیا ہم لوگ مہاراجہ ہیں۔

کچھ دنوں بعد مہاراجہ میسور نے تجویز پیش کی۔ ایک اور پہاڑی جو نندی سے نسبتاً" بلند ہے۔ آپ وہاں قیام فرمائیں۔ چنانچہ قائداعظمؒ اس بلند تر مقام پر منتقل ہو گئے۔ اس مرتبہ بھی سامان قلیوں نے اوپر پہنچایا اور اس باران کے سیکرٹری نے انہیں صرف ایک ایک روپیہ دیا۔ قائداعظمؒ نے نئی قیام گاہ پر پہنچتے ہی پھر پوچھا۔

قائداعظمؒ : سید! قلیوں کو کیا مزدوری دی؟
مطلوب الحسن : جناب ایک روپیہ فی کس۔
قائداعظمؒ : (برہمی سے) یہ کیا ظلم کیا؟ اتنی بلندی پر سامان پہنچانے کی اجرت یقیناً" زیادہ ہونی چاہیئے تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے میری گزشتہ تنبیہ کا غلط مطلب لیا۔ جاؤ قلیوں کو بلاؤ اور پانچ روپے فی کس ادا کرو۔

دیکھو میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ مزدوروں کو ان کا جائز حق نہ دیا جائے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ تم نوجوانوں پر واضح کر دوں کہ تم اپنے ساتھ بھی انصاف کرو اور دوسروں کے ساتھ بھی، نندی کی چڑھائی بہت معمولی تھی وہاں چار روپے فی کس دینا فضول خرچی تھی۔ اس مقام کے لیے پانچ روپے دینا اس لیے مناسب ہے کہ اس کی بلندی نندی کی نسبت زیادہ ہے۔



میرے سامنے نہیں، خدا کے سامنے جھکو

مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن لاہور نے 1941ء کے اوائل میں ایک خصوصی اجلاس پاکستان کے موضوع پر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور قائداعظمؒ کو شرکت کی دعوت دی۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ دعوت قبول کی بلکہ یہ بھی لکھا کہ میں طالب علموں کا ہی مہمان ہوں گا۔ بہرحال جب قائداعظمؒ تشریف لائے اور ان کے استقبال کے لیے مجلس انتظامیہ کے ایک رکن خواجہ اشرف آگے بڑھے اور جھک کر قائد

کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

قائداعظمؒ : ایسا نہ کیجئے' میرے سامنے نہیں' صرف خدا کے سامنے جھکئے۔

قائداعظمؒ کو عقیدت مندی کے اظہار کا یہ طریقہ پسند نہیں تھا۔ ہیرو پرستی کے وہ خلاف تھے۔ قائداعظمؒ نے اسی موقع پر اسلامیہ کالج لاہور کے طلبہ سے کہا تھا'

"حضرات! آج یکم مارچ ہے۔ مارچ آن مارچ آن۔
آگے بڑھئے اور آگے بڑھتے جایئے"

ان واقعات کے راوی جسٹس ذکی الدین پال ہیں جو فیڈریشن کی مجلس استقبالیہ کے ایک رکن تھے اور ان واقعات کے عینی شاہد۔



صرف خدا کے سامنے جھکو

یکم مارچ 1941ء کو قائداعظمؒ لاہور تشریف لائے۔ بڑا شاندار جلوس نکلا۔ اسلامیہ کالج گراؤنڈ میں تقریر کی اور مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے پرچم کشائی کی رسم ادا کی۔ اس روز شام کو فلیٹیز ہوٹل میں فیڈریشن نے گارڈن پارٹی کا اہتمام کر رکھا تھا۔ مقررہ وقت پر قائداعظمؒ ہلکے نیلے رنگ کا سوٹ پہنے لان میں داخل ہو رہے تھے۔ استقبال کرنے والوں میں فیڈریشن کے عہدے داروں کے علاوہ اسلامیہ کالج کے پرنسپل خواجہ دل محمد بھی تھے کہ یکایک ایک پرجوش مسلم لیگی نوجوان خواجہ اشرف نے جھک کر عقیدت سے ان کے گھٹنے چھو لیے۔

قائداعظمؒ : مائی بوائے ! صرف خدائے بزرگ و برتر کے سامنے جھکنا چاہیے۔ اسلام اسی کی تلقین کرتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھو اور آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔

خواجہ دل محمد : سراپا محبت ہے۔

خواجہ اشرف یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ نے اپنا فقرہ دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اٹھانے کے بعد تین دفعہ دہرایا تھا۔



میں مسلم لیگ کے آئین کا پابند ہوں

دسمبر 1941ء میں ہندوستان کے صوبے سی پی برار کے طلبہ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا اجلاس ناگ پور میں کرنا چاہتے تھے۔ اِس سلسلہ میں قائداعظمؒ نے طلبہ کے ایک وفد کو بمبئی آکر ملاقات کرنے کے لیے کہا۔ اتفاق سے جو دن قائداعظمؒ نے وفد کو ملاقات کے لیے دیا تھا اس سے چند دن پہلے بمبئی میں مسلم کشیدگی کی وجہ سے کرفیو لگ گیا۔ قائد نے طلبہ کو لکھا کہ آپ مقررہ دن اور وقت پر ضرور آئیں۔ میں نے پرمٹ کا بندوبست کر لیا ہے۔ طلبہ نے اپنے ساتھ ناگ پور میں مسلم لیگ کے صدر نواب صدیق علی خاں کو بھی لانے کا پروگرام بنایا تھا جو آخری وقت میں ناگ پور بھی فساد ہو جانے اور ایک مسلم لیگی کے شہید ہو جانے کی وجہ سے نہ آسکے۔ چنانچہ وفد عبدالستار صدیقی کی سربراہی میں مالا بار ہل پہنچ گیا۔ وقت مقررہ پر ملاقات شروع ہوئی۔

قائداعظمؒ : پہلے تو آپ یہ بتائیں کہ آپ نواب صدیق علی خاں کو اپنے ساتھ کیوں لا رہے تھے۔ (مسکرا کر)
کیا آپ مجھے بڑی توپ سے خوفزدہ کرنا چاہتے تھے۔

عبدالستار صدیقی: ہم تو خوفزدہ تھے کہ آپ جیسی ہستی سے یہ ہماری پہلی ملاقات تھی۔ ہم نواب صاحب کو رہنمائی کے لیے ساتھ لا رہے تھے۔

قائداعظمؒ : آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ طلبہ مجھے بہت عزیز ہیں میرے گھر کا دروازہ ان کے لیے ہمیشہ کھلا ہے۔ آپ نے صوبے میں کوئی تعمیری کام کرنا چاہتے ہیں یا کوئی بڑا تماشا؟

عبدالستار صدیقی: نہیں سر! ہماری خواہش ہے کہ آپ کی آمد سے وہاں طلبہ میں نیا ولولہ پیدا ہو جائے۔

قائداعظمؒ : ایک آئینی تقاضا یہ ہے کہ میں صدر صوبائی مسلم لیگ کو لکھوں کہ آپ کے صوبے کے چند طلبہ میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے مجھے اپنے اجلاس میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ آپ اپنی رائے بھیجیں۔

عبدالستار صدیقی: یہ تو بڑا مشکل معاملہ نظر آتا ہے۔ کیونکہ ہمارے صوبائی صدر تو اس پر راضی نہ ہوں گے۔

قائداعظمؒ : میں آل انڈیا مسلم لیگ کے آئین کا پابند ہوں۔ جس طرح ہندوستان کا وائسرائے کسی صوبے میں جانے سے پہلے اس صوبے کے گورنر سے کلیرنس لیتا ہے اسی

طرح میرے لیے بھی ضروری ہے کہ آپ کے صوبے میں آنے سے پہلے وہاں کی صوبائی مسلم لیگ کے صدر کی رضامندی لے لوں۔ آپ لوگ پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟

عبدالستار صدیقی : سر! ہم تو بڑی امید لے کر آئے تھے کہ آپ ناگپور تشریف لانے کی دعوت قبول فرمائیں گے۔ آپ نے جو شرط لگائی ہے اس سے تو شاید ہی ہماری خواہش پوری ہو سکے۔

قائداعظمؒ : (مسکرا کر) آپ کا کیا خیال ہے کہ آپ کے صدر میرا آنا وہاں پسند نہیں کریں گے؟

عبدالستار صدیقی : ایسا ہو سکتا ہے۔

قائداعظمؒ : آپ اس کی فکر نہ کریں یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد عبدالستار صدیقی لکھتے ہیں کہ جب پونے آٹھ بجے رات یہ گفتگو ختم ہوئی تو قائداعظمؒ نے اپنے سیکرٹری سے کہا کہ وہ کرفیو میں جانے کا پرمٹ ہمیں دے دیں اور چونکہ وفد کے اراکین پانچ تھے جو ایک ٹیکسی میں نہیں آسکتے تھے۔ انہوں نے ہم میں سے دو کو اپنی گاڑی میں ہمارے ہوٹل تک پہنچایا۔



قوم کی خدمت، قوم پر بوجھ بنے بغیر

مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن لاہور کے طلبہ نے مارچ 1941ء میں ایک خصوصی پاکستان سیشن کا اہتمام کیا اور قائداعظمؒ کو اپنے مہمان کے طور پر فلیٹیز ہوٹل میں ٹھہرایا۔ سیشن بہت کامیاب رہا۔ دو قومی نظریے کی خوب تشہیر ہوئی۔ چند روز قیام کے بعد قائداعظمؒ نے روانگی کے وقت مقررہ وقت سے پہلے مینجر سے بل منگوایا اور ادا کر دیا۔ جب طالب علم مینجر کے پاس میزبانی کے مصارف ادا کرنے پہنچے تو مینجر نے بتایا کہ بل تو قائداعظمؒ ادا کر چکے ہیں۔ مجلس استقبالیہ کے اراکین کچھ شرمندہ ہوئے اور قائداعظمؒ کے کمرے میں پہنچے۔

قائداعظمؒ : میں ایسا سیاست دان نہیں ہوں جو اپنی جیب سے خرچ نہ کر کے مسلمان قوم کی خدمت کرے۔

اس واقعہ کو طلبہ کے وفد کے ایک رکن (جسٹس) ذکی الدین پال نے بیان کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے

کہ اپنی طویل سیاسی زندگی میں قائداعظمؒ نے قومی وسائل سے کبھی سے کبھی جائز فائدہ بھی نہیں اٹھایا۔ بلکہ وہ سیاست میں آئے ہی اس وقت جب وہ اپنی معاشی حالت مستحکم کر چکے تھے۔



دو روپے تین آنے کا بل

6 ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر اپنے مکان میں منتقل ہونے سے پہلے قائداعظمؒ لل گپس روڈ پر رہتے تھے۔ ان کے وہ مکان چھوڑنے کے بعد بمبئی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن نے ان کے نام ایک بل بھیجا۔ اس زمانے میں مطلوب الحسن سید قائداعظمؒ کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے یہ بل قائداعظمؒ کے سامنے رکھا۔

مطلوب الحسن : جناب! الیکٹرک کارپوریشن کے اس بل کا کیا کیا جائے؟

قائداعظمؒ : میں اپنا بل ادا کر چکا ہوں۔ یہ کونسا بل ہے؟

مطلوب الحسن : کارپوریشن بجلی نہ استعمال کرنے کی صورت میں بھی 17 یونٹ بجلی اور میٹر کا کرایہ چارج کرتی ہے۔ ویسے بل/صرف دو روپے تین آنے کا ہے۔

قائداعظمؒ : بات رقم کی نہیں اصول کی ہے۔ جب میں وہاں رہتا نہیں تو بل کس خوشی میں ادا کروں۔



میں سیدھے سادے مسٹر جناح کے نام سے زندہ رہا ہوں اور اسی طرح مرنا چاہتا ہوں

1942ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی کورٹ نے قائد کو ڈاکٹر آف لاز کی اعزازی ڈگری دینے کا فیصلہ کیا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین نے جو یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے' قائداعظمؒ کو ایک خط کے ذریعے اس فیصلے کی اطلاع دی۔ قائداعظمؒ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ عرصے کے بعد دونوں میں یہ گفتگو ہوئی۔

ڈاکٹر ضیاء الدین : جناب والا! اس سے پہلے میں نے آپ کو مسلم یونیورسٹی کورٹ کے فیصلے سے مطلع کیا تھا۔ آپ اس خصوصی کانوکیشن کے لیے اپنی آسانی کے اعتبار سے کوئی

تاریخ مقرر فرمائیں۔

قائداعظمؒ : مجھے آپ کا (30 ستمبر) کا خط مل گیا تھا۔ میں مسلم یونیورسٹی کورٹ کا ممنون ہوں کہ اس نے مجھے ڈاکٹر آف لاز کی اعزازی ڈگری مرحمت فرمانے کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن میرا موقف یہ ہے کہ میں اب تک سیدھے سادھے مسٹر جناح کے نام سے زندہ رہا ہوں اور اسی طرح مرنا چاہتا ہوں۔ میں کسی خطاب یا اعزاز کا سخت مخالف ہوں اور میں اس پر بڑا خوش ہوں کہ میرے نام کے ساتھ کچھ اور نہ لگا ہو۔ مجھے امید ہے کہ میرے جذبات کا پاس کرتے ہوئے کورٹ اپنے فیصلے پر نظرثانی کرے گی۔ حالانکہ مجھے اس کا پوری طرح احساس ہے کہ کسی شخص کے لیے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں ہو سکتا جو مسلم یونیورسٹی کورٹ نے مجھے عطا کیا ہے۔



اگر میرا بیٹا بھی ہوتا تو میں اس کے لیے سفارش نہ کرتا

مجاہد حسین 1938ء سے 1948ء تک قائداعظم کے جز وقتی سٹینو رہے تھے۔ گو ان کی اصل ملازمت دہلی سیکرٹریٹ میں تھی۔ انہوں نے ترقی کے لیے ای اچ اینڈ ایل ڈیپارٹمنٹ میں سٹینوگرافر کی ایک جگہ کے لیے ٹیسٹ دیا جس میں وہ اول بھی رہے لیکن محض سفارش نہ ہونے سے وہ ناکام رہے۔ اس طرح انہیں یقین ہو گیا کہ بغیر سفارش لائے کام نہ بنے گا۔ ان ہی دنوں فیڈرل کورٹ نیا نیا بنا تھا اور سر شاہ سلیمان ایک جج کی حیثیت سے دہلی آئے تھے۔ انہیں ایک سٹینوگرافر کی ضرورت تھی۔ مجاہد حسین کو معاً خیال آیا کہ اگر میں قائداعظمؒ سے سفارش کراؤں تو یقیناً کام بن جائے گا۔

مجاہد حسین : سر، سر شاہ سلیمان کو ایک سٹینوگرافر کی ضرورت ہے۔

قائداعظمؒ : تو پھر!

مجاہد حسین : میں اس جگہ کے لیے امیدوار ہوں۔ پچھلی بار ای اچ اینڈ ایل ڈیپارٹمنٹ میں ٹیسٹ میں اول آنے پر بھی مجھے جگہ نہیں ملی۔ محض اس لیے کہ میری کوئی سفارش نہیں تھی۔

قائداعظمؒ : کیا کہنا چاہتے ہو؟

مجاہد حسین : سر، میں عرض کر رہا تھا کہ اگر آپ سر شاہ سے میرے لیے کہہ دیں

تو کام بن جائے۔

قائداعظمؒ : (برہم ہو کر) تم نے کیا سمجھا ہے۔ میں کوئی ملازمت دلانے کی ایجنسی ہوں۔ (پھر دھیمے پڑ کر)

مجاہد! میں ایک واقعہ سناتا ہوں۔ اسمبلی میں ایک بل زیر غور تھا۔ جس کے لیے حکومت کو میری پارٹی کی حمایت درکار تھی۔ سر بلیک اس وقت فنانس ممبر تھے اور انڈین آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس میں چند اسامیاں خالی تھیں اور نہ معلوم خالی تھیں بھی یا نہیں بہرحال فنانس ممبر نے مجھ سے کہا۔ مسٹر جناح! ان اسامیوں کے لیے قابل مسلمان نہیں مل رہے۔ کچھ آپ ہی مدد کریں اور چند نام تجویز کر دیں۔ اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو تین اسامیوں کے لیے دس نام دیتا۔ لیکن تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کیا کیا۔ میں نے کہا دیکھئے سر بیل' اسامیاں حکومت کی ہیں۔ حکومت کے فنانس ممبر آپ ہیں۔ اب یہ آپ کا اور حکومت کا کام ہے کہ وہ موزوں امیدوار ڈھونڈے۔ میرا اس سے کیا تعلق ہے۔ قابل مسلمانوں کی کمی نہیں ہے۔ بشرطیکہ آپ ان کو ملازمت دینا چاہیں۔ میرے اس جواب سے سر بیل سمجھ گئے کہ ہوا کا رخ کدھر ہے۔ پھر انہوں نے یہ مسئلہ نہیں چھیڑا۔

(دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اٹھا کر)

دیکھو' اگر میرا بیٹا ہوتا تو اس کے لیے بھی کبھی کوئی سفارش کسی سے نہ کرتا۔

(قائداعظمؒ چند یادیں' چند ملاقاتیں' صفحہ 75)



مروت و شفقت کی نمود

دسمبر 1941ء کے اواخر میں ناگ پور میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس کا اجلاس ہونا تھا۔ قائداعظمؒ کو اس کی صدارت کرنا تھی اور نواب صدیق علی خان اس تقریب کے منتظم اعلیٰ تھے کہ کانگریسی حکومت نے انہیں یکایک ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت ایک تقریر کرنے پر گرفتار کر لیا۔ بہرحال اجلاس ہوا اور قائداعظمؒ اس کی صدارت کے لیے تشریف لائے۔ جب بیگم صدیق علی خاں جلسہ میں پہنچیں تو قائداعظمؒ اور مس فاطمہ جناح نے کھڑے ہو کر ڈائس پر ان کا خیرمقدم کیا۔ دوسرے دن مرکزی مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس تھا۔ اجلاس کے دوران بیگم صدیق علی خاں ان سے ملنے آئیں تو مس فاطمہ جناح کے اطلاع کرتے ہی وہ میٹنگ سے اٹھ کر باہر آئے۔ شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھا

اور ان کی ہمت بندھائی۔ چند روز کے بعد عید تھی۔ عید کی صبح ایک کار آکر بیگم صدیق علی خاں کے گھر کے سامنے رکی۔ کسی نے انہیں بتایا کہ قائداعظمؒ اور فاطمہ جناح آئے ہیں۔ وہ ایک دم استقبال کے لیے باہر آئیں تو کار سے مس فاطمہ جناح اتریں۔

خورشید آراء : آیئے محترمہ آپ نے کیسے زحمت کی؟

فاطمہ جناح : چلئے' آپ ہمارے ساتھ عید نماز کو چلئے۔

خورشید آرا : عید نماز کو؟

فاطمہ جناح : جی ہاں' قائداعظمؒ کار میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ آپ ہمارے ساتھ عید کی نماز کو چلیں۔

خورشید آرا بیگم لکھتی ہیں کہ قائداعظمؒ نے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور انتہائی شفقت سے پیش آئے ان کی شفقت کو دیکھ کر میرے آنسو آگئے جو فاطمہ جناح نے پونچھے۔

عید کی نماز کے بعد قائداعظمؒ مجھے اپنے گھر کے دروازے پر چھوڑ گئے۔ یہ تھی قائد کی عظمت۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ نواب صاحب کی عدم موجودگی میں بے بسی محسوس کروں۔



میں نہیں چاہتا کہ یہ بدظنی مسلم لیگ کے باب میں روا رہے

1938ء سے 1941ء تک دہلی میں مجاہد حسین صاحب قائداعظمؒ کے سٹینوگرافر تھے۔ ان دنوں مسلم لیگ کے چندے براہ راست قائداعظمؒ کے پاس آتے تھے۔ وہ منی آرڈر کی ہر رسید پر خود دستخط کرتے تھے۔

مجاہد حسین : سر! اس درد سری سے فائدہ ایک ایک روپیہ کی رسید پر دستخط کرنے سے آپ کو کتنی زحمت ہوتی ہے۔

قائداعظمؒ : مجاہد! اس کی ایک وجہ ہے۔ مسلمان قوم چندہ جمع کرنے والوں سے بہت بدظن ہے۔ مسلمانوں کے اکثر لیڈر اس سلسلہ میں بدنام ہیں میں نہیں چاہتا کہ یہ بدظنی آل انڈیا مسلم لیگ کے باب میں روا رہے۔



جمہوری طریق کار کا پاس

قائداعظمؒ کو آل انڈیا مسلم لیگ کا براہ راست رکن بنایا جا سکتا تھا۔ لوگ ایسا کرتے بھی تھے لیکن قائداعظمؒ نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ سب سے پہلے پرائمری مسلم لیگ کا فارم بھرتے۔ وہاں سے ان کا نام ڈسٹرکٹ مسلم لیگ میں جاتا اور ڈسٹرکٹ مسلم لیگ سے مسلم لیگ میں۔ پھر کہیں جا کر آل انڈیا مسلم لیگ کے کونسلر منتخب ہوتے اور جب بھی ان کی براہ راست نامزدگی کی تجویز پیش کی جاتی وہ اسے ہمیشہ مسترد کر دیتے۔ ایک بار مسلم لیگی لیڈروں نے بڑی سنجیدگی سے درخواست کی۔

لیگی زعماء : ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کا مستقل صدر نامزد کر دیا جائے۔

قائداعظمؒ : میں آپ کی تجویز کو ہرگز قبول نہیں کر سکتا۔ یہ میرا فرض ہے کہ میں مسلم لیگ کی کونسل کے سامنے آؤں۔ کونسلروں کو موقع دیں کہ وہ میری سال بھر کی کارکردگی کا جائزہ لیں اور اس کی روشنی میں اگلے سال کی صدارت کے لیے کوئی فیصلہ کریں۔

قائداعظمؒ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد مسلم لیگ کے پرانے کارکن حسن اے شیخ لکھتے ہیں کہ مسلم لیگ کا ضابطہ تھا کہ ہر ممبر کو ہر سال 31 مارچ تک رکنیت کا فارم بھرنا ہوتا۔ اگر 25 مارچ تک قائداعظمؒ کو ممبر بنایا نہ جاتا تو وہ پرائمری مسلم لیگ کے سیکرٹری سے فون پر دریافت کرتے کہ آخر انہیں رکن کیوں نہیں بنایا جا رہا۔ حسن اے شیخ اپنے مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں۔

"قائداعظمؒ کی عادت تھی کہ کسی تقریب یا اجتماع کے موقع پر اگر ایک شخص سے ہاتھ ملاتے تو پھر سب حاضرین کو یہ شرف بخشتے۔ نہیں تو پھر کسی سے بھی ہاتھ نہ ملاتے۔ 1944ء یا 1945ء کی بات ہے کہ وہ بحری جہاز سے کراچی سے بمبئی پہنچے۔ بہت سے لوگ استقبال کے لیے وہاں موجود تھے۔ ان میں محمد علی چائے والا بھی تھے جو قائداعظمؒ کے سولسٹر تھے اور ان کی جائیداد کی دیکھ بھال بھی ان کے ذمہ تھی۔ قائداعظمؒ اشارے سے مجمع کو سلام کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ محمد علی چائے والا کے پاس سے گزرے۔ چائے والا نے فوراً ہاتھ آگے بڑھا کر ہاتھ ملانا چاہا۔ قائداعظمؒ نے جواب میں اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا۔ صرف اس لیے کہ جب وہ ہزاروں افراد سے ہاتھ نہیں ملا سکتے تو پھر کسی فرد کو خواہ اس سے کیسے ہی ذاتی تعلقات کیوں نہ ہوں، یہ امتیاز کیوں حاصل ہو۔"

--○--

میں تو اپنے آپ کو قائداعظم نہیں کہتا

1941ء کے اوائل میں تین نوجوان ڈیرہ دون سے قائداعظمؒ سے ملنے آئے اس وقت قائداعظمؒ کے پولٹیکل سیکرٹری کی خدمات محمد شریف طوسی انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے حسب دستور ان سے کہا۔ آپ یوں یکایک اور براہ راست قائداعظمؒ سے نہیں مل سکتے۔ جو کچھ کہنا ہے آپ لوگ مجھے نوٹ کروا دیجئے۔ انہوں نے ملاقات پر اصرار کیا اور کہا کہ ہم خود قائداعظمؒ سے بات کریں گے۔ ابھی یہ بحث ہو رہی تھی کہ اتفاق سے قائداعظمؒ وہاں آگئے۔ نوجوان پھٹ پڑے۔

نوجوان : آپ اپنے آپ کو قائداعظمؒ کہتے ہیں۔ آپ کو اسلام کی خدمت کرنی چاہیئے۔

قائداعظمؒ : میں کب اپنے آپ کو قائداعظمؒ کہتا ہوں۔ آپ لوگ کہتے ہیں۔ جہاں تک میری خدمت کا تعلق ہے تو میں اس قوم کا وکیل ہوں۔ ہر اچھے وکیل میں تین خوبیاں ہونی چاہئیں۔

اول اپنے موکل سے فیس مناسب لے' زیادہ نہ لے۔ دوم کیس اچھی طرح تیار کرے اور خوب محنت کرے۔ سوم' عدالت سے مرعوب نہ ہو۔ میں مسلمان قوم کا کیس لڑ رہا ہوں۔ اگر مجھ سے اچھا کوئی وکیل نظر آتا ہے تو اسے چن لو۔ ورنہ میں اخلاقی فرض پورا کرتا رہوں گا۔

40ء کے شروع میں قائداعظمؒ کی مخالفت بھی خاصی تھی۔ نوجوان تو فطرتاً" منہ پھٹ ہوتے ہیں۔ قائداعظمؒ نے اعتراضات کا کبھی برا نہیں منایا۔

اگر نوجوان اعتراضا" بھی کچھ کہتے تو وہ بہت سکون سے جواب دیتے۔ اسی مضمون میں طوسی صاحب کہتے ہیں کہ قائداعظمؒ نے ایک اچھے وکیل کی طرح اپنے حلیف اور حریف لیڈروں کی فائلیں کھول رکھی تھیں اور ان سے متعلق مواد ان میں جمع ہوتا رہتا۔ سر سکندر حیات اور سر ناظم الدین کی فائل انہوں نے خود دیکھی۔ جب کسی لیڈر سے متعلق کوئی بات ہوتی تو وہ اس کی فائل دیکھتے۔

(قائداعظمؒ چند یادیں چند ملاقاتیں)



جناح صاحب' میں تو بھیک مانگنے آیا ہوں

ستمبر1942ء میں ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ بمبئی میں قائداعظمؒ کی کوٹھی پر جناح گاندھی مذاکرات ہو رہے

تھے۔ گاندھی جی نے ڈپلومیسی کا آخری حربہ آزمایا۔

گاندھی جی: (ہاتھ پھیلا کر) جناح صاحب' میں تو بھیک مانگنے آیا ہوں۔

قائداعظمؒ : اس قسم کی باتوں کی ضرورت نہیں۔ آپ مجھ سے کچھ نہیں مانگ رہے۔ جو آپ مانگ رہے ہیں وہ قوم کی امانت ہے۔ میرا اس پر کوئی حق نہیں۔

عباس احمد عباسی قائداعظمؒ کی یہ گفتگو علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر اے بی حلیم کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کوئی اور ہوتا تو گاندھی جی کا یہ فقرہ سن کر موم ہو جاتا۔ لیکن قائداعظمؒ کا تو انداز سیاست اور کردار ہی اور تھا۔



میں کچی مٹی کا بنا ہوا نہیں ہوں

یہ اس زمانے کی بات ہے جب دوسری جنگ عظیم میں پنجاب کے وزیراعلیٰ سر سکندر حیات نے وائسرائے کی ڈیفنس کونسل کی رکنیت قبول کی تھی۔ سر سکندر کی پوزیشن یہ تھی کہ وہ یونینسٹ پارٹی کے سربراہ تھے اور مسلم لیگ میں بھی شامل تھے۔ اس طرح ان کی پارٹی کے خاصے مسلم اراکین مسلم لیگ سے رشتہ جوڑے ہوئے تھے۔ سر سکندر نے چونکہ یہ رکنیت مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے قبول کی تھی اس لیے قائداعظمؒ نے اعتراض کیا تھا کہ انہوں نے مسلم لیگ کی اجازت کے بغیر ایسا کیوں کیا۔ سر سکندر کا موقف یہ تھا کہ انہوں نے یہ رکنیت وزیراعلیٰ کی حیثیت سے قبول کی ہے۔ بہرحال سکندر نے یہ کیا کہ اپنی پارٹی کے لیگی ممبروں کے لیگ سے استعفے جیب میں ڈال کر ان ممبروں کے ساتھ بمبئی جا پہنچے تاکہ قائداعظمؒ پر دباؤ ڈالیں۔ اگر انہوں نے انہیں (سر سکندر کو) استعفیٰ دینے پر مجبور کیا تو پنجاب میں مسلم لیگ ختم ہو جائے گی۔ اس پس منظر میں پنجاب مسلم لیگ کے معروف لیڈر ملک برکت علی اور ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی قائداعظمؒ کی ماؤنٹ پیرنٹ روڈ کی کوٹھی پر شام 5 بجے حاضر ہوئے اور پنجاب کی سیاسی صورت حال پر گفتگو شروع ہوئی۔

برکت علی : سر سکندر کی پارٹی کے تمام ارکان نے مسلم لیگ سے استعفے لکھ کر ان کے حوالے کر دیئے ہیں۔ ان کے پاس یہ بڑا حربہ ہے۔

قائداعظمؒ : (برہم ہو کر چائے کی پیالی رکھتے ہوئے) برکت علی ! میں کچی مٹی کا بنا ہوا نہیں ہوں کہ اس طرح کی دھمکیوں میں آجاؤں' تمہیں وہ وقت یاد ہو گا جب پنجاب مسلم لیگ میں تم ایسے مٹھی بھر آدمی تھے۔ اب پھر وہ صورتحال پیدا ہو جائے کہ

گنتی کے چند مخلص کارکن رہ جائیں اور یہ بھرتی کے لوگ نکل جائیں تو اللہ گواہ ہے کہ مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی افسوس نہ ہو گا۔ ہم اس دوراہے پر کھڑے ہیں جہاں سکندر کو لیگ کے ساتھ اپنا رشتہ استوار کرنا پڑے گا یا لارڈ لنلتھگو کا ساتھ دینا ہو گا۔

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ 24 اگست کو مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں قائداعظمؒ نے سر سکندر کے سامنے وائسرائے کا اس مضمون کا خط ڈال کر کہ ان کو مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے لیا گیا ہے ان کو لاجواب کر دیا اور انہیں بڑی خفت اٹھا کر وائسرائے کی کاؤنسل سے استعفا دینا پڑا۔

(قائداعظمؒ میری نظر میں' ص 56)



مردوں کے شانہ بشانہ

1942ء میں قائداعظمؒ جالندھر سے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جلسہ سے لاہور واپس آ رہے تھے۔ کار میں ان کے ساتھ محترمہ فاطمہ جناح کے علاوہ بیگم جہاں آرا شاہنواز بھی تھیں۔ انہوں نے جب قائداعظمؒ کو خوشگوار موڈ میں دیکھا تو دوران گفتگو پوچھا۔

گیتی آرا : میری بھتیجی ممتاز' میری بیٹی رفعت اور دوسری پڑھی لکھی لڑکیاں جو بڑے جوش و خلوص سے مسلم لیگ نیشنل گارڈ کو منظم کر رہی ہیں' جاننا چاہتی ہیں کہ جب پاکستان موجودہ سیاسی جدوجہد کے نتیجہ میں بن جائے گا تو پاکستان کی بنیادیں قدامت پرستی پر رکھی جائیں گی یا یہ ترقی پسند ملکوں کی صورت اختیار کرے گا۔

قائداعظمؒ : بی بی! اپنی نوجوان لڑکیوں کو بتا دو کہ میں ایک ترقی پسند مسلم لیڈر ہوں۔ اس لیے میں اپنی بہن کو بلوچستان اور سرحد جیسے پسماندہ علاقوں میں لے جاتا ہوں اور وہ مسلم لیگ کے جلسوں میں بھی شرکت کرتی ہیں۔ انشاء اللہ پاکستان ایک ترقی یافتہ ملک ہوگا جس کی تعمیر میں خواتین زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے مردوں کے شانہ بشانہ مصروف کار ہوں گی۔

اس گفتگو کو بیگم گیتی آرا بشیر نے اپنے مضمون "قائداعظمؒ اور مسلم لیگ خواتین" میں نقل کیا ہے۔



صرف یہ دیکھیں کہ مسلمان ہے یا نہیں

1940ء کی قرارداد کے بعد جب تحریک پاکستان قائداعظمؒ کی قیادت میں مسلم لیگ کے پرچم تلے تیزی سے مسلم عوام میں مقبول ہونے لگی تو مخالفوں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ مسلم لیگ تو جاگیرداروں اور نوابوں کی جماعت ہے۔اس میں اس حد تک صداقت تو ضرور تھی کہ مسلم لیگ میں یہ لوگ تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ لیگ میں کلیدی عہدوں پر فائز تھے' اسمبلیوں کے رکن بھی تھے۔ اصل میں اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک سیاست قوم کے اوپری طبقے تک محدود تھی۔ بہرحال جب تحریک شروع ہوئی اور لیگی کارکن خاص طور پر طلبہ ملک کے دور دراز علاقوں میں جا کر مسلم لیگ کا پیغام پہنچانے لگے تو یہ اعتراض بھی بار بار سامنے آتا۔ چنانچہ علی گڑھ یونیورسٹی کے طلبہ کے ایک گروپ کے لڑکوں نے' جس میں ایک طالب علم ابوالخیر بھی شامل تھے' قائداعظمؒ سے پوچھ لیا۔

ابوالخیر : سر! جب ہم مسلم لیگ کے لیے دورے پر نکلتے ہیں تو اکثر لوگ مسلم لیگ پر اعتراض کرتے ہیں کہ لیگ تو نوابوں اور بڑے بڑے زمینداروں کی جماعت ہے۔ ہم اس کا کیا جواب دیں۔

قائداعظم : ان سے کہو کہ جب مسلمانوں کی اکثریت اس میں آجائے گی تو یہ لوگ آہستہ آہستہ اس میں سے نکل جائیں گے یا غیر موثر ہوجائیں گے۔ یہ جماعت عوام کی ہے۔ یہ جانتے ہیں کہ ان کی زمینداریاں متاثر ہوں گی۔ اس لیے وہ آپ کے کاز کی حمایت کر رہے ہیں۔ آپ لوگ یہ نہ دیکھیں کہ کون کیا ہے۔ بس یہ دیکھیں کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں۔

(ابوالخیر ایڈووکیٹ' ہفت روزہ نسیم' 19 ستمبر 83ء)



اب یہاں سے کہاں؟

مسلم لیگ کا آخری کھلا اجلاس دسمبر 1943ء کے آخری ہفتے میں کراچی میں ہوا تھا۔ اس وقت مسلم لیگ اپنے عروج پر پہنچ رہی تھی۔ قائداعظمؒ کا فقید المثال تین میل لمبا جلوس نکالا گیا۔ فضا پاکستان زندہ باد' قائداعظمؒ زندہ باد کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ اس وقت کراچی کے اس سے پہلے نہ کسی لیڈر کا ایسا شاندار جلوس نکلا تھا اور نہ ایسا استقبال ہوا تھا۔ دوسرے روز حاتم علوی قائداعظمؒ سے ملنے گئے۔

قائداعظمؒ : علوی مبارک ہو' بڑا موثر جلوس تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جلسے جلوسوں کی بہت زیادہ قیمت ہوتی ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اب ثابت ہو گیا ہے کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ پاکستان کا حصول انشاء اللہ یقینی بن چکا ہے۔

حاتم علوی : سوال تو یہ ہے کہ اب یہاں سے کہاں؟ اب منصوبہ بندی کی منزل شروع ہوتی ہے۔ ایک پلاننگ کمیٹی ہونی چاہئے جو پاکستانی علاقوں کی سماجی اور معاشی ترقی کا پروگرام بنائے۔

قائداعظمؒ آپ مجھے ایسے لوگوں کے نام تجویز کیجئے جو اس کمیٹی کے لیے موزوں ہوں۔

حاتم علوی لکھتے ہیں کہ اس گفتگو کے نتیجے میں لیگ کے اس سیشن میں ایک ریزولیوشن پاس ہوا جس میں پاکستان کے سماجی اور معاشی ترقیاتی پروگرام کی منصوبہ بندی کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا اور قائداعظمؒ کو پلاننگ کمیٹی نامزد کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔

(قائداعظمؒ اپنے معاصرین کی نظر میں)



اپنا کام کرو اور وفادار رہو

قرارداد پاکستان منظور ہونے کے بعد کا قصہ ہے۔ دوسری جنگ عظیم زوروں پر تھی۔ میجر (اب میجر جنرل ریٹائرڈ) سید غواث برما کے محاذ پر جاتے ہوئے چند گھنٹوں کے لیے دہلی رکے۔ بجائے تاریخی مقامات کے انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس عہد کی تاریخ ساز شخصیت قائداعظمؒ سے نیاز حاصل کیا جائے۔ چنانچہ وہ وردی ہی میں ان کی کوٹھی پر پہنچے اور قائداعظمؒ کے سیکرٹری کے ایچ خورشید سے کہا۔ جناب' بہت دور سے قائداعظمؒ کی زیارت کو آیا ہوں۔ چند منٹ کی ملاقات کا اہتمام کیجئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ مسلمان فوجی افسر ہیں۔ عام حالت میں میں ضرور آپ کے لیے وقت لے لیتا۔ لیکن آج نہیں کیونکہ قائداعظمؒ ایک اہم سیاسی نکتہ پر نوٹس تیار کر رہے ہیں۔ آج ملاقات تو قطعاً" بند ہے۔ بلکہ مجھے تو یہ حکم ہے کہ میں خود اندر نہ جاؤں۔ جب تک وہ مجھے نہ بلائیں۔ یہ حتمی انکار سن کر بھی میجر غواث نے اپنا اصرار جاری رکھا اور دلیل یہ دی کہ چند گھنٹوں کے بعد مجھے برما کے محاذ پر روانہ ہونا ہے۔ زندگی کا کیا اعتبار۔ اس لیے پابہ رکاب ہونے سے پہلے تحریک پاکستان کے قائداعظمؒ کو ایک نظر

دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ ان سے اپنی وفاداری کا اظہار کر سکوں۔ طویل اصرار اور بحث سے عاجز آکر خورشید صاحب نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ میں یہ کر سکتا ہوں کہ چند منٹ کے لیے میں ادھر ادھر ہو جاتا ہوں۔ آپ دروازہ پر دستک دے کر خود اندر چلے جائیں۔ پھر آپ جانیں اور آپ کا کام۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ میجر سید غواث نے کہا کہ مجھے منظور ہے آگے میری قسمت۔ چنانچہ انہوں نے دروازے پر دستک دی "میں اندر آسکتا ہوں" کہا اور کمرے میں داخل ہو گئے۔

میجر غواث : سر بغیر اجازت کے اندر آنے کی معافی چاہتا ہوں۔ میں جنگ پر جا رہا ہوں۔

قائداعظمؒ : (بغیر نظر اٹھائے اور پنسل کو پکڑے) ناراضگی کے تاثر کے ساتھ' جی (یس)

میجر غواث : میں آپ سے نیاز حاصل کرنا چاہتا تھا۔

قائداعظمؒ : (اسی طرح محویت کے عالم میں) جی (یس)

میجر غواث : میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستان کے لیے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں اور آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔

قائداعظمؒ : (پنسل اسی طرح ہاتھ میں پکڑے ہوئے) ہوں۔

میجر غواث : سر! مخل ہونے کی معذرت' اب اجازت چاہتا ہوں۔

قائداعظمؒ : (اشارے سے روکتے ہوئے) سنو نوجوان! تم وردی میں ہو۔ فی الحال تم اپنا کام کرو اور اپنی حکومت سے وفادار رہو۔

یہ واقعہ خود میجر جنرل ریٹائرڈ سید غواث نے لیفٹنٹ کرنل حشمت علی اور دوسرے افسروں کو مردان میں سنایا۔



اس عظیم کتاب کے ہوتے ہوئے تمہیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں

اواخر 1943ء میں میاں بشیر احمد 10 اورنگ زیب روڈ پر دہلی میں قائداعظمؒ سے ملاقات کے لیے گئے۔ کرپس مشن کے پس منظر میں گفتگو شروع ہوئی۔

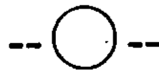
بشیراحمد : سر، مسلمانوں کی موجودہ حالت اور ان کے افتراق کو دیکھا جائے تو سخت مایوسی ہوتی ہے۔ آگے کا بھی اللہ ہی مالک ہے۔

قائداعظم : (قریب کی میز پر رکھے قرآن حکیم کی ایک جلد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) "ہمیں پریشان یا مایوس ہونے کی کیا ضرورت ہے جبکہ یہ کتاب ہماری رہنمائی کے لیے ہمارے پاس موجود ہے"۔

میاں بشیر احمد قائداعظمؒ کے یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان الفاظ سے اس مفروضے کی تردید ہوتی ہے کہ وہ سیکولر خیالات رکھتے تھے۔ میرے کانوں میں قائداعظمؒ کے وہ تاریخی الفاظ اب بھی گونج رہے ہیں جو انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے آخری اجلاس میں اپنے مخصوص لب و لہجہ میں بڑے یقین کے ساتھ کہے تھے۔

"وہ کیا چیز تھی جس نے مسلمانوں کو فرد واحد کی طرح متحد رکھا۔ مسلمان قوم کی بنیادی چٹان اور کشتی کا لنگر کیا تھا؟ اسلام، یہ عظیم کتاب قرآن حکیم ہے جو مسلمانان ہند کی کشتی کا لنگر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھیں گے ہم زیادہ سے زیادہ ایک ہوں گے۔ایک خدا، ایک کتاب، ایک رسول اور ایک قوم!"

(قائداعظمؒ اپنے معاصرین کی نظر میں، ص 20)



فرسٹ کلاس اور تھرڈ کلاس کا قصہ

گاندھی جی تیسرے درجے میں سفر کرتے تھے۔ اس کا ہندو پریس نے بڑا پروپیگنڈہ کیا تھا۔ اس کے برعکس قائداعظمؒ فرسٹ کلاس میں سفر کرتے تھے۔ ایک بار مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے ایک اجلاس کے بعد بعض مسلم لیگی ممبروں نے کہا۔

لیگی ممبر : کیا بہتر نہ ہو گا کہ اگر آپ بھی گاندھی کی طرح تیسرے درجہ میں سفر کیا کریں۔

قائداعظمؒ : میرے لیے ایسا کرنا ریاکاری ہو گا۔ خواہ میں کچھ بھی ہوں ریاکار نہیں ہوں۔ براہ کرم آپ مجھے یہ نہ بتائیے کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ میں اپنے سفر پر قومی روپیہ صرف نہیں کرتا۔ میں اپنا پیسہ صرف کرتا ہوں۔ اور جو طرز زندگی میں مناسب سمجھوں گا اختیار کروں گا۔



یہ شہرت بھی قوم کی امانت ہے

1896ء میں جب قائداعظمؒ نے بمبئی میں وکالت شروع کی تو شروع کے سالوں میں کسادبازاری کا یہ عالم تھا کہ ان کے پاس مقدمے آتے ہی نہیں تھے۔ وہ دفتر ہر روز جاتے اور خالی بیٹھے موکلوں کا انتظار کرتے۔ کبھی کبھار کوئی بھولا بھٹکا موکل آنکلتا۔ جب وکالت چمکی تو اس کا جواب بھی نہیں تھا۔ 1940ء میں جب انہوں نے تحریک پاکستان کی قیادت سنبھالی تو ان کی وکالت بھی اپنے عروج پر تھی اور ان کا شمار اس وقت کے کامیاب ترین وکیلوں میں ہوتا تھا۔ 1943ء تک جب وہ اور تحریک پاکستان لازم و ملزوم ہو گئے تو مقدموں کی بھرمار کے باوجود انہوں نے اپنا دفتر بند کر کے وکالت ہی ترک کر دی۔ ایک موکل نے جن سے ان کے ذاتی مراسم بھی تھے' کیس لینے کے لیے اصرار کیا۔

مؤکل : آپ جو چاہیں لیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ کیس ضرور لیں۔

قائداعظمؒ : میں نے ابھی کہا ہے کہ میں وکالت چھوڑ چکا ہوں۔

مؤکل : آخر کیوں! آپ کے پاس تو بیشمار مقدمے آرہے ہیں۔

قائداعظمؒ : لوگ اب محض میری قانون دانی کی وجہ سے نہیں بلکہ مجھے شبہ ہے کہ میری قومی حیثیت سے متاثر ہو کر بھی میرے پاس آتے ہیں اس لیے میں نے وکالت ہی چھوڑ دی ہے تاکہ اس حیثیت سے فائدہ اٹھانے کا سوال ہی نہ رہے۔ لیڈری کی شہرت سے کیس لینا وکالت کے پیشہ کے وقار کے منافی ہے اور قوم کے نام پر ملی ہوئی شہرت کو آمدنی کا وسیلہ بنانا خودغرضی ہے۔

قائداعظمؒ کے یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد رضوان احمد لکھتے ہیں کہ اس قول سے ایک طرف تو وکالت کے پیشے کی اخلاقیات کا تعین ہوتا ہے اور دوسری طرف خود ان کی سوچ بھی واضح ہوتی ہے۔

(کچھ یادیں چند باتیں' ص 120)



آپ جیل کیوں نہیں جاتے؟

بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں ہندو مسلمان خاص طور پر کانگریسی سیاسی لیڈروں کا جیل جانا ایک عام بات تھی۔ حکومت انہیں آئے دن گرفتار کرتی رہتی تھی یا پھر وہ خود سول نافرمانی کے ذریعہ جیل چلے جاتے تھے۔ علی برادران' مولانا حسرت موہانی' ظفر علی خاں' جواہر لال نہرو وغیرہ بار بار جیل

جاتے تھے اور ان کا جیل جانا ان کی لیڈری کی سند سمجھا جاتا تھا۔ عوام میں خاص طور پر اس کا بڑا چرچا ہوتا تھا۔ لیکن قائداعظمؒ کا مزاج اور طریق کار الگ تھا۔ وہ جس زمانے میں کانگریس میں تھے اس زمانے میں بھی انہوں نے جیل جانا ضروری نہیں سمجھا۔ مسلم لیگ کی قیادت سنبھالنے کے بعد بھی انہوں نے اس طریق کار کو اختیار نہیں کیا۔ قائداعظمؒ کے بہت سے خیرخواہ اس خیال سے پریشان رہتے تھے کہ کہیں ان کے جیل یا ترانہ کرنے کو ان کے جذبہ قوم پرستی کی کمی پر محمول نہ کیا جائے۔ یا پھر قربانی دینے سے گریز نہ سمجھا جائے۔ ایک روز ان کے پولیٹیکل سیکرٹری طوسی صاحب نے بات چھیڑی۔

طوسی : سر، کانگریسی لیڈر آئے دن جیل جاتے رہتے ہیں۔ ان کی اس قربانی کا بڑا چرچا کیا جاتا ہے اور ہمارے حریف ہم سے طنزاً کہتے ہیں کہ تمہارا قائد ڈر سے جیل نہیں جاتا۔ بعض مسلمانوں کو بھی اس بارے میں کچھ الجھن ہے۔

قائداعظمؒ : میں جیل جانے سے نہیں ڈرتا۔ لیڈر کے لیے جیل جانا نہ جانا یکساں ہے۔ اگر میں قید ہو بھی گیا تو مجھے کسی قلعہ یا محل میں رکھا جائے گا۔ (اس زمانے میں کانگریسی لیڈر احمد آباد کے قلعہ میں اور کچھ ایک محل میں قیدی کے طور پر فروکش تھے) جہاں میں نئے رسالے اور کتابیں پڑھوں گا اور خوب فرصت ہوگی تو گاندھی یا نہرو کی طرح کتابیں لکھ سکوں گا جن کی لاکھوں جلدیں فروخت ہوں گی۔ سودا برا نہیں۔ ایک بڑے لیڈر کے لیے جیل تو کچھ نہیں۔ گاندھی جیل جاتا ہے تو بکری بھی ساتھ لے جاتا ہے۔

میں جیل میں اس لیے نہیں جاتا کہ میرے پیچھے میری قوم میں اس کے دشمن انتشار پھیلا دیں گے۔

(قائداعظمؒ چند یادیں، چند ملاقاتیں، ص 20)



آپ اپنی دولت مسلم لیگ کو کیوں نہیں دے دیتے؟

تحریک پاکستان کے ابتدائی سالوں میں مسلم لیگ کا اپنا کوئی اخبار نہیں تھا۔ تمام ذرائع ابلاغ پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ چنانچہ قائداعظمؒ نے مسلم پریس کے لیے سرمایہ فراہم کرنے کی اپیل کی۔ اسی زمانے میں حیدر آباد دکن سے شاہد رزاقی بمبئی آئے اور محمد علی منیار کے توسط سے قائداعظمؒ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ دوران گفتگو مسلم پریس اور اس اپیل کا تذکرہ آگیا۔

شاہد رزاقی : جناب! لیگ کے اخبار کا کیا ہوا؟

قائداعظمؒ : ابھی پوری رقم جمع نہیں ہوئی۔

شاہد : حیدر آباد میں تو مجلس اتحادالمسلمین نے پریس کے لیے پانچ لاکھ روپے جمع کر لیے ہیں۔ لیکن حیرت ہے کہ مسلم لیگ ایسا نہ کر سکی۔

قائداعظمؒ : یہ کس نے کہا کہ اتحاد المسلمین نے پانچ لاکھ جمع کر لیے ہیں۔ کچھ دن پہلے مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ صرف 97 ہزار روپے جمع ہوئے ہیں۔

شاہد : ہے تو بے تکا سوال' لیکن آپ چندے کے لیے اپیل کرنے کی بجائے اپنی دولت مسلم لیگ کو کیوں نہیں دے دیتے۔

قائداعظمؒ : (بغیر برہم ہوئے اسی لب و لہجہ میں) تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں اپنا سب کچھ دے کر خود دوسروں کا دست نگر بن جاؤں۔ ایک بات یاد رکھو! اس ملک میں کئی مسلمان لیڈر محض اس لیے بدنام ہوئے کہ انہوں نے اپنی مالی حالت کو تباہ کر لیا تھا۔ مولانا محمد علی کے خلوص اور ایمانداری پر کون شک کر سکتا ہے اور ان کی قومی خدمات سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن بدنام کرنے والوں نے ان کو بھی نہیں چھوڑا۔

جہاں یہ حال ہو کہ لوگ لیڈر کے کام کو بھول جائیں اور یہ یاد رکھیں کہ جب وہ ان کے جلسے میں تقریر کرنے آیا تھا تو اس کو کرایہ دیا گیا تھا۔ وہاں لیڈر کی محتاجی' اس کی بدنامی اور ناکامی کا بڑا سبب بن جاتی ہے۔ مجھے جن اداروں یا لوگوں کو جو کچھ دینا ہے وہ مناسب طریقے سے دوں گا۔ اس طرح نہیں جیسے تم کہہ رہے ہو۔

اس واقعہ کو شاہد رزاقی اپنے مضمون قائداعظمؒ سے ایک ملاقات میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ جب ہم چلنے لگے تو قائداعظمؒ نے فرمایا :

"ایک بات ہمیشہ یاد رکھو' اسلام اور مسلمانوں کی امکانی خدمت ہر مسلمان پر لازم ہے۔ یہ ہمارا مذہبی فرض ہے۔ تحریک پاکستان کو نوجوانوں سے بڑی توقعات ہیں اور مجھے یقین ہے کہ یہ توقعات پوری ہوں گی۔"

(قائداعظمؒ چند یادیں چند ملاقاتیں' ص 225)

--○--

الم ترکیف

تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کے لیے قائداعظمؒ کو جوکھی لڑنی پڑ رہی تھی۔ لیکن وہ اللہ کی نصرت پر کامل یقین رکھتے تھے۔ قرآن حکیم نے ان کے اس یقین کو اور مستحکم کر دیا تھا۔ ایک روز ممدوٹ ولا میں رانا نصراللہ خان قائد کی خدمت میں حاضر تھے تو یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : میں نے قرآن حکیم کا انگریزی ترجمہ کئی بار پڑھا ہے۔ مجھے اس کی بعض سورتوں سے بہت تقویت ملتی ہے۔

رانا : مثلاً

قائداعظمؒ وہ چھوٹی سی سورۃ ہے جس میں ابابیلوں کا تذکرہ ہے۔

رانا : الم ترکیف فعل ربک

قائداعظمؒ : جی ہاں' اللہ تعالیٰ نے جس طرح کفار کے بڑے لشکر کو ابابیلوں کے ذریعے شکست دی۔ اسی طرح ہم لوگوں کے ذریعے انشاء اللہ کفار کی قوتوں کو شکست ہو گی۔

اس واقعہ کے راوی رانا نصراللہ خاں کہتے ہیں کہ قائد سورۃ الم ترکیف بہت شوق سے سنتے تھے اور اپنی بات چیت اور فقروں میں اکثر قائد سورۃ الم ترکیف' "انشاء اللہ" اور "اللہ کو اگر منظور ہوا" جیسے فقرے استعمال کیا کرتے تھے۔



میں اس قرارداد کو پیش کرنیکی اجازت نہیں دے سکتا

یہ واقعہ مسلم لیگ کے کراچی کے اجلاس کا ہے' جو 1943ء میں ہوا تھا۔ تحریک پاکستان زوروں پر تھی اور قائد اعظمؒ اس کے صدر تھے۔ اس موقع پر بعض مندوبین نے جوش عقیدت میں سوچا کہ کیوں نہ قائد اعظمؒ کو تاحیات صدر مسلم لیگ منتخب کر لیا جائے

مندوبین : اجازت ہو تو آپ کو تا حیات مسلم لیگ کا صدر منتخب کرنے کی قرارداد پیش کی جائے۔ یہ ہر سال نئے سرے سے انتخاب کرانے کی کیا ضرورت ہے۔

قائداعظمؒ : میں اس قرارداد کو پیش کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ آپ یہ امر ذہن میں رکھیں کہ میں عام انسانوں کی طرح ایک انسان ہوں' غلطی سے مبرا نہیں۔ یہ

عین ممکن ہے کہ آئندہ سال کے دوران مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے یا حالات ایسے پیدا ہو جائیں کہ کسی وجہ سے آپ مجھے مسلم لیگ کا صدر منتخب نہ کرنا چاہیں۔ اس صورت میں یہ قرارداد آپ کے ہاتھ باندھ دے گی۔ آپ کو ہر سال بلاجبر و اکراہ آزادی' بے خوفی اور بے باکی سے فیصلہ کرنا چاہئے کہ آپ مجھے صدر منتخب کرنا چاہتے ہیں یا کسی اور کو' دوسرے یہ کہ یہ بھی نہ بھولئے کہ دنیا میں کوئی شخص بھی لافانی نہیں اور نہ کوئی ناگزیر یا لابدی ہے۔ اس لئے آپ کو انسانی خطا اور فنا کے پہلو کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔ صرف خدا پر بھروسہ کیجئے اور صراط مستقیم پر گامزن رہئے۔

اس واقعہ کے عینی شاہد میاں منظر بشیر لکھتے ہیں کہ میں وہ لمحہ نہیں بھول سکتا جب پنڈال میں ان کے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔ وہ اصولوں کو شخصیات سے بلند رکھنے پر یقین رکھتے تھے اور اسی پر ان کا عمل رہا۔

(چند یادیں اور ملاقاتیں' ص 139)



میں ٹھیک ہوں' آپ فکر نہ کریں

26 جولائی 1943ء کو بعد دوپہر جب حسین بیگ محمد' قائد اعظمؒ کی رہائش گاہ پر پہنچے تو ان کے سیکرٹری مطلوب الحسن سید نے انہیں باہر ہی روک لیا اور کہا "ابھی پندرہ منٹ پہلے ایک خاکسار ان پر حملہ آور ہوا تھا۔ اندر ڈاکٹر جمال پٹیل ان کی مرہم پٹی کر رہے ہیں۔" جب پانچ سات منٹ کے بعد ڈاکٹر پٹیل باہر نکلے تو حسین بیگ محمد نے ان سے قائد اعظمؒ کی خیریت دریافت کی۔ انہوں نے بتایا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ انہوں نے پھر پوچھا کہ آپ نے قائد اعظمؒ کو آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ ڈاکٹر نے جواب دیا کہ آپ تو جناح صاحب کو جانتے ہیں کہ جب وہ نہ کر دیں تو ہاں نہیں ہو سکتی۔ جب حسین بیگ محمد' قائد اعظمؒ کے کمرے میں داخل ہوئے تو وہ صوفے پر بیٹھے تھے۔

قائداعظمؒ : حسین' میں ٹھیک ہوں' فکر نہ کریں۔

حسین : خدا کا شکر ہے۔

قائداعظمؒ : اب آپ کیا کریں گے؟

حسین : سب سے پہلے مسلم لیگ کے دفتر میں جاؤں گا اور وہاں سے ایک بیان جاری کروں گا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قائد اعظمؒ بالکل ٹھیک ہیں اور ڈاکٹر نے انہیں لوگوں سے ملنے سے منع کیا ہے۔

قائداعظمؒ : ٹھیک ہے۔

حسین : سر، آپ کے کالر اور دائیں کف پر خون لگا ہے، آپ کپڑے کیوں نہیں تبدیل کر لیتے؟

قائداعظمؒ : (کالر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے) آپ کہتے ہیں تو کپڑے تبدیل کئے لیتا ہوں۔

حسین بیگ محمد مزید لکھتے ہیں کہ یہ کہہ کر قائد اعظمؒ اوپر چلے گئے۔ میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا اور ان کی الماری سے پاجامہ اور قمیص نکال کر دی تاکہ وہ دوبارہ پتلون پہن کر کام میں نہ لگ جائیں۔



کیا پورے ہندوستان میں کوئی مسلمان نہیں رہا جو اس کتاب کا دیباچہ لکھے؟

1944ء میں اسلامی اور قومی کتابوں کے تاجر اور ناشر شیخ محمد اشرف نے قائد اعظمؒ کی سوانح حیات مطلوب الحسن سید سے لکھوائی۔ کتاب انگریزی میں تھی اور عنوان تھا "محمد علی جناح ایک سیاسی مطالعہ" اس کا دیباچہ لکھوانے کے لئے انہوں نے ڈاکٹر ذاکر حسین کے توسل سے گاندھی جی سے رابطہ قائم کیا۔ گاندھی جی فوراً" تیار ہو گئے۔ انہیں تو خدا ایسا کوئی موقع دے۔ شیخ محمد اشرف قائد اعظمؒ سے اجازت لینے ان کی قیام گاہ 6 ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پہنچے۔

شیخ : آپ کے ایماء کے مطابق مطلوب الحسن سید سے آپ کی سوانح حیات لکھوائی ہے۔ دیباچے کے لئے گاندھی کو تیار کیا ہے۔ اب آپ کی اجازت درکار ہے۔

قائداعظمؒ : میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔ کیا پورے ہندوستان میں کوئی مسلمان نہیں رہا جو اس کتاب پر دیباچہ لکھ سکے۔

شیخ : سر آغا خاں کے بارے میں کیا خیال ہے؟

قائداعظمؒ : کوئی اور نام تجویز کیجئے۔

شیخ : میں کیا عرض کروں، آپ ہی کچھ فرمائیے۔

قائداعظمؒ : میرے خیال میں خواجہ ناظم الدین موزوں رہیں گے۔

شیخ : لیکن خواجہ صاحب سے تو میرے تعلقات نہیں 'کیا پتہ وہ دیباچہ لکھنے پر آمادہ ہوں یا نہ ہوں۔

قائداعظمؒ : اس کی آپ فکر نہ کریں۔ میں خود خواجہ صاحب سے کہہ دوں گا۔

چونکہ قائد اعظمؒ ان دنوں بیمار تھے اس لئے یہ گفتگو محترمہ فاطمہ جناح کے توسط سے ہوئی۔ یہ گفتگو نقل کرتے ہوئے شیخ محمد اشرف لکھتے ہیں کہ میں نے گاندھی جی سے دیباچہ لکھوانے کی تجویز محض کاروباری نقطہ نظر سے پیش کی تھی۔ لیکن قائد اعظمؒ کی نظر کہیں اور تھی۔



میں تاریخ لکھ نہیں رہا' بلکہ تاریخ بنا رہا ہوں

اپریل 1944ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس مدراس میں ہوا تھا۔ اس کے دوران قائداعظمؒ علیل ہو گئے۔ چنانچہ تبدیلی آب و ہوا کے لیے وہ مہاراجہ میسور کی دعوت پر کچھ دنوں میسور میں رہے۔ اس قیام کے دوران ایک ہندو صحافی نے پوچھا:

ہندو صحافی : کیا آپ مسلم انڈیا کی تاریخ لکھ رہے ہیں؟

قائداعظمؒ : (ہنس کر) میں تاریخ لکھ نہیں رہا بلکہ تاریخ بنا رہا ہوں۔



نہ رعایت لینا منظور نہ رعایت دینے کو تیار

قائداعظمؒ کا مطمع نظر تو مسلمانوں کی بہبود و ترقی تھا۔ زندگی کے جس شعبے میں کسی فرد یا ادارہ کو ترقی کرنے کی جدوجہد کرتے دیکھتے تو وہ اس کی ہمت افزائی ضرور کرتے خواہ اس کے لیے انہیں زحمت ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

قائداعظمؒ کی زندگی کا ایک اور مستحکم اصول یہ تھا کہ وہ کسی سے بے جا رعایت لینا پسند کرتے تھے نہ کسی کو بے جا رعایت دینا پسند کرتے تھے۔ خصوصا پیسے کے لین دین کے معاملہ میں۔

اپریل 1944ء میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے ان کے کردار کی یہ دونوں خصوصیات ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ 1944ء کے اوائل میں انار کلی لاہور میں کپڑے کی

ایک مشہور فرم کے مالک سیٹھ حاجی محمد صدیق دہلی میں قائداعظمؒ سے ملے اور ان سے درخواست کی کہ جب آپ کبھی لاہور آئیں تو ہماری دکان پر بھی تشریف لائیں۔ قائداعظمؒ یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ لاہور میں مسلمانوں کی اور وہ بھی میمن برادری کی ایک بڑی دکان ہے۔ (واضح رہے کہ اس زمانے میں لاہور میں بھی تجارت پر غیر مسلم چھائے ہوئے تھے) اور فرمایا اب کے لاہور آیا تو ضرور آپ کی دکان دیکھوں گا۔

حسب وعدہ قائداعظمؒ دکان پر تشریف لائے اور اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ چائنہ کارڈ اور خالص ریشم کے چھ کپڑے پسند فرمائے۔ مالک نے "تحفتہً" یہ کپڑے پیش کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے انکار کیا اور اس شرط پر کپڑے لیے کہ ان کا بل دیا جائے۔ اس کے بعد دکان کے مالک نے خواہش کی کہ آپ ایک شیروانی بھی ہم سے سلوائیں۔ قائداعظمؒ شیروانی سلوانے پر اس شرط پر راضی ہوئے کہ ناپ ڈیوس روڈ پر ان کی قیام گاہ ممدوٹ ولا آکر لیا جائے۔ کیونکہ وہ دکان پر ناپ نہیں دینا چاہتے تھے۔ دوسرے دن جب قائداعظمؒ شیروانی کا ناپ دے چکے اور حیدر آبادی بٹنوں کے سیٹ انتخاب کے لیے ان کے سامنے رکھے گئے تو یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : یہ چار سیٹ ٹھیک ہیں ان کا بل دے دیجئے اور ہاں کپڑوں کا بل بھی آپ نے ابھی تک نہیں بھیجا۔

ولی : جناب، بل کا کیا ہے، آجائے گا۔

قائداعظمؒ : نہیں۔ میں ادھار لینے کا عادی نہیں۔ ابھی بل لایئے ورنہ کپڑے واپس کر دیئے جائیں گے۔

ولی : بہت بہتر جناب! ابھی بل پیش کرتے ہیں۔ (اپنے مینجر سے بل بنوا کر قائداعظمؒ کو پیش کرتے ہیں)
یہ لیجئے جناب ہم نے حکم کی تعمیل کر دی۔

قائداعظمؒ : (مسکرا کر) یہ بل مناسب نہیں ہے۔ اس میں جان بوجھ کر قیمتوں کو بہت کم کر کے لکھا گیا ہے۔

ولی : یہ معمول کی رعایت ہے۔

قائداعظمؒ : نہیں یہ معمول کی رعایت نہیں، اس سے مختلف ہے اور بہت زیادہ ہے۔ مجھے اس طرح کی رعایت لینا پسند نہیں۔ اس بل کو آپ دوبارہ بنوایئے اور دوسرا بل بٹنوں کا کہاں ہے؟

ولی : یہ ہے جناب۔

قائداعظمؒ : (یہ دیکھ کر) ایک سیٹ میں تو تین بٹن کم تھے۔ ان کے آٹھ آنے آپ نے کم نہیں کئے۔ معاف کیجئے یہ بل بھی آپ کو دوبارہ بنانا پڑے گا۔

تو یہ تھے قائداعظمؒ' نہ سینکڑوں کی رعایت منظور' نہ آٹھ آنے چھوڑنے پر تیار۔



ذاتی پبلسٹی' اخلاق سے گری ہوئی حرکت

بمبئی میں ایک بار قائداعظمؒ کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ اس زمانے میں مطلوب الحسن سید' قائداعظمؒ کے سیکرٹری تھے۔ اس خیال سے کہ اس طرح ہزاروں لاکھوں لوگ ان کی صحت یابی کے لیے دعائیں کر سکیں گے۔ انہوں نے ٹیلیفون اٹھایا اور اخبارات اور نیوزایجنسی کو قائد کی علالت کی اطلاع کرنے لگے۔ قائداعظمؒ نے ان کی آواز سنی تو ان کو بلایا۔

قائداعظمؒ : مسٹر سید' یہ آپ کیا کر رہے تھے؟

مطلوب الحسن : جناب والا! اخبارات کو آپ کی علالت کی اطلاع کر رہا تھا۔

قائداعظمؒ : آپ کو میری اجازت کے بغیر میری بیماری کی خبر نہیں دینی چاہیے تھی۔

مطلوب الحسن : میرا خیال تھا کہ اس طرح بے شمار لوگ آپ کی جلد صحت یابی کے لیے دعا کر سکیں گے۔

قائداعظمؒ : علالت کی اطلاع دینا بری بات تو نہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ میری قوم کو غیرضروری تشویش ہو۔

قائداعظمؒ : میں اس طرح کی ذاتی پبلسٹی کو اخلاق سے گری ہوئی بات سمجھتا ہوں۔

قائداعظمؒ خود اتنے بڑے لیڈر تھے کہ انہیں کسی سہارے کی ضرورت نہیں تھی۔



وہ "بے وقوف" میں ہی ہوں

ستمبر 1944ء میں طویل گاندھی جناح مذاکرات ہوئے اور ناکام بھی رہے۔ اس شدید مصروفیت نے قائداعظمؒ کی صحت پر برا اثر ڈالا۔ انہوں نے ایک پارسی ڈاکٹر جال پٹیل سے مشورہ کیا۔ جال پٹیل نے ان کا تندہی سے علاج کیا۔ ان کی تکلیف کم ہو گئی اور وہ صحت کی مکمل بحالی کے لیے ایک ہل اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔ آرام اور پرسکون تفریح نے قائداعظمؒ کی صحت پر بہت خوشگوار اثر ڈالا اور ان کا وزن بھی خاصا بڑھ گیا۔ اخبارات میں یہ خبر بھی آگئی۔ خبر میں جال پٹیل کا تذکرہ بھی تھا۔ جب قائداعظمؒ بمبئی واپس آئے تو ڈاکٹر جال پٹیل سے ملنے گئے۔

ڈاکٹر : (اخبار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کسی بے وقوف نے میرا نام بھی چھپوا دیا۔

قائداعظمؒ : ڈاکٹر، وہ بے وقوف میں ہی ہوں، میں اس شخص سے اپنی شکرگزاری کا اظہار کیوں نہ کروں جس نے میری اتنی خدمت کی ہے۔



ہمدردی اپنی جگہ، لیکن جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں

تحریک پاکستان کے آخری مراحل میں قائداعظمؒ نے مسلم عوام سے چاندی کی گولیوں کی اپیل کی تھی۔ اس پر عام مسلمان مردوں ہی نے نہیں عورتوں نے بھی لبیک کہا۔ انہوں نے اپنا زیور تک لیگ فنڈ میں دینا شروع کر دیا۔ لیکن قائداعظمؒ نے اس چندے کو قبول نہیں کیا۔ شائستہ اکرام اللہ نے ایک روز پوچھ لیا۔

شائستہ : سر، یہ مسلمان خانہ دار عورتیں اتنے شوق سے اپنے ہاتھوں کے کنگن اور کانوں کی بالیاں اتار کر مسلم لیگ کو دیتی ہیں اور آپ انہیں قبول نہیں کرتے واپس کر دیتے ہیں۔ عجیب سا لگتا ہے۔ کیا یہ ایک قابل قدر جذبے کی توہین نہیں۔

قائداعظمؒ : نہیں یہ بات نہیں۔ کوئی اور لیڈر ہو تو شاید اسے اپنی بڑی کامیابی سمجھے۔ لیکن میں سیاست میں جذباتیت کو پسند نہیں کرتا۔ ان خواتین کو چاہیے کہ وہ زیورات کا عطیہ دینے سے پہلے اپنے اپنے شوہروں سے پوچھیں، ان سے اجازت لیں، پھر دیں۔ ان ڈرامائی باتوں سے پہلے ہمیں ٹھوس کام چاہیے۔

(قائداعظمؒ اور مسلمان خواتین، ص 40)



میں مدد لوں تو کس سے؟

1944ء میں راج گوپال اچاریہ کے فارمولے کی بنیاد پر طویل گاندھی جناح مذاکرات ہوئے تھے جس میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ پاکستان بننے نہ بننے کے سوال پر مسلم اکثریت کے صوبوں میں ضلع وار استصواب رائے کیا جائے۔ یہ بھی پاکستان کو سبوتاژ کرنے کی ایک چال تھی۔ مذاکرات کے بعد حاتم علوی، قائداعظمؒ سے ملنے بمبئی گئے۔

حاتم علوی : سر، اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ گلہ کروں کہ جبکہ گاندھی جی نے برلا ہاؤس میں ہندو قوم کے بہترین دماغوں کو صلاح مشورہ کے لیے جمع کر رکھا تھا۔ آپ نے اتنے اہم مذاکرات میں اپنے کسی رفیق کار کو مشورہ کے لیے نہیں بلایا۔ اور خود ہی سارے مرحلے طے کئے۔

قائداعظمؒ علوی! میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔ میں بھی صلاح و مشورہ کی ضرورت اور افادیت کا قائل ہوں۔ لیکن تمہیں شاید صورت حال کا علم نہیں۔ (چند نام لے کر) یہ ہیں وہ لوگ جنہیں میں امکانی طور پر مشورے کے لئے اپنے ساتھ شریک کرسکتا تھا۔ لیکن ہوتا کیا، ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی ایسے شخص کے زیر اثر آجاتا جو کانگریس کے قریب ہوتا۔ پھر وہ مجھے ان شرائط پر جو مسٹر گاندھی مجھے پیش کرتے، سمجھوتہ کرلینے پر دباؤ ڈالتے۔ اس طرح میرا آدھا وقت ان لوگوں سے بحث کرتے اور ان کو قائل کرتے گزر جاتا۔ اس طرح ان صلاح کاروں سے بجائے کچھ مدد ملنے کے الٹا نقصان ہوتا اور میں اپنی تمام توجہ اور وقت مذاکرات پر مرکوز نہ کرسکتا۔

(قائداعظمؒ اپنے معاصرین کی نظر میں، ص 64)



پاکستان ایک جمہوریت ہو گا

25 دسمبر 1945ء کو قائداعظمؒ کی سالگرہ کے موقع پر سارے ملک کے مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا تھا۔

جے جے ہسپتال کے قریب ایک پرجوش کارکن نے قائداعظمؒ کی ایک قدآدم تصویر آویزاں کی ہوئی تھی جس میں انہیں خلعت شاہی میں ملبوس دکھایا گیا تھا اور نیچے لکھا ہوا تھا شہنشاہ پاکستان

قائداعظمؒ وہاں سے کار پر گزر رہے تھے۔ ان کی نظر تصویر پر پڑی تو فوراً کار رکوائی اور ڈرائیور سے کہا کہ جن لوگوں نے یہ آرائش کی ہے اور تصویر لگائی ہے ان میں سے کسی کو بلاؤ۔ جب تک علاقہ کے کارکن آئے وہاں ایک خلقت جمع ہو چکی تھی۔

کارکن : جناب والا! آپ نے یاد فرمایا۔

قائداعظمؒ : آپ کے جوش و خروش کی میں قدر کرتا ہوں۔ لیکن اس تصویر کو آپ فوراً اتار دیجئے۔ پاکستان میں جمہوریت کے علاوہ کسی چیز کے بارے میں ہمیں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ پاکستان ایک جمہوریت ہو گا۔ وہاں کسی شہنشاہ کی گنجائش نہ ہو گی۔

حسن اے شیخ جو پاکستان کی پہلی آئین ساز اسمبلی کے جوائنٹ سیکرٹری بھی تھے' لکھتے ہیں -

"پاکستان قائم ہونے کے بعد کابینہ نے متفقہ طور پر ایک قرارداد کے ذریعے انہیں قائداعظمؒ کے اختیارات تفویض کر دیئے تھے۔ اس کے تحت وہ کابینہ کے کسی بھی فیصلے کو مسترد کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے کبھی اس خصوصی اختیار کو استعمال نہیں کیا۔"

(قائداعظمؒ اپنے معاصرین کی نظر میں' ص 93)



نہیں' آپ کا بے حد شکریہ!

یہ واقعہ 1945ء کی پہلی شملہ کانفرنس کے دوران کا ہے۔ شام کا وقت تھا۔ قائداعظمؒ وائسرائے سے ملاقات کے بعد شملہ کے مشہور سیسل ہوٹل کے لاؤنج میں خبررساں ایجنسی اے پی آئی کے سربراہ سر اوشا ناتھ سین کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھے شملہ مذاکرات پر تبصرہ کر رہے تھے کہ دو ممتاز مسلم لیگی خواتین تشریف لائیں۔ (رسمی گفتگو کے بعد)

خواتین : سر' ہمیں معلوم ہوا ہے کہ محترمہ فاطمہ جناح اس بار آپ کے ہمراہ نہیں۔ آپ کو تکلیف ہوتی ہو گی۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔

قائداعظمؒ : نہیں' شکریہ!

اس واقعہ کے عینی شاہد زیڈ اے سلہری نے یہ بھی لکھا ہے کہ قائداعظمؒ اپنی نجی زندگی کے بارے میں بہت کم کسی کو بتاتے تھے۔ حد یہ کہ تحریک پاکستان کے انتہائی نازک موڑ پر جب ان کے ڈاکٹر نے

انہیں بتایا کہ وہ "پھیپھڑوں کی بیماری میں مبتلا ہیں تو تو غالباً" انہوں نے اپنی بیماری کے سیاسی مضمرات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس درجہ رازداری سے کام لیا کہ اپنی بہن فاطمہ جناح کو بھی پتہ نہیں چلنے دیا کہ انہیں کیا تکلیف ہے۔ ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ایک انٹرویو میں بڑی حسرت سے کہا کہ کاش' اسے جناح کی بیماری کے بارے میں بروقت معلوم ہو سکتا تو ہندوستان کا سیاسی نقشہ کچھ اور ہوتا۔



یہ نہ سمجھنا کہ مجھے اردو نہیں آتی

جنوری 1945ء میں قائداعظمؒ علالت کے باعث بمبئی کے قریب ایک صحت افزا مقام' ماتھیراں تشریف لے گئے۔ وہاں انگریزی اخبارات تو وہ خود پڑھتے تھے اور اردو اخبارات کی خبریں ان کے سیکرٹری کے ایچ خورشید انہیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ ایک روز حسب معمول وہ صبح سویرے ایک اردو اخبار اٹھا کر اس کی خبر سنانے لگے تو قائداعظمؒ نے فرمایا "یہ نہ سمجھنا کہ مجھے اردو نہیں آتی" کہہ کر انہوں نے اخبار خورشید کے ہاتھ سے لے لیا اور مونوکل لگا کر پڑھنے لگے۔

کے ایچ خورشید : اچھا مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اردو بھی جانتے ہیں۔

قائداعظمؒ : آپ اردو پر حیران ہو رہے ہیں۔ میں نے بچپن میں فارسی کی کتاب قواعد لطیف بھی پڑھی تھی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد کے ایچ خورشید لکھتے ہیں کہ اس کے بعد قائداعظمؒ اور اخبارات بھی دیکھنے لگے۔ کوئی مشکل لفظ آجاتا تو مجھ سے پوچھ لیتے۔



قائداعظمؒ اور یوتھ کمپلیکس

1940ء کی قرارداد پاکستان کے بعد گاندھی جی اور جواہر لال نہرو جیسے سربرآوردہ ہندو لیڈروں نے لاہور میں جائیدادیں خریدنا شروع کر دی تھیں۔ یہ بھی مشہور کیا گیا تھا کہ کانگریس کے صدر جواہر لال نہرو کا ننھیالی مکان لاہور کے محلے شاہ عالمی میں ہے۔ 1944ء میں دریائے راوی کے کنارے کانگریس کے ایک جلسہ میں مشہور کانگریسی لیڈر لال بہادر شاستری نے بڑے فخر سے کہا تھا کہ اب گاندھی کا

تعلق پنجاب سے قائم ہوگیا ہے۔ انہوں نے لاہور میں چھ سو کنال اراضی خریدی ہے۔ (واقعہ یہ بات صحیح تھی۔ گو اس کی قیمت لاہور کے ایک بڑے ہندو زمیندار رائے چند نے ادا کی تھی) اسی طرح دوسرے کانگریسی لیڈروں ولبھ بھائی پٹیل اور سردار بلدیو سنگھ وغیرہ نے بھی لاہور میں جائیدادیں حاصل کر کے لاہور سے اپنا تعلق جتانا شروع کر دیا تھا۔ ساتھ ہی یہ پروپیگنڈہ بھی جاری تھا کہ مسٹر جناح کی جائیداد تو بمبئی میں ہے۔ انہیں پنجاب کے دل لاہور سے کیا تعلق۔ بدقسمتی سے اس پروپیگنڈہ میں بعض کانگریسی مسلمان بھی شریک تھے۔ یہ باتیں قائداعظمؒ نے کانوں میں بھی پہنچتی رہتی تھیں۔ اسی پس منظر میں ایک روز قائداعظمؒ لاہور میں اپنے قیام کے دوران سیاسی ہنگاموں سے فارغ ہو کر رات گئے میاں میر نہر کی طرف سیر کے لیے نکلے۔ ان کے ساتھ پنجاب کے مقتدر مسلم لیگی لیڈر میاں امیرالدین بھی تھے۔ اس رات اتفاق سے موسم معمول سے زیادہ خوشگوار تھا۔ فضا میں ہلکی ہلکی خنکی تھی اور دور دور تک آبادی نہ ہونے سے چاروں طرف پرسکون سکوت تھا اور حد نظر تک پھیلے ہوئے کھیتوں اور پیڑوں کی مخصوص مہک نے ماحول کو اور بھی خوبصورت بنا دیا تھا۔

قائداعظمؒ : میاں صاحب! لاہور واقعی بہت خوبصورت ہے۔ اب یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ شاہ جہاں نے یہاں شالیمار باغ کیوں بنایا تھا۔ بمبئی میں ایسی ہریالی اور سکون کہاں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں یہ نعمت میسر ہے۔

امیرالدین : جی ہاں اس میں کیا شک ہے۔ لاہور لاہور ہے۔

قائداعظمؒ : میاں صاحب! میں یہاں لاہور میں کچھ زمین خریدنا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں اب لاہور میں رہائش اختیار کروں۔

امیرالدین : میری دریائے راوی کے پاس کافی زمین ہے۔ آپ جہاں اور جتنی زمین پسند کریں حاضر ہے۔

قائداعظمؒ : میاں صاحب! مسٹر گاندھی اور مجھ میں بس یہی فرق ہے کہ وہ لنگوٹی باندھتے ہیں۔ ان کے بنک بیلنس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ مگر پیسے خرچ کرنے کا ان میں حوصلہ نہیں۔ میں اچھے کپڑے پہنتا ہوں مگر اس کے باوجود میرے پاس اتنے پیسے ہیں کہ میں لاہور میں زمین کا ٹکڑا خرید سکتا ہوں۔ (کھیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہاں زمین کا ٹکڑا خرید لیا جائے۔

11 ستمبر 1981ء کے مشرق میں میاں امیرالدین لکھتے ہیں:

"قائداعظمؒ کے ایما پر میں نے ان کے لیے اس علاقے میں چھ سو کنال اراضی کے ایک قطعے کا سودا پانچ لاکھ روپے میں کیا۔ بمبئی پہنچ کر قائداعظمؒ نے یہ رقم مجھے بھجوا

دی جو میں نے اس کے مالک کو ادا کر کے اس کی رجسٹری قائداعظمؒ کے نام کرا دی اور بطور گواہ اپنے دستخط کئے۔"

قیام پاکستان کے بعد قائداعظمؒ کی خواہش تھی کہ اس زمین پر یوتھ کمپلیکس تعمیر کروائیں جس میں نوجوانوں کے لیے کھیل کے میدان تفریحی پارک اور ایک بہت بڑا جمنازیم ہو۔

یہ وہ علاقہ تھا جہاں اب گلبرگ آباد ہے۔ قائداعظمؒ کی وفات کے چند سال بعد یہ سارا علاقہ لاہور امپرومنٹ ٹرسٹ نے ایکوزیشن ایکٹ کے تحت حاصل کر لیا اور قواعد کے مطابق صرف چوبیس کنال کاایک قطعہ قائد کے ورثاء کے نام منتقل ہوا۔ 1980ء میں قائداعظمؒ اسٹیٹ کے ٹرسٹیز نے اسے ایک غیرملکی قونصل خانے کے ہاتھ فروخت کر دیا۔



ننھے منے بچوں کو تیرتے دیکھ کر مجھے خوشی ہو گی

یہ واقعہ 1945ء کے بعد کا ہے۔ قائداعظمؒ نے لاہور میں اپنی رہائش کیلئے ایک بنگلہ تین لاکھ پینتیس ہزار میں میاں نذیر احمد ایڈووکیٹ سے خریدا تھا۔ یہ بنگلہ لینے کے بعد وہ اکثر و بیشتر لاہور آکر اسی بنگلہ میں ٹھہرتے تھے۔ ایک روز قائداعظمؒ کی اس زمانے کے مشہور مسلم لیگی لیڈر میاں امیرالدین سے یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : میاں صاحب ! میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ کی وساطت سے مجھے یہ بنگلہ مل گیا۔ قیمت بھی واجبی ہے۔

امیرالدین : جی ہاں' یہ لاہور چھاؤنی کا سب سے اچھا بنگلہ ہے۔

قائداعظمؒ : میاں صاحب ! اب جبکہ میں زیادہ تر لاہور ہی میں رہنا چاہتا ہوں میری خواہش ہے کہ آپ ایک ایسا بنگلہ ڈھونڈیں جو اس سے خاصا بڑا ہو اور ہو سکے تو اس میں تیراکی کا ایک تالاب بھی ہو۔

امیرالدین : (حیرت سے) تیراکی کا تالاب؟

قائداعظمؒ : جی ہاں' اگرچہ مجھے تیرنا نہیں آتا۔ مگر ننھے منے بچوں کو تیرتے دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔

میاں صاحب کہتے ہیں کہ ابھی ہم ایک ایسا بنگلہ ڈھونڈ ہی رہے تھے کہ پورا پنجاب ہندو مسلم فسادات کی لپیٹ میں آگیا اور بات آئی گئی ہو گئی۔ پاکستان بننے کے بعد جب میں قائداعظمؒ سے کراچی

میں گورنر جنرل ہاؤس میں ملا تو وہ بنگلے کی بات بھولے نہیں تھے۔ انہوں نے مجھ سے پھر کہا:

"میاں صاحب! مناسب بنگلہ آپ ضرور تلاش کریں۔ اس منصب سے سبکدوش ہونے کے بعد میں لاہور میں رہنا چاہتا ہوں۔"



اپنی بہن سے بھی میں یہی کہتا

تاسیس پاکستان سے چند سال قبل کا واقعہ ہے کہ قائداعظمؒ نظام حیدر آباد سے مذاکرات کرنے ہوائی جہاز سے حیدر آباد جا رہے تھے۔ ان کے سامان میں کچھ اہم کاغذات تھے جن کی حفاظت کے بارے میں وہ متفکر نظر آتے تھے۔ بار بار سامان کو دیکھتے تھے۔ غسل خانے کی طرف جا کر لوٹ آئے۔ ہوائی جہاز میں غیر بھی تھے۔ نواب صدیق علی خاں سالار اعلیٰ مسلم نیشنل گارڈز جو ان کے باڈی گارڈ کے طور پر ساتھ سفر کر رہے تھے۔ بھانپ گئے کہ ضرور یہ سامان بہت اہمیت رکھتا ہے۔ حیدر آباد کے ہوائی اڈے کے قریب جہاز پہنچا تو نیچے ایک جم غفیر استقبال کے لیے موجود تھا۔ یہ دیکھ کر نواب صدیق علی خاں نے اپنی خدمات پیش کرنا ضروری سمجھا۔

صدیق علی خاں: سر! آپ اپنے سامان کو میری تحویل مین دے دیجئے۔ میں اسے بحفاظت مہمان خانہ لے آؤں گا۔

قائداعظمؒ: (کچھ دیر کی گمبھیر خاموشی کے بعد) اس سامان میں بہت اہم کاغذات ہیں۔

صدیق علی خان: (قدرے آزردہ ہو کر) اگر آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے تو میرے سپرد نہ کیجئے۔

قائداعظمؒ: (ایک لمحہ کے توقف کے بعد) صدیق! عدم اعتماد کی بات نہیں ہے۔ جو میں نے تم سے کہا وہی میں اپنی بہن سے بھی کہتا۔

نواب صدیق علی خاں لکھتے ہیں کہ قومی مفاد کے معاملہ میں حد درجہ احتیاط ملحوظ رکھنا قائداعظمؒ کی عادت تھی۔

(قائداعظمؒ میری نظر میں ص 40)



ہی از رائٹ' یو آر رانگ

یہ واقعہ قائداعظمؒ کی ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر رہائش کے زمانے کا ہے۔ مسئلہ یہ تھا کہ ان کے ڈرائیور نے روز کے معمول سے زیادہ پٹرول صرف کیا تھا اور مس فاطمہ جناح سے مزید رقم طلب کی تھی۔ وہ خفا ہوئیں اور اسے کافی سخت سست کہا۔ شام کو قائداعظمؒ کے سامنے یہ مسئلہ پھر چھڑا۔

فاطمہ جناح : میں کہتی ہوں اتنا زیادہ پٹرول کیسے صرف ہوا۔ یقیناً" اس نے لاپرواہی یا بددیانتی کی ہے۔ ڈرائیوروں پر مجھے قطعاً" اعتماد نہیں۔ طرح طرح کے بہانے بناتے رہتے ہیں۔

ڈرائیور : مس صاحبہ! کار آج میں نے کوئی نئی نہیں چلائی۔ پٹرول فاصلے کے حساب سے خرچ ہوتا ہے۔ آج کار بہت چلی ہے۔ آپ صاحب سے پوچھ لیجئے۔

قائداعظمؒ : فاطمہ! ڈرائیور ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تمہارا گمان درست نہیں (ہی از رائٹ' یو آر رانگ)

(یہ واقعہ ٹی وی پر نشر ہوا)



ذہانت نہیں' راست بازی

مشہور کشمیری راہنما چوہدری غلام عباس' مسٹر اے آر ساغر اور پروفیسر محمد اسحاق قریشی سیاسی رہنمائی کے لیے قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان دنوں قائداعظمؒ ممدوٹ ولا میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

ملکی سیاست اور کشمیر کے حالات پر طویل گفتگو ہوئی۔ اس ملاقات کے دوران ایک موقع ایسا آیا کہ چوہدری غلام عباس نے قائداعظمؒ کی سیاسی کامیابیوں کی پرجوش اور پرخلوص تعریف کی اور کہا:

غلام عباس : یہ سب آپ کی ذہانت اور فراست کا نتیجہ ہے۔

قائداعظمؒ : (قدرے چونک کر) میرے دشمن میرے متعلق جو بھی خیال کریں ان کا حق ہے۔ لیکن میرے دوستوں کو علم ہونا چاہئے کہ محمد علی جناح نے کانگریس کو جس سیاست سے ہر قدم پر مات دی ہے اس کا نام راست بازی اور سچائی ہے۔ کانگریس اور گاندھی کی سیاست کا نام عیاری ہے۔ لہذا میں نے اس کا تریاق راست بازی میں ڈھونڈ لیا ہے۔



پاکستان بننے سے پہلے میں مر نہیں سکتا!

یہ واقعہ 1947ء سے چند سال پہلے کا ہے جب پنجاب میں کانگریس اور یونینسٹ پارٹی کی مسلم لیگ دشمن مخلوط حکومت تھی۔ اس حکومت کے ایماء یا شہ پر بہت سے خاکسار ایک ٹرک میں سوار ہو کر قائداعظمؒ پر حملہ کرنے کے لیے ممدوٹ ولا پہنچ گئے۔ جہاں اس وقت وہ ٹھہرے ہوئے تھے وہاں مسلم لیگ کے نیشنل گارڈز بھی چوکس تھے اور دوسرے کارکن بھی موجود تھے۔ انہوں نے حملہ آوروں کو مار بھگایا۔ اس ہنگامے کا شور سن کر قائداعظمؒ خود بھی باہر آگئے۔

قائداعظمؒ : یہ ہنگامہ' شور کیسا ہے؟

رانا نصراللہ : کچھ خاکسار ٹرک میں بھر کر یہاں آئے تھے۔ وہ اندر گھسنا چاہتے تھے۔

قائداعظمؒ : کیوں؟

رانا نصراللہ : آپ کو نقصان پہنچانے کے لیے لیکن ہم آپ کے جان نثار' آپ کے دشمنوں کو نیست و نابود کر دیں گے۔

قائداعظمؒ : (کارکنوں اور نیشنل گارڈز کو مخاطب کر کے) میں دیکھتا ہوں کہ آپ غصے اور جوش میں ہیں۔ آپ لوگ گھبرائیں نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مشن میرے سپرد کیا ہے اس کی تکمیل تک وہ مجھے زندہ رکھے گا۔ پاکستان بننے کے بعد میں اپنے آپ کو ان لوگوں کے سامنے پیش کر دوں گا۔ اس وقت تک اللہ میرا محافظ ہے۔

اس واقعہ کے راوی رانا نصراللہ خاں کہتے ہیں کہ اس روز رات کو کھانے کی میز پر جب یہ حادثہ زیر بحث آیا تو قائداعظمؒ نے فرمایا:

"مجھے یقین ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے میں نہیں مروں گا۔
کئی سال پہلے بمبئی میں تیز دھار خنجر سے مسلح خاکسار نے مجھ پر اچانک حملہ کیا تھا۔ اللہ نے اپنے کرم سے مجھے بچایا اور وہ ناکام رہا۔ اللہ نے اپنے فضل سے میرے نحیف بازوؤں میں اتنی طاقت دے دی ہے کہ میں اپنا دفاع کر سکوں۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری حفاظت کی جاتی ہے۔ آپ لوگ بالکل نہ گھبرائیں اور اپنے کام میں انہماک سے لگے رہیں۔"

--○--

شخصیت پرستی

دسمبر 1945ء میں ڈسٹرکٹ مسلم لیگ بمبئی کے کارکن قائداعظمؒ کو ایک جلسہ میں شرکت کی دعوت دینے گئے۔ مصافحہ کے دوران ایک کارکن نے جوش عقیدت میں قائداعظمؒ کے ہاتھ کو جھک کر بوسہ دے دیا۔

کارکن : اگر آپ ہمارے جلسہ میں ....

قائداعظمؒ : وہ تو میں ضرور آؤں گا لیکن فی الحال میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ مجھے ایک عام انسان تصور کریں' پیرومرشد نہ سمجھیں۔ اس طرح لوگوں میں غلط اور تباہ کن طریقے پر سر جھکانے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ جسے شخصیت پرستی کہتے ہیں۔ یہ مرض نقصان دہ اور مضرت رساں ہے اور اسلام میں ناروا اور ناجائز ہے۔

----

مولانا یا شہنشاہ نہیں' صرف جناح

تحریک پاکستان کے عروج کے زمانے کا ذکر ہے کہ قائداعظمؒ کار میں ایک چھوٹے سے قصبے سے گزر رہے تھے۔ لوگوں نے دیکھا تو پکارے۔

"مولانا محمد علی زندہ باد' مولانا محمد علی زندہ باد۔"

قائداعظمؒ : (کار روک کر اور اپنی انگلی اٹھا کر) مجھے مولانا نہ کہئے۔ میں کوئی مذہبی لیڈر نہیں ہوں۔ میں آپ کا سیاسی رہنما ہوں۔

لوگ : پھر ہم آپ کو کیا کہیں؟

قائداعظمؒ : مسٹر جناح کہئے یا محمد علی جناح' لیکن مولانا نہیں۔

لوگ : (نعرہ) قائداعظم محمد علی جناحؒ زندہ باد پاکستان زندہ باد!

قائداعظمؒ یہ سن کر مسکرائے اور کار روانہ ہو گئی۔ پھر دیر تک فضا قائداعظم محمد علی جناحؒ کے نعروں سے گونجتی رہی۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ 25 دسمبر 1945ء کو پیش آیا۔ اس تاریخ کو یوم

پیدائش تمام ہندوستان میں بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ بمبئی میں بھی کئی آرائشی دروازے کھڑے کئے گئے۔ ایک دروازے پر بعض پرجوش مداحوں نے ان کی ایک بڑی تصویر شاہانہ لباس میں بنا کر لٹکائی تھی اور تصویر کے نیچے لکھا تھا "شہنشاہ پاکستان"۔ جب وہ شہر سے کار گزار رہے تھے تو اس تصویر پر ان کی نظر پڑی۔ انہوں نے فوراً" اس کو اتروانے کا حکم دیا اور جو لوگ وہاں اکٹھے ہو گئے تھے ان سے کہا:

"آپ پاکستان کو شہنشاہیت نہ سمجھئے۔ پاکستان ایک جمہوریت کے علاوہ کچھ نہ ہو گا۔"



میں مسلمانوں کو ڈسپلن کی پابند قوم دیکھنا چاہتا ہوں

یہ واقعہ 1945ء کا ہے۔ قائداعظمؒ ہوڑہ ایکسپریس سے دہلی سے کلکتہ جا رہے تھے۔ چونکہ ان کی طبیعت قدرے ناساز تھی۔ اس لیے پٹنہ کے صوبائی مسلم لیگ کے اراکین کو اطلاع کر دی گئی تھی کہ وہ اسٹیشن پر کسی استقبال یا ملاقات کا اہتمام نہ کریں تاکہ قائداعظمؒ کے آرام میں خلل نہ پڑے۔ ٹرین پٹنہ میں رات کے دو بجے کے قریب پہنچتی تھی۔ قائداعظمؒ کے پٹنہ سے گزرنے کی بھنک کسی طرح پٹنہ کے مسلم طلبہ کے کانوں میں پڑ گئی۔ ان سے ضبط نہ ہو سکا۔ حالانکہ یونیورسٹی پٹنہ کے بانکی پور ریلوے اسٹیشن سے خاصی دور تھی۔ وہ کسی نہ کسی طرح اسٹیشن پہنچ ہی گئے۔ جوں ہی گاڑی آکر رکی انہوں نے بے اختیار قائداعظمؒ زندہ باد' پاکستان زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ نعروں کے شور سے قائد کے سیکرٹری مطلوب الحسن سید کمپارٹمنٹ کے دروازے پر آئے اور ہاتھ کے اشارہ سے منع کیا۔ نعرے بند کرو۔ تم لوگ اتنا شور مچا رہے ہو' تمہیں خبر نہیں کہ قائد کی طبیعت خراب ہے۔ وہ آرام کر رہے ہیں۔ وہ ابھی ڈانٹ ڈپٹ کر ہی رہے تھے کہ ایک منچلے نے جو ذرا دور کھڑا تھا اور غالباً" ان کی بات سن نہیں رہا تھا پھر نعرہ لگایا۔ قائداعظمؒ سب نے بے اختیار کہا۔ زندہ باد۔ اس سے پہلے کہ سید صاحب مزید تنبیہ کرتے' قائداعظمؒ کے کوپے کی بتی جلی اور وہ نائٹ گاؤن میں دروازے کے سامنے آگئے۔ ان کو دیکھتے ہی اور جوش بڑھا۔ کئی سو طلباء کے ہجوم نے سمندر کی لہر کی طرح آگے بڑھنے کی کوشش کی تو کچھ دھکا پیل بھی ہوئی۔ قائداعظمؒ نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو گویا جیسے موج منجمد ہو گئی۔

"میں آپ کے جذبے کی قدر کرتا ہوں مگر میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔
آپ لوگ اپنے اپنے گھروں کو جائیں۔"

پٹنہ میڈیکل کالج کا ایک تھرڈ ائیر کا طالب علم منصور مسلم لیگ کا سرگرم رکن بڑے جوش میں تھا۔

منصور : سر! ہم تو آپ سے اجازت لینے آئے ہیں۔

قائداعظمؒ : کیسی اجازت؟

منصور : ہندو ہمیں طعنے دیتے ہیں کہ تم مسلمان آزادی کے لیے کچھ قربانی نہیں دیتے۔ آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم بھی کچھ کریں۔ ہندو طلبا انگریزوں کے خلاف اپنی جدوجہد پر بہت فخر کرتے ہیں اور ہمیں بزدلی کا طعنہ دیتے ہیں۔

قائداعظمؒ : (قدرے سنجیدگی سے) اگر قربانی دینے سے تمہاری مراد بے ہنگم اور بے کار لاقانونیت ہے تو اس چیز کو میں مسلمانوں کے لیے پسند نہیں کرتا۔ میں تم لوگوں کو ہندوؤں سے بہتر قوم بنانا چاہتا ہوں۔ تم لوگ قانون کا احترام کرنا سیکھو اور نظم و ضبط سے اپنے اندر قوت پیدا کرو۔

(موڈ بدلتے ہوئے)

ویسے لاقانونیت میں تم بھی کم نہیں ہو۔

تم کتنی دور سے یہاں آئے ہو؟

منصور : سر! یونیورسٹی پانچ چھ میل دور ہے۔ ہم میں سے بیشتر سائیکلوں پر آئے ہیں۔

قائداعظمؒ : تم میں سے وہ لوگ ہاتھ اٹھائیں جو سائیکلوں پر آئے ہیں۔

(مسکرا کر) خوب! اب وہ ہاتھ اٹھائیں جن کی سائیکلوں پر لیمپ ہیں۔

(صرف چند لڑکوں نے ہاتھ اٹھائے)

دیکھا! ان چار پانچ لڑکوں کے سوا باقی سب قانون ہی توڑ رہے ہیں۔

"دیکھو ہماری قوم کو ڈسپلن کی ضرورت ہے (زور دے کر) میں مسلمانوں کو ڈسپلن کی پابند قوم دیکھنا چاہتا ہوں۔ کوئی قوم نظم و ضبط کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔"

ڈاکٹر سید اظہر احمد جو اس موقع پر موجود تھے لکھتے ہیں:

"قائد نے یہ آخری فقرہ بہت زور دے کر کہا اور اپنی مختصر تقریر میں کانگریس کی توڑ پھوڑ کے طریق کار سے قطعاً" برأت ظاہر کی۔"

--○--

مخلص کارکن کام کرتے رہیں

قرارداد پاکستان منظور ہونے کے بعد جب تحریک پاکستان نے زور پکڑا اور مسلم لیگ ایک موثر تنظیم کے طور پر ابھرنے لگی تو بہت سے موقع پرستوں نے چولا بدلا اور مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے اور نہ صرف شامل ہوئے بلکہ بہت سے کلیدی عہدوں پر بھی قابض ہو گئے۔ یہ صورت حال لیگ کے مخلص کارکنوں کے لیے پریشان کن تھی۔ مسلم یونیورسٹی مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے ایک سرگرم کارکن جمیل الدین احمد کو اکثر خلوت و جلوت میں قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملتا رہتا تھا۔ ایک روز انہوں نے بڑے دکھ سے یہ مسئلہ چھیڑا۔

جمیل الدین : سر! جب سے کانگریسی وزارتیں مستعفی ہوئی ہیں اور مسلم لیگ کی قوت میں اضافہ ہوا ہے کچھ ایسے ابن الوقت عناصر مسلم لیگ میں شامل ہو رہے ہیں جو اس سے پہلے ہمارا مذاق اڑاتے تھے۔ ہندوؤں یا انگریزوں کا کاسہ لیسی کرتے ہیں اب وہ بڑے مسلم لیگی بنے پھرتے ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ وہ لیگ کے اہم عہدوں پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہونے لگے ہیں۔ کہیں وہ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کو سبوتاژ نہ کریں۔

قائداعظمؒ : بے لوث کارکنوں کو اس طرح کے عناصر کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ وہ خلوص دل سے تعمیری کام کرتے رہیں۔

مسلم لیگ ایک قومی ادارہ ہے۔ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ ہر مسلمان اس میں شامل ہو۔ اگر کسی خود غرض یا جاہ پسند کو ایک آدھ عہدہ دے دینے سے ہمارا کچھ کام نکلتا ہے' تعاون حاصل ہو جاتا ہے تو اس میں نقصان کیا ہے لیکن جو مخلص کارکن ہیں وہ مضبوطی سے اپنے پاؤں جمائے رکھیں اور اگر کوئی مفاد پرست ہماری تنظیم کو سبوتاژ کرنے کی جرات کرے تو وہ اس کو ناممکن بنا دیں۔

قائداعظمؒ کا یہ تبصرہ نقل کرتے ہوئے جمیل الدین احمد لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ اس صورت حال سے بے خبر نہیں تھے لیکن ان کا تناظر اور تھا۔ ان کا یہ فلسفہ زندگی کے اور مرحلوں میں بھی میرے کام آیا۔

(قائداعظمؒ میری نظر میں)



گھبراؤ نہیں، یہ خواص بھی ٹھیک ہو جائیں گے

1940ء کے بعد جب تحریک پاکستان نے زور پکڑا تو عام لوگوں، چھوٹے لوگوں اور ان پڑھ لوگوں کے جوش و خروش کی وجہ سے جلسے جلوسوں نے زور پکڑا۔ ہر جگہ یہی لوگ آگے ہوتے۔ تعلیم یافتہ لوگوں یا خواص کا بڑا حصہ تحریک سے دیر تک لاتعلق رہا یا نیم دلانہ رہا۔ علی گڑھ کے معروف لیگی کارکن جمیل الدین احمد نے ایک بار پھر یہ مسئلہ چھیڑا۔

جمیل الدین : سر! ہماری تحریک کو عام لوگوں کی اتنی پرجوش حمایت حاصل ہے لیکن تعلیم یافتہ یا ذہین طبقے کا رویہ آزادی کی جدوجہد میں بڑا نیم دلانہ ہے۔ حد یہ کہ تعلیم یافتہ نوجوان بھی وہ کچھ نہیں کر رہے جس کی ان سے توقع کی جا سکتی تھی۔

قائداعظمؒ : تم پریشان نہ ہو۔ خواص کا طبقہ یا ذہین طبقہ خواہ تھوڑا ست ہی کیوں نہ نظر آئے لیکن عوام اپنے جوش جذبے سے ایسی صورت پیدا کر دیں گے جس کے نتیجے میں ذہین طبقے کو کمربستہ ہو کر اس جدوجہد میں شریک ہونا پڑے گا۔

اس ضمن میں جمیل الدین احمد لکھتے ہیں "کچھ عرصہ کے بعد 1945-46ء کے انتخابات کے نتائج نے ثابت کر دیا کہ مسلم ____ خصوصاً نوجوان طلباء پر قائداعظمؒ کا اعتماد غلط نہیں تھا۔"



یہ نواب بھی لیگ کے کام آ رہے ہیں

کراچی میں سر عبداللہ ہارون کی کوٹھی پر قائداعظمؒ کے اعزاز میں ضیافت کا اہتمام تھا۔ مدعوین میں بیگم سلمیٰ تصدق حسین بھی شامل تھیں۔

سلمیٰ : سر! لوگ اکثر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے قائداعظمؒ نے ان سب نوابوں اور سروں کو کیوں مسلم لیگ میں جمع کر لیا ہے۔

قائداعظمؒ : (سلمیٰ تصدق کی طرف غور سے دیکھ کر) وہ سب تعلیم یافتہ اور اچھے لوگ ہیں۔ اور سب قوم کے مفادات کی خاطر کام کر رہے ہیں۔ جب میں نے مسلم لیگ کا چارج لیا تو ایک ٹائپ رائٹر کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان لوگوں نے ہمارے ساتھ بڑا تعاون کیا ہے اور اپنے وسائل سے مسلم عوام کی سیاسی تربیت کر رہے ہیں۔ ہمیں کام چاہیے۔ یہ نواب بھی لیگ کے کام آ رہے ہیں۔

اس گفتگو کو سلمیٰ تصدق حسین نے "قائداعظمؒ اور مسلم خواتین" میں صفحہ 32 پر نقل کیا۔



میں اس صورتحال سے بے خبر نہیں ہوں

کانگریسی وزارتیں ٹوٹنے اور 1940ء کی قرارداد پاکستان کے بعد مسلم لیگ کے وقار اور قوت میں بے انتہا اضافہ ہو گیا تھا۔ ایسے میں موقع پرستوں اور مفاد پرستوں کی بن آئی۔ وہ لوگ جو ایک عرصہ سے لیگ سے نہ صرف دور تھے بلکہ اس کے خلاف سازشوں اور ظاہر میں اور چھپا کر حریفانہ کارروائیوں میں مصروف تھے۔ اب انہوں نے ہوا کا جو رخ دیکھا تو فوراً چولا بدل لیا۔ قائداعظمؒ سے فروری 1941ء کی ایک ملاقات میں جمیل الدین احمد نے مسئلہ چھیڑا۔

جمیل : قرارداد پاکستان اور کانگریسی وزارتوں سے نجات کے بعد مسلم لیگ کو جو فروغ حاصل ہوا ہے جو نئی قوت ملی ہے اور جو وقار نصیب ہوا ہے وہ بہت خوش آئند ضرور ہے لیکن اس صورت حال سے کچھ مسائل بھی پیدا ہوئے ہیں وہ آپ کی نظر سے مخفی نہ ہوں گے۔

قائداعظمؒ : تمہارا اشارہ کس طرف ہے؟

جمیل : میرا اشارہ ان موقع پرستوں اور مفاد پرستوں کی طرف ہے جو اس سے پیشتر حالات کی کروٹ کا انتظار کر رہے تھے یا جو لیگ کے خلاف سازشیں کرنے اور اس کو پس پردہ نقصان پہنچانے سے باز نہیں آتے تھے۔ آج ان ہی میں سے خاصے لوگ نہ صرف لیگ میں گھس آئے ہیں بلکہ بعض اہم کلیدی عہدوں پر قابض ہونے میں بھی کامیاب ہو گئے ہیں۔ مجھ ایسے لوگ جنہوں نے لیگ میں کسی عہدے کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ انہیں پریشانی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان منافقوں سے لیگ کے استحکام کو نقصان پہنچے۔

قائداعظمؒ : میں اس صورت حال سے بے خبر نہیں ہوں لیکن میں کہوں گا کہ بے لوث کارکنوں کو اس عارضی مفاد کے بارے میں تردد نہیں کرنا چاہئے۔ وہ اپنی تمام تر توجہ ٹھوس تعمیری کام پر مرکوز رکھیں۔ مسٹر احمد! دیکھئے، مسلم لیگ ایک قومی تنظیم ہے۔ اس کا مقصد ایک ایک مسلمان کو لیگ میں لانا ہے۔ ان میں ہر طرح، ہر نیت کے لوگ ہیں۔ اگر ایک آدھ عہدہ یا سیٹ دے کر ہمیں کچھ تعاون مل

جائے' لیگ کا کوئی مقصد حاصل ہو جائے تو کیا برا ہے۔ لیگ کے مخلص کارکنوں کو اپنے اوپر اعتماد ہونا چاہیے۔ اتنا اور اس طرح کام کرنا چاہئے کہ کوئی منافق چاہے بھی تو نقصان نہ پہنچا سکے۔

جمیل الدین احمد اپنی کتاب قائداعظمؒ کی جھلکیاں میں یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ ایک قومی تحریک کی رہنمائی کر رہے تھے۔ انہیں انسانی نفسیات کا علم بھی تھا اور وہ اپنی قوم کو بھی جانتے تھے لیکن سب سے بڑی بات یہ کہ ان کا عزم صمیم تھا' حوصلہ بڑا تھا۔ وہ اس طرح کے مسائل سے ہراساں ہونے والے آدمی نہیں تھے۔ وہ بڑے عالی ظرف انسان تھے اور ان کی نظر افق کے اس پار تھی۔



ایک ووٹ بھی نہ خریدا جائے

1945-46ء کے تاریخی انتخابات میں حکیم محمد احسن اندرون سندھ مسلم لیگ کی انتخابی مہم کے انچارج تھے۔ قائداعظمؒ مہم کا جائزہ لینے کے لیے گاہ بگاہ سندھ جاتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ وہ اس سلسلے میں کراچی تشریف لائے تو کچہری روڈ پر چیف منسٹر کی کوٹھی میں حکیم محمد احسن حاضر ہوئے۔

قائداعظمؒ : الیکشن کی تیاری کیسی جا رہی ہے؟ پبلسٹی کی کیا صورت ہے؟

حکیم : سر! ہم لوگ تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ پبلسٹی بھی خوب ہو رہی ہے۔ مہم کے اخراجات کے لیے ہم نے جو رقم منظور کی تھی اسی کا چیک لینے حاضر ہوا ہوں۔

قائداعظمؒ : چیک تیار ہے' یہ لیجئے۔

حکیم : شکریہ سر!

قائداعظمؒ : (دروازے سے واپس بلاتے ہوئے) حکیم' ایک بات سنیئے۔

حکیم : سر!

قائداعظمؒ : یہ خیال رکھیے کہ الیکشن کی خواہ کوئی صورت ہو۔ ایک روپیہ بھی کسی ووٹ کو خریدنے میں نہ صرف کیا جائے۔ پبلسٹی' لاؤڈ سپیکر' جیپ' گاڑی' اشتہار جہاں جہاں ضرورت ہو ضرور خرچ کیجئے۔ لیکن ووٹ خریدنے کے بارے میں سوچنا بھی

نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر شخص اپنی رائے اور فہم کے مطابق ووٹ دے۔
میں اس امر کی یقین دہانی چاہتا ہوں کہ یہ روپیہ غلط استعمال نہیں ہو گا۔

حکیم محمد احسن جو بعد کو پاکستان بننے پر کراچی کے میئر منتخب ہوئے تھے اور جنہوں نے ماری پور کے ہوائی اڈہ پر کراچی کے پہلے شہری کی حیثیت سے سرزمین پاکستان پر قائد کا تاریخی استقبال کیا تھا' کہتے تھے کہ وہ اس معاملہ میں اتنے سنجیدہ تھے کہ مجھے باقاعدہ یقین دلانا پڑا کہ ایک پیسہ بھی ان کی منشا کے خلاف استعمال نہیں ہو گا۔ ووٹ کے تقدس پر ان کے ایمان کا یہ عالم تھا۔



گھبراؤ نہیں' تمہارا پاکستان بھی بننے والا ہے

1945ء میں صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خاں صاحب کی کانگریسی وزارت قائم تھی لیکن تحریک پاکستان کی مقبولیت میں اس حد تک اضافہ ہو چکا تھا کہ جب قائداعظمؒ سرحد مسلم لیگ کی دعوت پر سرحد کے دورے کے لیے پشاور پہنچے تو بقول صدر پشاور مسلم لیگ خان فدا محمد خان ان کا فقید المثال استقبال ہوا۔ یوں جیسے سارا صوبہ سرحد ان کے خیرمقدم کے لیے امنڈ آیا ہو۔ اسی دورے' 23 نومبر 1945ء میں قائداعظمؒ کے میزبان فدا حسین خان ان کے ساتھ تھے۔ ڈیورنڈ لائن کی لکیر کے اس پار ایک افغان سپاہی بندوق لیے کھڑا تھا۔ قائداعظمؒ جب اس سے ہاتھ ملانے کے لیے اس کی طرف بڑھنے لگے تو فدا محمد خان نے کہا۔

فدا : سر! افغان اپنی سرزمین کو خاک پاک کہتے ہیں۔

قائداعظمؒ : (پیچھے مڑ کر) گھبراتے کیوں ہو۔ تمہارا ملک بھی پاکستان بننے والا ہے۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد خان فدا محمد خان کہتے ہیں کہ قائد نے یہ الفاظ جس بے ساختگی سے اور جس بے تکلفی سے کہے اس سے کم از کم میرے دل میں کوئی شک نہیں رہا کہ پاکستان بن کر رہے گا۔ لیکن 1945ء کے حالات کے پس منظر میں جبکہ صوبہ میں کانگریس کی حکومت کی قائم تھی۔ حالات غیریقینی تھے۔ قائداعظمؒ کا یہ کہنا ان کے عزم صمیم کی ہی نہیں سیاسی فراست کی بھی دلیل ہے۔

یہ واقعہ خان فدا محمد خان کی ٹی وی تقریر بعنوان چشم دید سے ماخوذ ہے۔

(11 ستمبر 1983ء کی رات کو نشر ہوئی)



پاکستان کون چلائے گا؟

1945ء میں قائداعظمؒ سرحد کے دورے پر پشاور گئے تو اسلامیہ کالج پشاور کے طلباء سے بھی خطاب کیا۔ اس موقع پر ان کی خدمت میں سات ہزار کی ایک تھیلی بھی نذرانہ کے طور پر پیش کی گئی۔ تقریب کے بعد انہوں نے اپنے میزبان پشاور مسلم لیگ کے صدر خان فدا محمد خان سے کہا

قائداعظمؒ : یہ رقم بینک میں جمع کرانا چاہتا ہوں۔ آس پاس کوئی بینک ہے؟

فدا : جی ہاں! مال روڈ پر ایک بینک ہے۔ وہاں چلتے ہیں۔
قائداعظمؒ بینک میں رقم جمع کروا چکے تو یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : فدا! یہ پتہ کرو کہ اس بینک کے عملہ میں مسلمان کتنے ہیں؟

فدا : (تفتیش کے بعد) سرا ایک مسلمان ہے باقی سب غیرمسلم ہیں۔

قائداعظمؒ : صرف ایک؟

فدا : جی ہاں! ایک کلرک مسلمان ہے۔ یہ ہندوؤں کا بینک ہے۔

قائداعظمؒ : ٹھیک ہے' شکریہ!

یہ مکالمہ بیان کرنے کے بعد فدا محمد خاں لکھتے ہیں کہ بینک سے لوٹنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ قائداعظمؒ کا موڈ کچھ خراب ہو گیا ہے۔ بڑا شاندار جلوس نکلا تھا۔ جلسہ بھی حد درجہ کامیاب ہوا تھا۔ ایک کانگریسی منسٹر نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا تھا۔ سب معاملات ٹھیک جا رہے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ پھر کیا بات ہے جس سے قائد آزردہ ہیں۔ اس کا راز رات کو کھلا۔ رات کے کھانے پر لیگی زعماء سردار نشتر' سردار اورنگ زیب' میاں ضیاء الدین' خان عبدالقیوم خان سب موجود تھے تو انہوں نے سب کو جھاڑا۔

قائداعظمؒ : آج میں مال روڈ کے بینک میں گیا تو مجھے یہ معلوم کر کے بڑا افسوس ہوا کہ ہر جگہ بینک ایک ہندو کا ہے اور اس میں صرف ایک مسلمان ملازم ہے اور وہ بھی ایک کلرک۔ سوچیئے 97 فیصد مسلم آبادی کے صوبے کے ایک بینک میں 99 فیصد غیرمسلم عملہ ہے۔ سردار اورنگ زیب! آپ کی حکومت بھی سال دو سال یہاں رہی ہے۔ یہ آپ لوگوں نے کیا کیا ہے؟ پاکستان آپ بغیر بینکوں کے چلائیں گے؟
آپ کو قرارداد پاکستان کے ساتھ ہی ہوم ورک شروع کر دینا چاہیے تھا۔
میں یہ بتا دوں کہ پاکستان بہت جلد بننے والا ہے۔ اس کے لیے تیار ہو جایئے۔

--O--

تم نے ڈرائیور سے کیا کہا؟

1946ء کے تاریخی انتخابات کے سلسلہ میں قائداعظمؒ پشاور آئے تو کئی روز لیگ کے ٹکٹوں کی تقسیم کے سلسلہ میں خاصے مصروف رہے۔ ایک روز اپنے میزبان پشاور سٹی مسلم لیگ کے صدر خان فدا محمد خان کے ساتھ قائداعظمؒ طور خم' لنڈی کوتل گئے۔ دن وہیں گزارا' شام کی چائے وہیں پی۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ دیر اس پرسکون ماحول میں رہیں۔ اس لیے جب وہ لنڈی کوتل سے روانہ ہوئے تو اندھیرا ہونے لگا تھا۔ خان فدا محمد خان نے ڈرائیور سے پشتو میں کہا کہ گاڑی تیز چلاؤ۔

قائداعظمؒ : تم نے ڈرائیور سے کیا کہا؟

فدا : یہ کہ گاڑی تیز چلاؤ۔

قائداعظم : کیوں؟

فدا : ذرا دیر ہو گئی ہے۔

قائداعظمؒ : تمہارا مطلب ہے کہ کوئی خطرہ ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ پٹھان میرے ہیں۔ میں نے ان کی بڑی خدمت کی ہے۔ مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں۔ تم تسلی رکھو۔

فدا محمد خاں : شاید کچھ لوگ وہاں انتظار کر رہے ہوں۔

قائداعظمؒ : ان کا کیا ہے' جو امیدوار آتا ہے پہلے وہ میری تعریف کرتا ہے' اوپر خدا ہے نیچے تم ہو۔ پھر اپنی تعریف پر آتا ہے' میں نے یہ کیا وہ کیا۔ تم ان کی فکر نہ کرو اور مجھے کچھ دیر اور یہ آزاد ہوا کھانے دو۔

خان فدا محمد خان لکھتے ہیں کہ اس شام وہ تمام راستے پٹھانوں کی باتیں کرتے رہے اور یہ محض باتیں ہی نہیں تھیں' پرانی محبت کا ایک اظہار تھا۔ ان کے 1929ء کے چودہ نکات میں دوسرا یا تیسرا نکتہ سرحد اور بلوچستان میں اصلاحات ہی کے متعلق ہے۔

پاکستان بننے کے بعد اوائل 1948ء کے بعد جو تقریریں انہوں نے اسلامیہ کالج اور دوسرے مقامات پر سرحد میں کیں وہ پٹھانوں پر ان کے اعتماد کی غماز ہیں۔

(سالار کارواں' ص 104)



پیسے پیسے کا حساب

قائداعظمؒ بہت ہی محتاط طبیعت کے مالک تھے۔ عوام سے جو روپیہ انہیں وصول ہوتا تھا اس کا حساب دینے میں نہایت پابندی برتتے تھے۔ جب بھی انہوں نے مسلم لیگ کی طرف سے یا مصیبت زدہ مسلمانوں کی امداد کے لیے روپیہ کی درخواست کی تو مسلم عوام کی طرف سے اس کا بڑا حوصلہ افزا جواب ملا۔ 1946ء کی انتخابی مہم کے لیے ہر روز ڈاکیہ چھوٹی بڑی سب طرح کی رقموں کے منی آرڈر کثیر تعداد میں لایا کرتا تھا۔ قائداعظمؒ نے اپنے سیکرٹری کو حکم دے رکھا تھا کہ ساری رسیدیں خود ان کے دستخطوں کے لیے پیش کی جائیں اور پیسے پیسے کا باقاعدہ حساب رکھا جائے۔ چنانچہ رسید چار آنے کی ہو یا دس ہزار روپے کی' ان کے دستخطوں کیلئے پیش کی جاتی۔ اس طرح ان کا خاصا وقت ان چھوٹی چھوٹی رسیدوں پر دستخط کرنے میں صرف ہو جاتا۔ ایک روز ان کے سیکرٹری نے کہا۔

سیکرٹری : جناب! اس طرح چھوٹی بڑی رسیدوں پر دستخط کرنے میں آپ کا خاصا وقت صرف ہو جاتا ہے' اگر آپ رسیدوں پر دستخط کرنے کا کام کسی اور کے سپرد کر دیں تو کیا بہتر نہ ہو گا۔ حساب کا گوشوارہ آپ لکھ لیا کریں۔

قائداعظمؒ : ہرگز نہیں' رسیدوں پر مجھے خود دستخط کرنے چاہئیں۔ اس غریب شخص کے لیے جو مجھے چار آنے بھیجتا ہے۔ یہ رقم ایسی ہی ہو گی جتنی کہ دس ہزار یا بیس ہزار کے عطیئے کی۔ اس غریب آدمی کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ میں کسی رسید پر دستخط کرتا ہوں تو مجھے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اپنے پیش نظر مقصد کے لیے ہمیں ایک اور خیرخواہ مل گیا ہے۔ اس مسرت سے بڑھ کر مجھے قوم سے اور کیا انعام مل سکتا ہے۔ بہرصورت چند سو رسیدوں پر دستخط کرنے سے مجھے کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ عوام کی امداد و تائید سے لیگ کی اور میری قوت میں اضافہ ہو گا اور اپنی جدوجہد میں کامیاب ہونے کے لیے ہمیں اس کی ضرورت ہو گی۔



یہ پیسے بھی اہم ہیں

جب قائداعظمؒ نے اعلان کیا کہ تم مجھے چاندی کی گولیاں دو۔ میں تمہیں پاکستان دوں گا تو برصغیر کے طول و عرض میں ہر مسلمان نے ان کی آواز پر لبیک کہا۔ یہاں تک کہ اسکول کے بچوں نے ایک ایک روپے کے منی آرڈر بھیجے۔ قائداعظمؒ ایک ایک رسید پر اپنے ہاتھ سے دستخط کر رہے تھے۔

حنیف : یہ زحمت آپ کیوں کر رہے ہیں؟

قائداعظمؒ : یہ پیسے اہم ہیں چونکہ بچوں نے محبت سے جمع کر کے بھیجے ہیں۔ مسلمانوں کا لیڈر بننا بہت مشکل ہے۔ خاص کر پیسے کے معاملے میں مسلمان لیڈر کو احتیاط برتنی چاہیے کیونکہ ماضی میں بعض مسلمان لیڈر اسی وجہ سے بدنام ہوئے۔



دھوکہ تو میں نے کبھی اپنے حریف کو بھی نہیں دیا

قرارداد پاکستان کے عروج کے زمانہ کی بات ہے کہ حیدر آباد کے ایک مشہور صحافی سید بادشاہ حسین نے قائداعظمؒ کی ایک سوانح حیات' حیات' جناح کے نام سے مرتب کرنے کا ارادہ کیا اور کوشش کر کے تھوڑا بہت مواد بھی جمع کر لیا۔ پھر ملاقات کا وقت لیا اور کتاب کی تفصیلات بتائیں۔

قائداعظمؒ : سب سے پہلے تو بتاؤ کہ مقصد کیا ہے؟ کتاب لکھنا کیوں چاہتے ہو؟

بادشاہ : آپ چوٹی کے رہنماؤں میں سے ہیں۔ آپ کی اصول پرستی' آپ کا کردار' آپ کی قابلیت اور قومی کاموں میں انہاک ایسی چیزیں ہیں جن سے عام لوگوں کی بہت کچھ رہنمائی ہو سکتی ہے۔ وہ بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ اور اردو عوام کی زبان ہے۔ اس کے توسط سے آپ کے حالات و افکار عوام تک پہنچ سکتے ہیں۔

قائداعظمؒ : تم نے کہاں کہاں سے مواد جمع کیا ہے؟

بادشاہ : جو کچھ آپ پر چھپا ہے اس کو دیکھا ہے۔ کچھ مواد ان لوگوں سے حاصل کیا ہے جنہوں نے آپ کو قریب سے دیکھا ہے۔ اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ بھی کچھ مواد عطا فرمائیں۔

قائداعظمؒ کیا مطلب؟ میں اپنی سوانح حیات کے لیے خود تم کو مواد دوں؟ مجھے یہ طریقہ کار پسند نہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ تمہارے پاس سارا موزوں مواد جمع ہے تو لکھو اور اگر تم سمجھتے ہو کہ مواد ناکافی ہے تو نہ لکھو۔ اس کا فیصلہ تمہیں خود کرنا ہے۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

بادشاہ : میری خواہش تھی کہ مسودہ کے بعض اہم حصے آپ کو جستہ جستہ سناؤں۔

قائداعظمؒ : کیوں؟

بادشاہ : ہو سکتا ہے کہ بعض باتیں تصدیق طلب ہوں اور بعض مسائل وضاحت طلب۔

قائداعظمؒ : اگر ایسا ہو تو یہ تمہارے اپنے نقائص ہوں گے۔

بادشاہ : میں ان ہی کی تو تصحیح چاہتا ہوں۔

قائداعظمؒ : یہ کام نہ میرا ہے اور نہ مجھے اتنی فرصت۔ اگر تمہیں اپنے آپ پر بھروسہ نہیں ہے تو اس کا خیال چھوڑ دو۔

بادشاہ : بھروسہ تو ہے اور بھروسہ سے زیادہ تمنا ہے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایک چھوٹی سی دانستہ غلطی آپ کو ناراض نہ کر دے۔

قائداعظمؒ : میں ناراض کیوں ہوں گا تمہاری غلطی پر۔ میرے ناراض یا ناخوش ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ اپنی غلطیوں کے تم ہی پورے طور پر ذمہ دار ہو گے۔ میرا اس سے کیا واسطہ؟ تم بلاوجہ مجھے اپنے ساتھ شریک کرنے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے یہ طریقہ کار پسند نہیں۔

بادشاہ : پھر بھی کم از کم آپ مجھے ایک طویل ملاقات کا موقع ضرور دیں۔ اپنے اطمینان کے لیے میں بعض باتیں قدرے تفصیل سے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

قائداعظمؒ : مگر تم تو یہاں نہیں ہوتے اور میں بھی مستقل طور پر یہاں نہیں رہتا۔ کیا تم حیدر آباد سے یہاں اس کام کے لیے آنا پسند کرو گے۔

بادشاہ : میں ریڈیو کے کام کے سلسلہ میں ہر دوسرے مہینے بمبئی ضرور آتا ہوں۔ اگر آپ ان دنوں بمبئی میں ہوئے تو میں اجازت حاصل کر لیا کروں گا۔

قائداعظمؒ : اچھا، مگر پہلے سے وقت مقرر کر لینا ضروری ہو گا اور یہ بھی ذہن میں رکھو کہ میں اپنی سوانح حیات کے سلسلہ میں تمہیں کوئی وقت نہیں دوں گا بلکہ بعض امور پر تبادلہ خیال کے ضمن میں تم مجھے مل سکو گے۔

بادشاہ : شکریہ! مجھے یہ شرط منظور ہے۔

سید بادشاہ حسین یہ مکالمہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ دو مہینے کے بعد جب میں بمبئی گیا تو حسن اتفاق سے قائداعظمؒ بمبئی میں موجود تھے۔ وقت لیتے کچھ دقت ضرور پیش آئی مگر بہرحال کسی نہ کسی طرح کام ہو ہی گیا۔ چالیس منٹ ملاقات کے لیے ملے۔ میں نے بہت سی باتیں پوچھیں۔ انہوں

نے ہر سوال کا جواب کافی وضاحت کے ساتھ دیا اور ان کا انداز ہر وقت قائل معقول کرنے کا ہوتا تھا۔ اس گفتگو کے دوران انہوں نے مجھے بار بار یاد دلایا کہ اس کا مجوزہ سوانح حیات سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اس کے لیے میں تمہیں تیار کر رہا ہوں۔ اس کو بعینہ نقل کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا حوالہ بھی نہ دیا جائے۔

سید بادشاہ حسین مزید لکھتے ہیں:

"اس ملاقات کے بعد میں خوش خوش حیدر آباد واپس گیا اور چند باب بڑی عجلت میں لکھے۔ ایک جگہ اردو زبان اور مسلمانوں کی ثقافت کا تذکرہ آتا تھا۔ اس ضمن میں مجھے ایک عجیب سا خیال آیا۔

میں نے قائداعظمؒ کو لکھا کہ اگر آپ اردو زبان کی حمایت میں دو جملے اردو رسم الخط میں لکھ کر بھیج دیں تو بڑا کرم ہو گا۔ ان کا بلاک بنوا کر میں کتاب کے شروع میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ نہ صرف یہ بلکہ میں نے مزید اضافہ یہ کیا کہ مجوزہ جملے میں نے خود لکھ کر انہیں بھیجے اور استدعا کی کہ وہ انہیں کسی طرح نقل کر کے مجھے واپس بھیج دینے کی زحمت کریں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ تجویز ان کو اس درجہ ناگوار گزرے گی۔ اس کے جواب میں قائداعظمؒ کا جو پُرعتاب نامہ آیا وہ یہ تھا۔"

"تم مجھے نقل کرنے کی ترغیب دیتے ہو، ظاہرداری سکھاتے ہو، جھوٹ بولنے اور غلط باور کرانے کا ڈھونگ رچاتے ہو، مکروفریب دلوانا چاہتے ہو۔ میں ان چیزوں سے بہت دور ہوں۔ میں نے آپ کو دھوکا نہیں دیا۔ اپنے دوست احباب کو دھوکا نہیں دیا، قوم کو دھوکہ نہیں دیا۔ حتیٰ کہ اپنے کسی حریف کو بھی کبھی دھوکہ نہیں دیا۔ تم نے مجھے سمجھنے میں سخت غلطی کی اور جب تم نے مجھے سمجھا ہی نہیں تو میری سوانح حیات لکھنے کا ارادہ کیوں کیا۔"

اس واقعہ کے آخر میں سید بادشاہ حسین لکھتے ہیں کہ میں کیا کرتا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ میں نے بارہا معذرت کی، معافی چاہی۔ اپنی بے انتہا ندامت کا اظہار کیا۔ لیکن قائداعظمؒ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا اور اس طرح حیات جناح مکمل نہ ہو سکی۔ اس واقعہ کا جب بھی خیال آتا ہے تو ان کا یہ فقرہ ذہن میں گونج جاتا ہے ---- "میں نے تو کبھی اپنے حریف کو بھی دھوکہ نہیں دیا۔"

تو یہ تھے قائداعظمؒ۔

(قائداعظمؒ چند یادیں چند ملاقاتیں، ص 38)



انہیں معلوم ہے کہ جناح کیا ہے!

قیام پاکستان سے قبل قائداعظمؒ سرحد کے دورے پر تشریف لے گئے۔ سردار عبدالرب نشتر نے ان کا خیرمقدم کیا۔ سرحد کے چند سربرآوردہ علماء بھی دورے میں قائد کے پابہ رکاب رہے۔ ایک روز سردار نشتر نے برسبیل تذکرہ کہا۔

سردار نشتر : جناب اس علاقہ کے علماء بڑے سخت مسلمان ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی قیادت کے لیے ان کے چند اصول ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ ....

قائداعظمؒ : نشتر! آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں میں سمجھ گیا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ میں ان عُلماء کے معیار قیادت پر پورا نہیں اترتا۔ لیکن یہ پھر بھی مجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔ اس لیے کہ انہیں یقین ہے کہ جناح میں کوئی بھی خامی ہو لیکن وہ قوم کو کسی قیمت پر اور کسی بھی حالت میں فروخت نہیں کرے گا۔

(رضوان احمد، قائداعظمؒ چند یادیں چند ملاقاتیں، ص 121)



میں بھی آپ کی طرح کا انسان ہوں

مسلم لیگ کاؤنسل کی میٹنگ تھی۔ موضوع بحث وائسرائے کا دعوت نامہ تھا۔

قائداعظمؒ : سیاسی مذاکرات کے لیے جو برطانوی مشن آیا ہے اس میں شرکت کے لیے وائسرائے لارڈ لنلتھگو نے مجھے یہ دعوت نامہ بھیجا ہے۔ یہ میٹنگ میں نے اس لیے بلائی ہے کہ کونسل اس پر غور کرے۔

ایک ممبر : آپ ہم سے کیا پوچھتے ہیں۔ آپ کو بات چیت کا اختیار حاصل ہے۔

قائداعظمؒ : میں بھی آپ ہی کی طرح کا انسان ہوں۔ مجھے یوں ہی بات چیت کا اختیار نہ دیں۔ آپ لوگ اپنی رائے ظاہر کریں۔ پھر میں بھی اپنا نقطہ نظر بیان کروں گا۔



میرا خیال ہے کہ مجھے تمہاری مدد کرنی چاہیے

قیام پاکستان سے کچھ پہلے کا واقعہ ہے۔ الطاف حسین ایڈیٹر ڈان اور لیاقت علی خان 10 اورنگ زیب روڈ پر قائداعظمؒ کی کوٹھی پر ان کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے سیاسی مسائل پر گفتگو کر رہے تھے۔ وقت گزرنے کا انہیں خیال ہی نہ رہا اور آدھی رات ہو گئی۔ آتش دان کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی۔ سردی بڑھنے لگی۔ لیاقت علی خان کی طبیعت قدرے خراب تھی۔ انہیں سردی سے ہلکا سا بخار ہو گیا۔ اتنے میں اچانک دروازہ کھلا اور قائداعظمؒ گاؤن پہنے اندر آئے۔ ان کے ہاتھ میں وِکپورب کی شیشی تھی۔

قائداعظم : لیاقت! تم ابھی تک سوئے کیوں نہیں' اتنی رات ہو گئی ہے۔ تمہارے بخار کا کیا حال ہے؟ لو یہ شیشی لو۔ سونے سے پہلے یہ اپنے سینے اور کمر پر مل لینا۔ شب بخیر (اپنے کمرہ کے دروازہ سے واپس آکر)۔

تم اپنی کمر پر مالش کس طرح کرو گے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے تمہاری مدد کرنی چاہیے۔

لیاقت علی خان : نہیں نہیں' اس کی ضرورت نہیں۔

الطاف حسین : سر! آپ فکر نہ کریں۔ یہ خدمت میں انجام دوں گا۔

یہ واقعہ الطاف حسین کے حوالے سے قائداعظمؒ چند یادیں' چند ملاقاتیں میں شائع ہوا۔

اسی مضمون میں الطاف حسین لکھتے ہیں:

"میں ڈائریکٹر اطلاعات کے عہدہ پر کام کر رہا تھا کہ اوائل اپریل 1945ء کی ایک شام مجھے خواجہ ناظم الدین صاحب جو اس وقت کے وزیر تھے' کا ایک پیغام ملا کہ گھر آکر ملو' ایک ضروری کام ہے۔ جب میں ملاقات کے لیے گیا تو انہوں نے کہا۔ یہ اہم خط تمہارا ہے۔ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ یہ لیاقت علی خاں کا خط تھا جس میں مجھ سے (مسلم لیگ کے پہلے اخبار) ڈان کی ایڈیٹری قبول کرنے کو کہا گیا تھا۔ میرے لیے یہ بہت بڑی بات تھی۔ لیکن اس پیش کش کو قبول کرنے کا یہ مطلب تھا کہ میں معقول مشاہرہ کی محفوظ سرکاری ملازمت چھوڑ دوں۔ جبکہ پنشن پانے میں صرف تین سال باقی تھے۔ میرے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ چند روز بعد مجھے قائداعظمؒ کا خط ملا۔

"میں ایک مرتبہ پھر تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ڈان کے ایڈیٹر کی حیثیت سے تمہاری منفرد حیثیت ہو گی اور انسان صرف روٹی ہی سے نہیں جیتا۔"

ان الفاظ نے اس معاملہ کا تصفیہ کر دیا۔ چنانچہ اکتوبر 1945ء میں میں نے ڈان کی ادارت کی ذمہ

داریاں سنبھال لیں۔ اس کے بعد مجھے قائداعظمؒ کو اور قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

ڈان، مسلم لیگ کا اخبار تھا۔ بحیثیت مسلم لیگ کے صدر کے، قائداعظمؒ ڈان کے باس (حاکم) تھے۔ دنیا میں کسی اخبار کا باس ایسا نہیں ہو سکتا جو اپنے ایڈیٹر کو سب کچھ لکھنے کو آزاد چھوڑ دے۔ قائداعظمؒ نے مجھے کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ اس کے برعکس انہوں نے مجھے یہ ہدایت کی کہ میں ہر صورت حال کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کے متعلق ایمانداری کے ساتھ رائے قائم کروں اور اس پر بے خوفی سے لکھا کروں خواہ اس سے خود قائداعظمؒ ہی ناراض کیوں نہ ہو جائیں۔

(قائداعظمؒ چند یادیں، چند ملاقاتیں ص 81)



میرا محافظ میرا خدا ہے

وسط 1946ء میں جب قائداعظمؒ شملہ تشریف لے گئے تو بعض لیگی کارکنوں نے محسوس کیا کہ قائداعظمؒ کے لیے خصوصی حفاظتی انتظامات کی ضرورت ہے۔

کارکن : جناب! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ دشمن آپ کی جان کے در پے ہیں۔ اس لیے اجازت دیجئے کہ ضروری حفاظتی اقدامات کئے جائیں۔

قائداعظمؒ : **مجھے خدا** کی ذات پر بھروسہ ہے۔ خدا ہی سب سے بڑا محافظ اور چارہ ساز ہے۔ **آپ فکر مند نہ ہو۔**

کارکن : جناب آپ کی سلامتی قوم کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی حامی و ناصر ہے۔ لیکن اسی نے دشمن کے وار سے بچنے کے لیے حفاظتی تدابیر کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔

قائداعظمؒ : آپ مصر ہیں تو اسلامیہ کالج لاہور کے ان طلبہ کو بلایئے جنہوں نے اس سال جنوری میں لاہور میں میری حفاظت کا انتظام کیا تھا۔



کیا خدا وہاں نہیں؟

دہلی میں مسلم ورکنگ کمیٹی کا جلسہ امپیریل ہوٹل میں ہو رہا تھا۔ خاکساروں نے گڑ بڑ کی۔ سارا

ہنگامہ قائداعظمؒ کے خلاف تھا۔ لیکن سارے ہنگامے میں جوش شخص سب سے پرسکون رہا وہ خود قائداعظمؒ تھے۔ جب میٹنگ انتشار کا شکار ہو کر ختم ہو گئی تو وہ بڑے اطمینان سے تنہا باہر جانے لگے۔

آپ اس طرح باہر نہ جائیے۔ آپ کو کہیں کچھ ہو نہ جائے۔ ہم آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔

قائداعظمؒ : نہیں ! اس کی ضرورت نہیں (آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے) کیا وہ وہاں نہیں؟

(یہ واقعہ محمد علی جناح' معمار پاکستان میں خلیفہ ڈاکٹر عبدالحکیم نے نقل کیا' ص 51)



نہیں' تم اختلاف کرنے کے لیے آزاد ہو

6 جون 1946ء کو دہلی میں مسلم لیگ کاؤنسل میں کیبنٹ پلان پر غور ہونا تھا۔ قائداعظمؒ اور بہت سے اراکین اسے قبول کر لینے کے حق میں تھے۔ اس لیے خیال تھا کہ پلان کو لیگ کاؤنسل منظور کرے گی۔ لیکن سندھ سے کونسل کے رکن حاتم علوی کا خیال کچھ اور تھا۔ چنانچہ جب وہ کاؤنسل کے اجلاس میں دہلی پہنچے تو انہوں نے اپنے نقطہ نظر کا اظہار چند لوگوں سے کیا۔ شدہ شدہ یہ خبر قائداعظمؒ تک بھی پہنچی کہ حاتم علوی پلان کے حق میں نہیں۔ ہر چند کہ حاتم علوی کا شمار لیگ کے چوٹی کے رہنماؤں میں نہیں تھا اور ان کے اختلاف سے کاؤنسل کے فیصلہ پر کوئی اثر پڑنے کا امکان بھی نہیں تھا۔ پھر بھی انہوں نے حاتم علوی کو بلا بھیجا کہ پہلے ان سے تبادلہ خیالات کریں۔ ساڑھے دس بجے سے ساڑھے تین بجے سہ پہر تک قائداعظمؒ حاتم علوی سے پلان کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے رہے۔ ان کے نقطہ نظر کو سنا اور پلان کے حق میں تفصیل سے اپنے دلائل بھی دیئے۔ قائداعظمؒ کی صحت اور ان دنوں ان کی بے انتہا مصروفیت کے پیش نظر حاتم علوی نے اس عرصے میں کئی بار اٹھنا بھی چاہا مگر ہر بار انہوں نے اصرار سے گفتگو جاری رکھی۔

قائداعظمؒ : میں دیانت دارانہ اختلاف رائے کی قدر کرتا ہوں۔ اگر میں اپنے دلائل سے ایک مخلص کارکن کو قائل کر سکتا ہوں تو میں اسے توضیع اوقات نہیں سمجھتا۔

حاتم : سر! واقعہ یہ ہے کہ میں اب بھی قائل نہیں ہوا ہوں۔ مگر آپ کی رائے کے احترام میں میں کونسل کی میٹنگ میں پلان کی مخالفت نہیں کروں گا۔

قائداعظمؒ : نہیں نہیں تم پلان کے خلاف بولنے کے لیے بالکل آزاد ہو۔ کل کی میٹنگ میں میں تمہیں سب سے پہلے بولنے کے لیے بلاؤں گا۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حاتم علوی لکھتے ہیں :

"چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دوسرے دن مسلم لیگ کونسل میں میں نے مخالف گروپ کی رہنمائی کی۔ یہ اور بات ہے کہ جب رائے شماری ہوئی تو ہمیں صرف تین ووٹ ملے اور قرارداد اکثریت سے منظور ہو گئی۔ لیکن قائداعظمؒ نے نہ صرف اختلاف کی اجازت دی بلکہ اس کے اظہار پر اصرار بھی کیا۔"

(قائداعظمؒ اپنے معاصرین کی نظر میں' ص 65)



بغیر اقتصادی ترقی کے آزادی بے سود ہوگی

یہ جون 1946ء کا قصہ ہے کہ مرزا ابوالحسن اصفہانی دہلی میں 10 اورنگ زیب روڈ پر قائداعظمؒ کے ساتھ لنچ کر رہے تھے اور صوبائی اور ملکی سیاست زیر بحث تھی کہ یکایک قائداعظمؒ نے موضوع بدلا اور کہا :

قائداعظمؒ : مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ قوم ہونے کی باتیں کرنا اور ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ کرنا' ایسا وطن جہاں وہ اپنی صوابدید کے مطابق رہ سکیں اور اپنی تقدیر آپ بنا سکیں۔ سب ٹھیک ہے لیکن کیا تم نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ ایسے ملک ایسے وطن کا کیا ہو گا جس کو چلانے کے لیے موزوں افراد' مادی ذرائع اور معاشی ادارے موجود نہ ہوں۔ کیا تم نے کبھی اس طرف دھیان دیا ہے کہ ہندوستان میں ایک بھی ایسی ائیر لائن نہیں ہے جو مسلمانوں کی ہو یا جس کو مسلمان چلاتے ہوں۔

کیا تمہیں علم ہے کہ اس وقت ملک میں کتنے مسلمان پائلٹ اور مکینک ہیں۔اس طرح کے مادی ذرائع کے بغیر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اس طرح کی افرادی قوت اور وسائل ہر قوم کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔

اصفہانی سر! آپ جو فرما رہے ہیں' ہے تو صحیح۔

قائداعظمؒ (کھڑے ہو کر اور اپنے ہاتھ کے مخصوص انداز سے) صرف اس کو صحیح ماننے سے کیا حاصل، اٹھو اور کچھ کرو۔

اصفہانی : سر! ایک ایئر لائن کو شروع کرنا بہت بڑا پروجیکٹ ہے۔ اس کے لیے نہ صرف خاصے سرمائے کی ضرورت ہے بلکہ مفاد پرستوں خصوصاً ہندوؤں کی طرف سے اس کی شدید مخالفت ہو گی۔ اس کے کہ ایک ایسی کمپنی کو کام کرنے کی اجازت ملے جس کے مالک اور چلانے والے مسلمان ہوں۔

قائداعظمؒ : یہ ایک قومی ضرورت ہے، ایک اہم قومی کام ہے، تو پھر انتظار کس بات کا۔ اللہ کا نام لے کر شروع کر دیں۔ رہی بات سرمائے کی تو میں ایک "غریب" آدمی بھی اس کے حصے خریدوں گا۔ صرف اس امر کی تصدیق کے لیے کہ اس پروجیکٹ کو میری تائید حاصل ہے اور مادی تعاون بھی۔ آپ اس مسئلہ پر سر آدم جی اور اپنے بھائی (مرزا احمد اصفہانی) سے بات کریں اور ایک ائیر لائن کو رجسٹر کرانے کے کام میں لگ جائیں۔ قائداعظمؒ سے اپنی گفتگو نقل کرنے کے بعد مرزا ابوالحسن اصفہانی لکھتے ہیں۔

اس طرح قائداعظمؒ کے ایما پر مسلمانوں کے پہلے اجتماعی اقتصادی ادارے اورینٹ ائیرویز نے، گو ہزار دقتوں اور مخالفتوں کے بعد، جنم لیا جس نے پاکستان بنتے وقت اہم قومی خدمات انجام دیں۔ اورینٹ ائیرویز پی آئی اے کی پیش رو تھی۔ اس ضمن میں مرزا اصفہانی لکھتے ہیں:

"اس موضوع پر کم لکھا گیا ہے کہ قائداعظمؒ نے پاکستان ہی نہیں بنایا بلکہ اس کے لیے ضروری معاشی، اقتصادی، تجارتی ادارے بھی بنائے۔ مسلم چیمبرز آف کامرس، مسلم کمرشل بینک اور محمدی سٹیم شپ کمپنی جیسے ادارے انہی کے اشارے بلکہ اصرار سے قائم ہوئے۔"

قائداعظمؒ فرمایا کرتے تھے:

"بغیر اقتصادی ترقی کے آزادی بے سود ہوگی۔ اس کے بغیر ہم آزادی سے کماحقہ استفادہ نہیں کر سکتے۔"



پاکستان ہی ہماری دعاؤں کا حاصل ہے

تحریک پاکستان آخری مراحل میں تھی۔ گو ابھی کامیابی یقینی نہیں ہوئی تھی۔ قائداعظمؒ، رانا نصراللہ

خان اور دوسرے سیاسی کارکنوں کے ساتھ شاہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے گئے۔ گرمی کی وجہ سے مسجد کے صحن کا فرش خاصا گرم ہو چکا تھا۔ قائداعظمؒ ننگے پاؤں چلنے میں تکلیف محسوس کر رہے تھے۔ اس لیے ذرا آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ دوسرے ساتھی بھی پاس ادب سے ان کے پیچھے آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہے تھے۔ جب مسجد کے وسیع و عریض صحن کا بڑا حصہ طے ہو گیا تو وہ یکایک مڑے اور کہا۔

قائداعظمؒ : رانا صاحب! فرش خاصا گرم ہے۔

رانا : جی ہاں۔

قائداعظمؒ : آپ لوگوں کے پاؤں بھی میری وجہ سے جلے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے۔ ہماری دعاؤں کا حاصل پاکستان ہے۔ ہمیں صرف پاکستان چاہیے۔ آپ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے کوئی اور دعا نہ مانگیں۔



نعرہ تکبیر کے بعد کسی نعرہ کی ضرورت ہے نہ گنجائش

جولائی 1946ء میں قائداعظمؒ مجلس اتحاد المسلمین کے صدر مولانا مظہر علی کامل کی دعوت پر حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔ 12 جولائی 1946ء کو آپ نے حیدر آباد کی وسیع و عریض مکہ مسجد میں نماز جمعہ ادا کی۔ قائداعظمؒ کی موجودگی کی وجہ سے نمازیوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ صفیں سڑک پر چار مینار تک پھیلی ہوئی تھیں' جیسے سارا شہر وہاں نماز پڑھنے سمٹ آیا ہو۔ اس مجمع میں مولوی بادشاہ اور مولی ولی اللہ جیسے بہت سے علماء اور مشائخ بھی شامل تھے۔ نماز کے بعد قائداعظمؒ کو مسجد کے صحن سے منبر تک پہنچایا گیا اور ان پر پھول برسائے گئے۔ اس دوران پرجوش حاضرین مختلف نعرے لگاتے رہے۔ مسجد سے واپسی پر مولانا مظہر علی کامل سے قائداعظمؒ کی یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : مولانا صاحب! مسجد میں یہ جو عثمان علی خاں زندہ باد اور قائداعظمؒ زندہ باد کے نعرے لگائے جا رہے تھے' آپ نے سنے ہوں گے؟

مولانا : جی ہاں' عوام و خواص ان نعروں سے اپنے جوش و ولولہ کا اظہار کر رہے تھے۔

قائداعظمؒ : مجھے جوش و ولولہ پر اعتراض نہیں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ نعرہ تکبیر' اللہ اکبر کے بعد ان نعروں کی کوئی ضرورت ہے نہ گنجائش۔
قوم کو ان نعروں سے ہٹائیے۔ لیکن ایک دم نہیں' بتدریج!

قائداعظمؒ کے اصل الفاظ جو انہوں نے زور دے کر ادا کیے تھے' یہ تھے:

"Not at once ...."



خطبہ عربی میں ہو یا اردو میں

اس موقع پر جمعہ کا روایتی خطبہ' مسجد کے خطیب مولانا ابراہیم رشید مکی نے دستور کے مطابق عربی زبان میں دیا تھا۔ اس وقت تو قائداعظمؒ خطبہ کو عقیدت سے سنتے رہے۔ بعد کو اس سلسلہ میں انہوں نے مولانا مظہر علی کامل سے یوں اظہار خیال کیا۔

قائداعظمؒ : مولانا صاحب! آج مسجد میں کتنے نمازی ہوں گے؟

مولانا : جناب والا! کوئی حد وشمار نہیں۔ اتنا بڑا مجمع اس مسجد میں اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

قائداعظمؒ : اب یہ فرمایئے کہ عربی کا یہ خطبہ اتنے بڑے مجمع میں کتنے آدمیوں نے سمجھا ہو گا۔

مولانا : یقیناً بہت تھوڑے آدمیوں نے۔

قائداعظمؒ : آپ خود عالم ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ جمعہ کے خطبہ کی اصل غرض و غایت کیا ہے؟

مولانا : اس کی ایک تاریخ ہے۔ صدر اسلام میں جمعہ کے خطبہ کی نوعیت ایک ہفتہ وار رپورٹ یا جائزے اور لائحہ عمل کی ہوتی تھی جو امیر وقت قوم کے سامنے رکھتا تھا۔ بعد کے ادوار میں اس کی حیثیت ایک وعظ کی سی رہ گئی۔

قائداعظمؒ : کیا ہی اچھا ہوتا کہ آج یہ خطبہ اردو میں دیا جاتا یا کم از کم ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ ہی کر دیا جاتا تاکہ لوگ اسے اچھی طرح سمجھ سکتے اور اس کی مقصدیت ختم نہ ہو جاتی۔

میرا خیال ہے کہ علماء کی ایک جماعت ترتیب دی جانی چاہیے جو اس مسئلہ پر تحقیق کرے۔ ہم پاکستان حاصل کرنے کی جدوجہد اس لیے کر رہے ہیں تاکہ اسلام کے اصولوں کو بروئے کار لایا جا سکے۔

--○--

قائداعظمی کہاں اور میں کہاں؟

جولائی 1946ء میں حیدر آباد دکن کے اسی قیام کے دوران ایک نجی تقریب میں قائداعظمؒ کی خدمت میں مسلم لیگ کے لیے چندہ کی ایک معقول رقم پیش کی گئی۔ اس موقع پر مشہور' معروف' محقق عالم اور صوفی بزرگ مولانا مناظراحسن گیلانی نے ایک مختصر مگر موثر تقریر کی جس میں لفظ قائداعظمؒ بار بار آیا۔ قائداعظمؒ کی عادت تھی کہ اگر کوئی بات ان کی منشاء کے خلاف ہوتی تو وہ اپنے سگار کی راکھ بار بار جھاڑتے تھے۔ مولانا گیلانی کی تقریر کے دوران بھی قائداعظمؒ نے کئی بار اپنے سگار کا گل گرایا۔ جو مزاج داں اس اشارے کو سمجھتے تھے۔ حیران و پریشان ہوئے کہ علم و فضل اور رشد و ہدایت کے اس بحر بے کراں مولانا گیلانی کے اس پرخلوص اور بے ساختہ اظہار عقیدت میں کون سی ایسی چیز تھی جس سے قائداعظمؒ نے اتفاق نہیں کیا۔ بہرحال تقریب کے آخر میں مجلس اتحاد المسلمین کے صدر مولانا مظہر علی کھڑے ہوئے۔

مولانا : اب میں حضرت قائداعظمؒ سے درخواست کروں گا کہ وہ کچھ ارشاد فرمائیں۔

قائداعظمؒ : (تمہیدی باتوں کے بعد) گرامی قدر مولانا صاحب نے اپنی تقریر میں بار بار میرے لیے قائداعظمؒ کا لفظ استعمال کیا۔ قائداعظمی کا رتبہ اور منصب بہت بلند ہے۔ میں تو ایک طرح کا وکیل ہوں۔ جس طرح اور مقدمات لڑتا ہوں۔ اسی طرح لیگ کا مقدمہ بھی لڑ رہا ہوں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے میری کامیابی کی دعا فرمائیں۔

اپنے والد' مولانا مظہر علی کے حوالے سے اس واقعہ کے راوی ڈاکٹر سلجوقی لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کے ان انکساری مگر اخلاص سے بھرپور الفاظ کا مولانا گیلانی پر عجب اثر ہوا۔ شدت جذبات سے انہوں نے قائداعظمؒ کا ہاتھ تھام لیا اور ان پر رقت طاری ہو گئی۔ قائداعظمؒ نے یہ دیکھا تو بڑے سکون سے مولانا کی پشت کو تھپتھپایا اور فرمایا :

"مولانا' آپ بزرگ ہیں' روئیے نہیں' میرے لیے دعا کیجئے۔"

اس واقعہ کی اہمیت کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو علم و فضل اور رشد و ہدایت کی دنیا میں مولانا گیلانی کے مرتبہ سے تھوڑے بہت واقف ہوں۔



بیس برس کی خدمت کے بعد کانگریس چھوڑنے کا فیصلہ

1946ء کے اواخر میں چند مسلمان فوجی افسر قائداعظمؒ سے ملنے دہلی میں اورنگ زیب روڈ پر ان کی کوٹھی پر گئے۔ ہرچند کہ ملاقات کا وقت پہلے سے مقرر نہیں تھا۔ قائداعظمؒ نے ان کا ذوق و شوق دیکھتے ہوئے ان کو کچھ وقت دینا منظور کر لیا۔ یہ ملاقات صبح کے ناشتہ کے بعد شروع ہوئی۔ ملاقاتیوں میں ایک پرجوش بنگالی افسر بھی شامل تھا۔

سینئر فوجی افسر : جناب والا ! اس کٹھن مرحلہ میں پوری قوم آپ کے ساتھ ہے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا ہمیں آپ کی اطاعت کی توفیق دے۔

قائداعظمؒ : میں نے بیس برس تک کانگریس کی خدمت کی ہے۔ کانگریس سے اس وقت تک میں الگ نہیں ہوا جب تک مجھے یقین نہیں ہو گیا کہ اکھنڈ بھارت میں مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہیں۔ مجھ پر مسلمانوں نے اعتماد کیا ہے۔ میں ان کو کبھی مایوس نہیں کروں گا۔

میں نے آپ کو آزادی کے دروازے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ اسے آباد کریں یا برباد کریں۔

میری قوم میں کثرت سے غدار اور مفاد پرست ہیں۔ میرے پاس کوئی تعزیری کیمپ نہیں کہ ان کو بند کر سکوں۔ میری ساری طاقت آپ عام لوگ ہیں۔ اگر آپ لوگ میرے ساتھ ہیں تو میں طاقتور ہوں۔

اس کے بعد قائداعظمؒ نے فرداً فرداً ہر ملاقاتی افسر سے اس کی یونٹ کا نام پوچھا۔ جب بنگالی افسر کی باری آئی تو اس نے بڑے جوشیلے انداز سے کہا۔

بنگالی افسر : جناب ہم بندوق بھی چلا سکتے ہیں۔

قائداعظمؒ : (کچھ سوچتے ہوئے قدرے تفکر کے انداز میں) سخت مجبوری کے بغیر ہم کسی پر تشدد نہیں کریں گے۔



کیا تم روزے سے ہو؟

اگست 1946ء میں سندھ میں پارلیمانی تعطل کو دور کرنے کے لیے تازہ الیکشن ہونے والے تھے۔ قائداعظمؒ سندھ مسلم لیگ کی انتخابی سرگرمیوں کی رہنمائی کے لیے خود کراچی آئے۔ یہ روزوں کے دن

تھے۔ اس زمانے میں حاتم علوی تقریباً ہر روز ان سے ملنے آتے تھے اور دیر تک بیٹھتے تھے۔

قائداعظمؒ : علوی! کیا تم روزے سے ہو؟

حاتم : جی ہاں سر!

قائداعظمؒ : میں بھی سن شعور سے روزے رکھتا رہا ہوں۔ لیکن اب صحت کمزور ہے۔ اس وجہ سے نہیں رکھ سکتا۔

(قائداعظمؒ اپنے معاصرین کی نظر میں' ص 65)



آنسوؤں سے بھیگا چہرہ

نومبر 1946ء میں بہار میں حد درجہ خوفناک ہندو مسلم فسادات ہوئے تھے۔ منظم اور مسلح ہندو غنڈوں نے پورے پورے دیہات کا صفایا کر دیا تھا۔ نہ صرف صفایا کیا تھا بلکہ بے دردی' سفاکی اور وحشیانہ انداز سے قتل و غارت گری کے قصے بھی عام تھے۔ یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ بعض جگہ مسلمان عورتوں کو بے آبرو کر کے بے دردی سے قتل کیا گیا تھا۔ ان کی لاشوں سے کنویں پٹ گئے تھے۔ اس طرح کے واقعات بھی رپورٹ ہوئے تھے کہ دودھ پیتے بچوں کو ٹانگ پر رکھ کر چیر کے پھینک دیا گیا تھا۔ یہ سب خبریں اخبارات کے ذریعے سے اور دوسرے ذرائع سے قائداعظمؒ تک پہنچ رہی تھیں۔ اور وہ حد درجہ دل گرفتہ اور افسردہ تھے۔ ان ہی دنوں سات نومبر کو عیدالاضحی آگئی۔ دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح الطاف حسین ایڈیٹر ڈان بھی قائداعظمؒ کو عید کی مبارک دینے 10 اورنگ زیب روڈ پر ان کی کوٹھی پر گئے۔ وہاں قائداعظمؒ ایک شامیانے کے نیچے بیٹھے تھے۔ گو ملاقاتیوں کا ہجوم تھا لیکن ان کی دل گرفتگی بالکل واضح تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ اٹھے اور الطاف حسین کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ قائداعظمؒ مطالعہ کے کمرہ میں گہرے سبز رنگ کے چمڑے سے مزین اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھے اور الطاف حسین کو اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

قائداعظمؒ : الطاف! بہار کی تازہ ترین صورت حال کیا ہے؟

الطاف : سر! اسی طرح کی بری خبریں آرہی ہیں۔

قائداعظمؒ : جو کچھ پچھلے دنوں اخبارات میں آیا ہے وہ بھی کم نہیں ہے۔ مسلمانوں پر ناقابل یقین ظلم ہوا ہے' وہ عورتوں کی بے آبروئی' وہ بچوں کا وحشیانہ قتل۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد الطاف حسین لکھتے ہیں:

"اتنا کہہ کر وہ ایک دم چپ ہو گئے۔ میں نے جو سر اٹھا کر دیکھا تو ان کا چہرہ آنسوؤں

سے تر تھا۔ میں بھی اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا۔"

کچھ دیر کمرہ میں خاموشی رہی۔ پھر وہ اٹھے' آنسوؤں کو خشک کیا اور پھر شامیانہ کے نیچے آگئے۔ یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ جب میں چلنے لگا تو انہوں نے کہا:

"الطاف! دلی کے مسلمان آج شام جو عید کا استقبالیہ دے رہے ہیں اس میں ضرور شرکت کرنا۔"

اس روز کے اجتماع میں قائداعظمؒ نے فرمایا:

"تم نے کیا کیا ہے؟ تمہارے لیڈر کیا کر رہے ہیں؟ تمہیں اپنا بچاؤ کرنا چاہیئے۔ تمہارے ہاتھ ہیں۔ تم میں طاقت ہے۔ دشمن کو اپنے اوپر حملہ کرنے کی اجازت مت دو۔"

قائداعظمؒ کی ہدایت بہت واضح تھی اور اس نتیجہ پر پہنچنے کے لیے بہار کے دل دوز واقعات کا بڑا دخل تھا۔

(چند یادیں چند ملاقاتیں' ص 73)



خورشید کہاں ہیں؟

30 نومبر 1946ء کو قائداعظمؒ لیاقت علی خاں اور دوسرے سٹاف کے ساتھ برطانوی حکومت سے مذاکرات کے لیے لندن کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں قاہرہ (مصر) میں ایک آدھ دن کے لیے رکے۔ ان کا بیشتر وقت تو مصری لیڈروں اور مفتی فلسطین وغیرہ سے ملاقاتوں میں گزرا۔ کھانے کا وقت ہوا تو انہیں اپنے سٹاف کی فکر ہوئی۔

قائداعظمؒ : خورشید کہاں ہیں؟

ممتاز : سر! ان کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ وہ اپنے کمرہ میں ہیں۔

قائداعظمؒ : کیا ہوا؟

ممتاز : کوئی معمولی سی شکایت ہے۔

اس واقعہ کے راوی ممتاز حسن لکھتے ہیں:

"یہ سن کر قائداعظمؒ خود اپنے کمرے سے اٹھ کر' کے ایچ خورشید کے کمرہ میں مزاج پرسی کے لیے گئے۔ ممتاز حسن مزید لکھتے ہیں کہ کراچی سے روانہ ہوتے وقت انہوں نے اپنے سٹاف سے لندن کی شدید سردی کا انتظام کرنے کو کہا تھا۔ جب انہیں معلوم

ہوا کہ خورشید صاحب کے پاس موزوں گرم کپڑے نہیں ہیں توانہوں نے انہیں اپنا ایک نفیس گرم کوٹ عطا کیا۔"

(قائداعظمؒ میری نظر میں' ص 108)



مجھے افسوس ہے کہ اس دن میں دعوت میں شریک نہ ہو سکوں گا

1946ء کے اواخر میں قائداعظمؒ جب دوسرے لیڈروں کے ساتھ برطانوی حکومت کے سیاسی مذاکرات کے لیے لندن پرواز کر رہے تھے تو دوران پرواز انہیں لندن کی مصروفیات کا جو پروگرام دیا گیا اس میں ان کے اعزاز میں ایک شاہی لنچ کا ذکر بھی تھا۔ مسلم لیگی وفد کے سیکرٹری ممتاز حسن نے نوٹ کیا کہ لنچ عاشورے کے دن ہے۔ انہوں نے اس امر کو قائد کے علم میں لانا ضروری سمجھا۔

ممتاز : سر! پروگرام میں جس دن شاہی محل میں لنچ ہے اس دن تو محرم کی دس تاریخ پڑتی ہے۔

قائداعظمؒ : میں ابھی بات کرتا ہوں۔

(لارڈ ویول سے مخاطب ہو کر جو ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے)

"مجھے افسوس ہے کہ عاشورے کی وجہ سے میں اس دن شاہی لنچ میں شریک نہ ہو سکوں گا۔"

اس واقعہ کے شاہد ممتاز حسن لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ سفر کے دوران کا ہے۔ لارڈ ویول نے فوراً لندن تار دیا اور ہمارے لندن پہنچنے سے پہلے تاریخ بدلی جا چکی تھی۔

(قائداعظمؒ میری نظر میں' ص 107)



اگر شاہ سے نارمل طریقے سے ملاقات نہیں ہو سکتی تو نہ سہی

1946ء میں لندن کانفرنس سے واپسی پر قائداعظمؒ نے قاہرہ میں عرب لیگ کے مہمان کی حیثیت

سے چند دن قیام کیا۔ پروٹوکول کے تحت وہ شاہ فاروق کے محل میں ملاقاتیوں کے رجسٹر میں دستخط کر آئے اور بس۔ ادھر خود شاہ ان سے ملاقات کے متمنی تھے۔ لیکن ملاقات کے آداب کچھ اس قسم کے تھے جو شاید قائداعظمؒ پسند نہ فرماتے۔ اس لیے اہل دربار نے اس کا ایک حل سوچا اور قائداعظمؒ کے سیکرٹری کے ایچ خورشید سے رابطہ کیا۔ خورشید صاحب نے قائد سے رجوع کیا۔

خورشید : شاہ فاروق کے وزیر وزراء چاہتے ہیں کہ آپ کی ملاقات شاہ سے ہو' خود شاہ بھی خواہش مند ہیں۔ لیکن ملاقات کے پروٹوکول کے کھڑاک سے بچنے کی راہ انہوں نے یہ نکالی ہے کہ آپ جب جمعہ کی نماز کے لیے جائیں تو شاہ فاروق کے پاس تشریف فرما ہوں۔ نماز کے بعد آپ ان سے مصافحہ کریں۔ اس طرح علیک سلیک شروع ہو جائے گی۔ پھر شاہ کے ساتھ ہی آپ کو محل پہنچانے کا اہتمام کیا جائے گا۔

قائداعظمؒ : یہ اہتمام مجھے قطعاً منظور نہیں۔ اگر شاہ مجھ سے نارمل طریقے سے نہیں مل سکتے تو نہ سہی۔

اس واقعہ کے شاہد قائداعظمؒ کے سیکرٹری کے ایچ خورشید لکھتے ہیں کہ آخر شاہ فاروق کو خود ہی تمام تکلفات کو بالائے طاق رکھ کر قائداعظمؒ کو ملاقات کے لیے دعوت نامہ بھجوانا پڑا۔



میری اصل طاقت یہ عام لوگ ہیں

دسمبر 1946ء میں قائداعظمؒ لیاقت علی خاں کے ساتھ برطانوی کابینہ سے مذاکرات کے سلسلہ میں لندن گئے تھے۔ زیڈ اے سلہری تحریک پاکستان کی تشہیر کے سلسلہ میں پہلے سے لندن میں موجود تھے اور اس موقع پر قائداعظمؒ کے پریس سیکرٹری کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ایک جمعہ کو وہ ایسٹ لندن کی ایک مسجد میں نماز جمعہ کے لیے گئے۔ لیاقت علی خان کار میں ان کے ساتھ کی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ کار میں ایک چھوٹی سی سیٹ قائداعظمؒ کی سیٹ کے آگے تھی۔ زیڈ اے سلہری نے اس کو کھولنے کی کوشش کی' جو دور ہونے کی وجہ سے نہ کھول سکے۔ یہ دیکھ کر قائداعظمؒ خود آگے کو جھکے اور ہاتھ بڑھا کر سیٹ کا تسمہ کھول دیا۔ جب سلہری بیٹھ گئے اور گاڑی ذرا آگے چلی تو یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : سلہری! تم نے ایسٹ اینڈ کی اس مسجد میں جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کی کیا خصوصیت ہے؟

سلہری : یہ وہ مسجد ہے جہاں لندن بھر کے مسلمان جمعہ کی نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں اور یہ مزدور' چھوٹے موٹے کاروباری یا دوسرے لفظوں میں عام لوگ ہوتے ہیں۔

قائداعظمؒ : ہاں یہ عام لوگ Common People ہی میری طاقت کا اصل سرچشمہ ہیں۔ اگر میں صرف چوٹی کے آدمیوں پر ہی انحصار کرتا تو میں کہیں کا نہ رہتا۔ جب میں ان آدمیوں کو دیکھتا ہوں اور ان کے جوش و خروش پر نظر جاتی ہے تو میں اپنے آپ کو توانا اور مضبوط محسوس کرتا ہوں۔

یہ مکالمہ بیان کرتے ہوئے زیڈ اے سلہری مزید لکھتے ہیں:

"جب ہم مسجد پہنچے تو خطبہ شروع ہو چکا تھا۔ قائداعظمؒ آخری صف میں بیٹھے اور بڑے روایتی انداز میں سر جھکا کر خطبہ سنا۔ میں نماز میں ان کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ خاصا اہتمام کر رہے تھے کہ کہیں سجدہ میں جاتے ہوئے ان کی ٹوپی سر سے گر نہ جائے۔ نماز کے بعد لوگ ان کے اردگرد جمع ہو گئے۔ انہوں نے ہر ایک سے فرداً" فرداً" مصافحہ کیا۔ جب چلنے لگے تو ایک صاحب جلدی سے جھکے تاکہ ان کے جوتوں کے تسمے باندھیں لیکن انہوں نے اس کی اجازت نہیں دی۔"



خوئے دل نوازی

1946ء کے اواخر میں قائداعظمؒ لیاقت علی خان کے ساتھ برطانوی حکومت سے مذاکرات کے لیے لندن گئے تو مس فاطمہ جناح کراچی میں بیگم غلام حسین ہدایت اللہ' چیف منسٹر سندھ کے ہاں فروکش ہوئیں۔ لندن سے واپسی پر قائد ان کے ہاں گئے تو ان کے ہاتھ میں بیگم ہدایت اللہ کے لیے ایک تحفہ بھی تھا۔

قائداعظمؒ : بیگم صاحبہ! ہرچند کہ یہ بیگ آپ کے شایان شان نہیں لیکن مجھے پسند آیا تو آپ کے لیے لے آیا۔ قبول کیجئے۔

بیگم ہدایت اللہ: سر! شایان شان کیا۔ آپ کا تحفہ سر آنکھوں پر' یہ بہت بڑی عزت افزائی ہے۔ اس سے بڑھ کر خوشی ہمارے لیے اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ نے ہمیں لندن کی مصروفیات میں بھی یاد رکھا۔

بیگم سر غلام حسین ہدایت اللہ اپنے انٹرویو میں کہتی ہیں کہ اکثر ہمارے ہاں قیام کرتے تھے اور بہت ہی مہربان تھے۔ ان کا دیا ہوا چمڑے کا بیگ آج بھی ایک قیمتی متاع کے طور پر میرے پاس محفوظ

ہے۔ اسی انٹرویو میں بیگم ہدایت اللہ نے ایک اور واقعہ بھی بیان کیا کہ ایک بار وہ بلوچستان سے واپس آئے تو لنچ پر روایتی بلوچی لباس زیب تن کر کے آئے۔ انہیں بلوچی لباس میں دیکھ کر ہمیں بہت حیرت اور خوشی ہوئی۔ ہم نے کہا سر! آپ بالکل بلوچ لگ رہے ہیں۔ ہماری حیرت اور خوشی کو دیکھ کر وہ محظوظ ہوئے اور کہا دیکھئے آپ کو بلوچستان کی ایک سوغات دکھاتا ہوں۔ اپنے کمرے میں گئے اور وہاں سے چاندی کے دو بڑے بڑے گولے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے لائے۔ پھر ایک گولے کو برآمدہ کے فرش پر لڑھکایا۔ وہ لڑھکتا ہوا دور تک گیا اور دیوار سے ٹکرایا۔ بچوں کی سی شوخی کے ساتھ انہوں نے دوسرا گولہ بھی لڑھکایا اور پھر اسے اٹھا کر لائے۔

مختصر یہ کہ وہ بہت اچھے مہمان بھی تھے اور کھانے سے پہلے اور بعد میں اکثر لائٹ موڈ میں ہوتے تھے۔



میں غیر اسلامی طریق کار کی تائید نہیں کر سکتا

یہ واقعہ اواخر 1946ء کا ہے۔ پاکستان کی منزل قریب بھی تھی اور دور بھی۔ سر پیتھک لارنس کے کیبنٹ پلان پر پنڈت نہرو کے شب خون مارنے سے صورت حال غیریقینی ہو رہی تھی۔ گو سیاسی مذاکرات جاری تھے لیکن ہندوؤں کی ہٹ دھرمی اور فسطائی ذہنیت سے بات بن نہیں رہی تھی۔ اس پس منظر میں برٹش انڈین آرمی کے بعض مسلمان افسر ایسی تدبیریں سوچ رہے تھے کہ جن سے وہ وقت پڑنے پر مسلمانوں کی مدد کر سکیں اور پاکستان کے حصول میں معاون ہو سکیں۔

شدید قومی عصبیت رکھنے والے ان مسلمان افسروں میں سے ایک افسر جہلم کے لیفٹننٹ کرنل (اب ریٹائرڈ بریگیڈیئر) گلزار احمد بھی تھے۔ انہوں نے بہت غور و خوض کر کے بغاوت کا ایک منصوبہ بھی بنایا تھا۔ اس کا تذکرہ انہوں نے اپنے ائیرفورس کے ایک دوست عبدالغفور سکواڈرن لیڈر سے کیا۔ انہوں نے اس کا ذکر اپنے بڑے بھائی سردار عبدالرب نشتر سے کیا۔ نشتر صاحب نے یہ بات لیاقت علی خان تک پہنچائی اور انہوں نے قائداعظمؒ کے گوش گزار کی کہ بعض مسلمان افسر ایسا سوچ رہے ہیں اور ان میں سے ایک افسر کرنل گلزار نے ایک منصوبہ بھی تیار کیا ہوا ہے۔

کچھ دنوں کے بعد کرنل گلزار کو اطلاع ملی کہ وہ فوراً دہلی پہنچیں۔ ان دنوں وہ لکھنؤ بریگیڈ کی عارضی کمان کر رہے تھے۔ وہ فوراً دہلی پہنچے۔ دہلی میں انہیں بتایا گیا کہ قائداعظمؒ انہیں شرف باریابی عطا کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ پہلے وہ کیپٹن (بعد کو کرنل) مقبول درویش، سکواڈرن لیڈر (بعد میں ائیر کموڈور) جنجوعہ، کیپٹن (بعد کو کرنل) شمس الحق اور سردار نشتر کے بھائی سکواڈرن لیڈر عبدالغفور سے ملے۔

یہ احباب مذاکرات اور مباحث میں شامل رہتے تھے۔ البتہ جب کرنل گلزار 10 - اورنگزیب روڈ پر قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ صرف سکوارڈن لیڈر (بعد میں ائیر کموڈور) محمد خان جنجوعہ تھے۔ ابتدائی رسمی بات چیت کے بعد یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : آپ کی سکیم تو میں نے سن لی ہے۔ یہ بتائیں کہ اس میں مسلم لیگ کا کیا رول ہو گا؟

کرنل گلزار : سر! اس کا فیصلہ تو آپ ہی کریں گے۔ البتہ مختلف چھاؤنیوں میں متعین مسلمان افسروں سے رابطہ قائم کرنا ہو گا۔ ہم لوگ چونکہ ملازمت میں ہیں اس لیے زیادہ عرصہ تک اپنے یونٹ سے غیرحاضر نہیں رہ سکتے۔

قائداعظمؒ : کیا چوری چھپے کی کارروائی ہو گی یا کھلی' سامنے کی؟

کرنل گلزار : سر! ظاہر ہے کہ یہ کارروائی خفیہ ہو گی اور خفیہ طریقوں سے اسے آگے بڑھایا جائے گا۔

قائداعظمؒ : نہیں۔ یہ ٹھیک نہیں۔ میں چوری چھپے کی کارروائی پسند نہیں کرتا۔ یہ غیراسلامی ہے۔ دیکھو' اسلام اور عیسائیت میں یہی فرق ہے۔ اسلام کا مقصد بھی اہم ہے اور ذریعہ بھی۔ اگر مقصد اچھا ہو اور ذریعہ غلط ہو تو یہ غیراسلامی چیز ہو گی۔ اس لیے میں آپ کی سکیم کی تائید نہیں کر سکتا۔

بریگیڈیئر گلزار لکھتے ہیں کہ پاکستان بننے کے بعد اگرچہ میری یونٹ کراچی میں تھی اور سرکاری تقریبات پر گارڈ آف آنر پیش کرتی رہی۔ لیکن قائداعظمؒ سے ملاقات کا موقع نہ مل سکا۔ جون 1948ء میں جب میں کوئٹہ میں تھا۔ قائداعظمؒ زیارت جاتے ہوئے کوئٹہ ٹھہرے تو وہاں اتفاق سے مجھے ان سے نیاز حاصل ہوا۔ قائداعظمؒ نے مجھے فوراً" پہچان لیا اور صرف اتنا کہا:

"شکر ہے کہ پاکستان سیدھے آئینی طریقے سے بن گیا اور تمہاری سکیم کو عملی جامہ پہنانے کی نوبت نہیں آئی۔ شکریہ!"



کھیلنا تو میں بھی چاہتا ہوں لیکن.........

1947ء کے اوائل میں احمد ای جعفر مرکزی اسمبلی کے سرمائی اجلاس کے دوران ایک اتوار کو لودھی گاف کورس میں گاف کھیل کر آ رہے تھے کہ قائداعظمؒ سے مختصر ملاقات کرنے رک گئے جو اس وقت اپنے لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے احمد جعفر کی کار میں گاف کا سامان دیکھا تو کہا:

"کبھی کبھی میرا بھی جی چاہتا ہے کہ گاف کھیلوں۔"

تقریباً دو ماہ کے بعد وہ پھر اپنے بھائی عیسیٰ جعفر کے ساتھ آئی ڈی جی کلب سے ٹینس کھیل کر واپس آتے ہوئے ٹینس کٹ ہی میں قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

قائداعظمؒ : جعفر! ٹینس کھیل کر آرہے ہو۔

احمد جعفر : جی ہاں! عیسیٰ جعفر بمبئی سے آج پہنچے ہیں۔ یہ آپ کا نیاز حاصل کرنا چاہتے تھے۔ کلب سے براہ راست آرہے ہیں۔

قائداعظمؒ : مجھے بھی کبھی کھیلوں کا بڑا شوق تھا۔ لیکن زندگی میں کچھ ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جنہیں دوسرے شوقوں پر ترجیح دینی پڑتی ہے۔

احمد جعفر : لیکن سر! پچھلی بار آپ نے گاف شروع کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

قائداعظمؒ : جعفر! سیاست کے کھیل سے میرے پاس وقت کہاں ہے کہ میں گاف کا کھیل کھیلنے کی عیاشی کر سکوں۔ تمہارے گاف کے کھیل میں تیز ہیں' ہولز ہیں لیکن سیاست کے کھیل میں تو گڑھے ہیں' خندقیں ہیں چنانچہ مجھے ہر قدم بہت احتیاط سے اٹھانا پڑتا ہے۔ مقصد اتنا اہم ہے۔

یہ وہ دن تھے جب قائداعظمؒ انتہائی اہم سیاسی امور کو سلجھانے میں لگے ہوئے تھے۔

1947ء کے اواخر میں احمد ای جعفر انگلستان سے واپس آئے تو قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

قائداعظمؒ : جعفر! مجھے اطلاع مل گئی ہے کہ تم پاکستان اولمپک ایسوسی ایشن کا الحاق انٹرنیشنل اولمپک ایسوسی ایشن سے کرانے میں کامیاب ہو گئے ہو۔ میں تمہیں اس کی مبارکباد دیتا ہوں۔

احمد جعفر : شکریہ سر!

قائداعظمؒ : اب میں پہلی پاکستان اولمپک سیٹ کا شوق سے انتظار کر رہا ہوں۔

احمد جعفر : پاکستان اولمپک کھیل تو ہوں گے ہی۔ میں تو اس سے آگے بھی سوچ رہا ہوں۔

قائداعظمؒ : وہ کیا؟

احمد جعفر : میرا خیال ہے کہ اب جبکہ پاکستان قائم ہوگیا ہے اور اسے اسلامی ملکوں میں ایک اہم حیثیت حاصل ہے۔ ہم پان اسلامک گیمز کا اہتمام کیوں نہ کریں؟

قائداعظمؒ بہت اچھا خیال ہے' شروع کرو۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا کام ہے۔ میں دلچسپی سے تمہیں اس سے عہدہ برآ ہوتے دیکھوں گا۔

اس ضمن میں احمد ای جعفر لکھتے ہیں۔

"قائداعظمؒ نے کھیلوں کے پہلے پاکستانی اولمپک مقابلوں کے انعقاد میں ذاتی دلچسپی لی۔ 12 اپریل 1948ء کا بہت گرم دن تھا۔ اس کے باوجود وہ کھلی گاڑی میں کھیلوں کا افتتاح کرنے پورے اہتمام سے کھیل کے میدان تک گئے۔ نہ صرف یہ بلکہ گرمی میں ایک دو نہیں مسلسل چار گھنٹے کھیل دیکھتے رہے وہاں چائے پی۔ پھر گورنر جنرل ہاؤس واپس آگئے۔ ان کی پرمغز افتتاحی تقریر کھیلوں کی تاریخ میں ایک ادبی جواہر پارے کی حیثیت سے بھی یاد رکھی جائے گی۔ کھلاڑیوں کی عزت افزائی کے لیے پہلے انہوں نے نمائندہ کھلاڑیوں' ٹیموں اور ایسوی ایشن کے منتظمین کے لئے ڈنر دینے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ بعد میں انہوں نے ان مقابلوں میں حصہ لینے والے پاکستان بھر کے سارے کھلاڑیوں کو ایٹ ہوم بلایا اور کراچی کے تمام عمائدین اور غیرملکی سفراء وغیرہ کو بھی دعوت دی۔ اس پررونق اور پرہجوم تقریب کے دوران قائداعظمؒ نے احمد ای جعفر سے کہا:

"میں نے اتنے بہت سے اور اتنے اہم لوگوں کو اس لیے بلایا ہے' تاکہ ہمارے کھلاڑی ان بین الاقوامی شخصیتوں سے ملیں۔"

(قائداعظمؒ اپنے معاصرین کی نظر میں ص 59)



جب مجھے مرنا ہو گا تو کوئی مجھے بچا نہ سکے گا

اوائل 1947ء میں قائداعظمؒ جب آخری بار بمبئی گئے تو ہوائی اڈے پر خصوصی حفاظتی اقدامات کئے گئے تھے۔ پولیس کے علاوہ نیشنل گارڈز بھی موجود تھے۔ لوگوں کا بے انتہا ہجوم تھا۔ قائداعظمؒ کو جس کار میں بیٹھنا تھا اس کو ڈرائیو کرنے کی سعادت بمبئی اسمبلی کے لیگی کارکن حسین بیگ محمد کے حصے میں آئی تھی۔ جب قائداعظمؒ کار کے قریب پہنچے تو حسین بیگ محمد نے جلدی سے کار کا دروازہ کھولا تاکہ وہ آرام سے بیٹھ جائیں۔ لیکن قائداعظمؒ نے اشارے سے دروازہ بند کرنے کو کہا اور خود ہجوم کی طرف بڑھنے لگے۔ اور پھر ہجوم میں گھل مل گئے۔ نیشنل گارڈز کو ان کے گرد حفاظتی دائرہ قائم رکھنے میں بہت دقت پیش آئی۔ کچھ دیر کے بعد جب قائداعظمؒ کار میں آبیٹھے تو یہ مکالمہ ہوا۔

حسین : سر! آپ تو لوگوں کے ہجوم میں چلے گئے۔ اگر کوئی شخص آپ پر حملہ آور ہو جاتا تو ا

قائداعظمؒ : حسین! جب مجھے مرنا ہو گا تو مجھے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔



اگر تمہیں بات کرنی ہے تو میرے سیکرٹری سے کرو

تحریک پاکستان کے آخری دنوں کی بات ہے کہ وائسریگل لاج سے فون آیا۔

سیکرٹری : میں وائسرائے کا سیکرٹری بول رہا ہوں۔

قائداعظمؒ : اگر وائسرائے کو بات کرنی ہے تو مجھ سے کریں۔ تمہیں بات کرنی ہے تو میرے سیکرٹری سے کرو۔

اس واقعہ کے راوی قاضی محمد عیسیٰ لکھتے ہیں کہ یہ کہہ کر قائداعظمؒ نے فون بند کر دیا۔ ان کا یہی کردار تھا کہ فرعونوں سے وہ کبھی جھک کر نہیں ملے۔ ہاں عام لوگوں سے خاکساری تھی اور بہت تھی۔



میں یہ منافقت نہیں کر سکتا

دسمبر 1946ء کی گول میز کانفرنس کے بعد لیگ اور کانگریس کے اختلافات میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ فرقہ ورانہ فسادات تو کانفرنس سے پہلے بھی ہو رہے تھے۔ جنوری 1947ء سے ان کی شدت اور وسعت میں اضافہ ہوا۔ صورت حال کو مزید بگڑنے سے بچانے کے لیے اپریل 1947ء میں جناح' گاندھی اپیل شائع ہوئی۔

جس میں دونوں قوموں سے پرامن رہنے کو کہا گیا تھا۔ لیکن ہندو سکھ کہاں ماننے والے تھے۔ وہ اندر ہی اندر قتل و غارت کی تیاریاں کر رہے تھے۔ عبوری حکومت کے وزیر خان لیاقت علی خان کے سیکرٹری ممتاز حسین کو جو سول سروس کا وسیع تجربہ رکھتے تھے' خفیہ ذرائع سے ہندوؤں' خاص کر سکھوں کے مذموم عزائم کی رپورٹیں ملیں کہ وہ تقسیم کے موقع پر مسلمانوں کے وسیع پیمانے پر قتل عام کے منصوبے بنا رہے تھے اور اپنے مذموم عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ اسلحہ وغیرہ جمع کر رہے تھے۔ حالات کی سنگینی کے پیش نظر انہوں نے لیاقت علی خان سے بات کی۔ انہوں نے قائداعظمؒ سے تذکرہ کیا۔

لیاقت علی : معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ہندو' خاص طور پر سکھ خفیہ طریقے سے ہتھیار جمع کر رہے ہیں۔ ان کے ارادے ٹھیک نہیں۔ کیوں نہ مسلم لیگ کو صورت حال سے خبردار کر دیا جائے کہ ہمارے رضاکار کسی کو نہ چھیڑیں لیکن محتاط رہیں۔

قائداعظمؒ : نہیں نہیں' میں اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتا۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں منافقت کروں۔ ایک طرف تو تم مجھ سے امن کی اپیل پر دستخط کرنے کو کہتے ہو اور دوسری طرف تم چاہتے ہو کہ میں اپنے لوگوں سے کہوں کہ وہ امن کو تباہ کرنے کی تیاری کریں۔ میں یہ نہیں کر سکتا اور نہ کبھی کروں گا۔

اس واقعہ کو خود ممتاز حسن نے اپنے مضمون "قائداعظمؒ کی یادگار' پاکستان" میں بیان کیا۔
(قائداعظمؒ کو نذرانہ عقیدت' ص 142)



میں پندرہ مہینے سے ایک آئین ڈرافٹ کر رہا ہوں

اواخر اپریل 1947ء میں بیگم جہاں آرا شاہنواز 10 اورنگ زیب روڈ پر قائداعظمؒ سے الوداعی ملاقات کے لیے گئیں۔

بیگم شاہنواز : سر! مہاراجہ پٹیالہ سے آپ کے مذاکرات تو چل نہ سکے۔ اب میں لاہور واپس جا رہی ہوں۔ آپ بھی بہت مصروف ہیں۔

قائداعظمؒ : بیگم صاحبہ! آپ کو علم ہے کہ پچھلے پندرہ مہینوں میں کیا کرتا رہا ہوں؟

بیگم شاہنواز : سر!

قائداعظمؒ : میں پاکستان کے لیے ایک آئین ڈرافٹ کرنے میں مصروف ہوں جو نئے فرانسیسی آئین پر مبنی ہے۔ کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔

بیگم جہاں آراء شاہنواز لکھتی ہیں کہ قائداعظمؒ سے ملاقات کے بعد میں نے دہلی کی کتابوں کی دکانوں پر فرانسیسی آئین کی کاپی بہت تلاش کی لیکن مل نہ سکی۔



علیحدہ سکھ فوج؟ نہیں' ہرگز نہیں

اپریل 1947ء میں وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ایک ڈنر پر پنجاب کے مستقبل پر جناح' مہاراجہ پٹیالہ مذاکرات کا اہتمام کیا۔ ڈنر پر ان کے علاوہ فاطمہ جناح' لیاقت علی خان' بیگم رعنا لیاقت علی خان اور بیگم جہاں آراء شاہنواز مدعو تھیں۔ کھانے کے بعد خواتین تو ڈرائینگ روم میں چلی گئیں اور دونوں میں مذاکرات شروع ہوئے جن میں کچھ دیر کے بعد لیاقت علی خان بھی شریک ہو گئے۔ یہ مذاکرات مزید دو روز جاری رہے اور ناکام ہوئے۔ اس پس منظر میں بیگم شاہنواز کی قائداعظمؒ سے یہ گفتگو ہوئی۔

جہاں آراء : جیسا کہ میں نے ڈنر کی رات آپ سے رخصت ہوتے ہوئے آپ کو بتایا تھا کہ وائسرائے نے مجھ سے سرگوشی میں کہا تھا کہ مہاراجہ کو تقریباً اغوا کر کے وائسریگل لاج لایا ہوں۔ کسی مفاہمت کی کوشش کریں۔ یہ آخری موقع ہے ورنہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کرنا پڑے گی۔

قائداعظمؒ : میں نے مفاہمت کی انتہائی کوشش کی۔ مہاراجہ کے تمام مطالبات میں نے مان لیے حتیٰ کہ ایک خودمختار سکھ صوبہ کا مطالبہ بھی مان لیا اور وہ تمام تحفظات بھی دیئے جو وہ مانگتے تھے۔ لیکن جب مہاراجہ نے ایک علیحدہ سکھ فوج کیلئے کہا تو مجھے دوٹوک انکار کرنا پڑا۔ میں مسلمان قوم کے مفادات کا سودا کیسے کر لیتا۔

بیگم جہاں آرا شاہ نواز نے یہ گفتگو اپنے ایک مضمون "قائداعظم' جیسا کہ میں ان کو جانتی تھی" میں نقل کی ہے جو "قائداعظمؒ اور مسلم خواتین" نامی کتاب میں شامل ہے۔



مروت حسن عالمگیر ہے مردان غازی کا

پاکستان بننے سے کچھ عرصہ پہلے کا واقعہ ہے کہ رائل ایئرفورس بیس چک لالہ کے کمانڈر کو دہلی سے ایک پیغام موصول ہوا کہ چک لالہ بیس پر مسلم لیگ کے صدر کا جہاز ایندھن لینے کے لیے کچھ دیر کے لیے اترے گا۔ ان کا بھی خاطرخواہ استقبال کیا جائے اور انہیں خداحافظ کہا جائے۔ پیغام ملتے ہی بیس کمانڈر بھڑک اٹھا۔ اس نے فورا" بیس کے سب سے سینئر افسر فلائٹ لیفٹنٹ آفتاب احمد خان کو بلا بھیجا۔

کمانڈر : لیفٹنٹ آفتاب! ایک اور مصیبت نازل ہوئی۔

آفتاب : کیا ہوا سر؟

کمانڈر : ہوا کیا۔ پھر وہی چکر ہے۔ پچھلے ہفتے کانگریس کے صدر آئے تھے۔ اب مسلم لیگ کے صدر کے آنے کا سگنل آیا ہے۔ میں باز آیا تمہارے ہندوستانی لیڈروں کااستقبال کرنے سے' مجھے اپنی بے عزتی نہیں کروانی۔

آفتاب : سر! وہ اور بات تھی۔

کمانڈر : اور کیا بات ہے۔ اتنے بڑے لیڈر کو کیا اتنا بھی معلوم نہیں تھا کہ سلام کا جواب دیا جانا ہے اور یہ کوئی طریقہ ہوا کہ جہاز سے اترے اور سرکاری میزبانوں کے سلام کا جواب دیئے بغیر منہ اٹھائے اپنے رضاکاروں کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

آفتاب : سر! ہر چند کہ میں صدر کانگریس کی سیاست سے متفق نہیں ہوں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ انہوں نے ہم لوگوں کو قصداً" نظرانداز نہ کیا ہو گا۔ پتہ نہیں وہ کن خیالات میں غرق تھے کہ ہمارے سیلوٹ کا جواب دیئے بغیر اپنے سیاسی کارکنوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

کمانڈر : وجہ خواہ کچھ بھی ہو۔ میں تاج برطانیہ کا نمائندہ ہوں۔ میں بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا کہ میں کسی کو سیلوٹ کروں اور وہ ہاتھ اٹھا کر اس کا جواب بھی نہ دے۔ نہ صرف یہ سرکاری تقریبوں کے آداب کے خلاف ہے بلکہ سخت بداخلاقی بھی ہے۔ مجھے ایک بار بہت تلخ تجربہ ہوچکا ہے۔ اس لیے میں اس بار بیس پر ان صدر صاحب کو ملنے ہرگز نہ جاؤں گا۔ تم ہی اپنے ہندوستانی لیڈر کو بھگتا آنا۔

آفتاب : میں بصد آداب' آپ سے اختلاف کی اجازت چاہوں گا۔ پہلے تو یہ کہ آپ دیکھیں گے کہ صدر مسلم لیگ قائداعظمؒ کا رویہ یقیناً بہت مختلف ہو گا۔ اگرچہ میں نے انہیں دیکھا نہیں مگر سنا ضرور ہے کہ وہ بحیثیت انسان کے بھی' بہت عظیم ہیں۔ دوسری بات یہ کہ آپ ہندوؤں کی جماعت کانگریس کے صدر کے خیرمقدم کو تو گئے لیکن اگر آپ اب مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ کے صدر کے خیرمقدم کو نہ گئے تو خواہ مخواہ غلط فہمی ہو گی۔ اس لیے میں تو یہی عرض کروں گا کہ آپ ضرور زحمت کریں۔ انشاء اللہ آپ کو مایوسی نہیں ہو گی۔

کمانڈر : اچھا ٹھیک ہے۔ چونکہ یہ سرکاری ذمہ داری ہے اس لیے مجھے جانا ہی پڑے گا۔ ویسے آفتاب! یہ یاد رکھیں کہ اب کے وہی ڈرامہ ہوا تو آپ کی خیر نہیں۔

آفتاب : بہت بہتر جناب!

اس گفتگو کا پس منظر یہ ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے سرحد میں جو ریفرنڈم ہوا تھا' اس سلسلہ میں ایک ہفتہ پہلے صدر کانگریس دہلی سے پشاور جاتے ہوئے چک لالہ ائیربیس پر ٹھہرے تھے۔ بیس کمانڈر اور لیفٹننٹ آفتاب احمد سرکاری طور پر ان کا استقبال کرنے اور انہیں خدا حافظ کہنے کے لئے بیس پر گئے اور صدر کانگریس کے جہاز سے اترنے پر انہیں باقاعدہ استقبالی سلام کیا۔ لیکن خدا جانے وہ کس دھن میں تھے کہ انہوں نے بیس کمانڈر کی طرف مطلق توجہ نہیں دی اور سیدھے اس طرف چلے گئے جہاں کانگریسی رضاکار اور کارکن کھڑے جے ہند کے نعرے لگا رہے تھے۔ بیس کمانڈر نے ان کی اس دانستہ یا غیردانستہ بے رخی کو اپنی توہین سمجھا اور لیفٹننٹ آفتاب سے یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے کہ تم خود ہی اپنے ایسے ہندوستانی لیڈر کو خدا حافظ کہہ دینا۔

بہرحال مقررہ وقت پر صدر مسلم لیگ قائداعظمؒ کا جہاز چک لالہ ائیربیس پر اترا اور جب قائداعظمؒ باہر تشریف لائے تو انگریز بیس کمانڈر اور فلائٹ لیفٹننٹ آفتاب نے حسب دستور انہیں پھرتی سے سیلوٹ کیا۔ قائداعظمؒ نے اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ اٹھا کر ان کے سلام کا خاصے تپاک سے جواب دیا جس میں زیر لب مسکراہٹ بھی شامل تھی۔ جیسے انہیں اپنے میزبانوں کی خصوصی عزت ملحوظ ہو۔ جہاز سے اتر کر وہ سیدھے ان کے پاس آئے۔

قائداعظمؒ : شکریہ پذیرائی کا۔ آپ لوگ کیسے ہیں؟

کمانڈر : سر! آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کا سفر تو ٹھیک رہا۔

قائداعظمؒ : جی ہاں' بہت خوشگوار' کوئی تکلیف نہیں ہوئی' اب آپ لوگ میرے خیرمقدم کے لیے یہاں موجود ہیں۔

آفتاب : جناب والا! آپ کا استقبال کرنا ہمارے لیے باعث عزت ہے۔

قائداعظمؒ : میں آپ کا ممنون ہوں۔ (بیس کمانڈر سے) یہاں مسلم لیگ کے رضاکار اور کارکن آئے ہوئے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ دیر ان سے مل لوں۔

کمانڈر : بخوشی' جناب والا!

چنانچہ پروٹوکول کے مطابق انہوں نے کمانڈر سے رسمی اجازت لے کر رضاکاروں اور کارکنوں سے کچھ باتیں کیں اور پھر اپنے میزبانوں کے پاس واپس آئے اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ آخر میں ان کے الوداعی سلام کا پرتپاک انداز اور خوش دلی سے جواب دیا اور جہاز میں سوار ہو گئے۔

کمانڈر : مبارک ہو آفتاب! تمہارا لیڈر واقعی بہت عظیم ہے۔

آفتاب : شکریہ جناب! مجھے خوشی ہے کہ آپ کو مایوسی نہیں ہوئی۔

کمانڈر : مایوسی؟ میں تو مسٹر جناح سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ جب انہوں نے رضاکاروں سے ملنے کے لیے مجھ سے رسمی اجازت مانگی تو سچ پوچھئے میں بہت شرمندہ ہوا۔ اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن آداب مہمانی کا اتنا اونچا معیار اور احساس میں نے بہت کم دیکھا ہے۔



مجھے کوئی خطرہ نہیں، مجھے اپنے عوام پر اعتماد ہے

اگست 1947ء کے اوائل میں جب قائداعظمؒ دہلی سے کراچی پہنچے تو ہوائی اڈہ پر ان کا استقبال کرنے کے لیے حکام اور عمائدین کی خاصی بڑی تعداد موجود تھی۔ لیکن ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں جو عام شہری ان کے استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے، نظم و نسق اور تحفظ کے نگران عملہ نے انہیں ہوائی اڈہ کے اندر آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ ہوائی اڈہ کے جنگلے کے باہر ایک ہجوم کی شکل میں جمع تھے۔ جب قائداعظمؒ کا جہاز رن وے پر اترا تو انہوں نے قائداعظمؒ زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ ابھی قائداعظمؒ استقبال کی رسومات سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ استقبالی ہجوم اور انتظامی عملہ میں کش مکش شروع ہو گئی۔ قائداعظمؒ نے یہ ہنگامہ دیکھا تو پوچھا، کیا بات ہے؟ جب انہیں صورتحال سے آگاہ کیا گیا تو وہ رسمی تحفظات کی پرواہ کئے بغیر ہجوم کی طرف بڑھنے لگے۔ یہ دیکھ کر ان کے ایک مشیر نے کہا۔

مشیر : جناب! آپ کے لیے ادھر جانا موزوں نہیں۔

قائداعظمؒ : کیوں؟

مشیر : معلوم نہیں اس ہجوم میں کون دوست ہے اور کون دشمن۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو کوئی نقصان پہنچے۔ آپ کی زندگی قوم کی امانت ہے۔ آپ اس طرح نہ جائیں۔

قائداعظمؒ : یہ عام لوگ مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ میں بغیر ملے انہیں کیسے لوٹا دوں؟ یہ لوگ میرے دوست ہیں۔ یہ اپنی جان پر کھیل کر بھی مجھے میرے دشمنوں سے بچائیں گے۔ مجھے اپنے عوام پر اعتماد ہے۔

یہ کہہ کر قائداعظمؒ عوام کے جم غفیر کے پاس گئے اور ان سے مختصراً خطاب کیا۔ یہ واقعہ خود

قائداعظمؒ نے مہاجرین کے اس وفد کو سنایا جو ستمبر 1947ء میں ان سے ملنے اور اپنی عرض داشت پیش کرنے آیا تھا۔



میں آپ کو بچالایا ہوں!

14 اگست 1947ء کو پروگرام کے مطابق قائداعظمؒ اور وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور محترمہ فاطمہ جناح کو ایک جلوس کی شکل میں وکٹوریہ روڈ اور بندر روڈ وغیرہ سے ہو کر اسمبلی کی عمارت تک پہنچنا تھا۔ اس موقع پر ماؤنٹ بیٹن اور قائداعظمؒ کے درمیان یہ گفتگو ہوئی

ماؤنٹ بیٹن : سی آئی ڈی نے اطلاع دی ہے کہ آج جلوس میں آپ پر قاتلانہ حملہ ہو گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ جلوس کے بجائے براہ راست اسمبلی ہال پہنچ جائیں۔

قائداعظمؒ : میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ میری قوم میرے ساتھ یہ سلوک کر سکتی ہے۔ ہندوؤں اور سکھوں کی بات اور ہے۔ بہرحال زندگی اور موت صرف اللہ کے قبضہ میں ہے۔ اس لیے مجھے کوئی خوف نہیں۔ البتہ اگر آپ چاہیں تو بے شک جلوس کے ساتھ نہ چلیں۔

یہ واقعہ سید ہاشم رضا نے نقل کیا ہے۔ اس کی تصدیق قائداعظمؒ کے اے ڈی سی عطا ربانی کے اس بیان سے ہوتی ہے:

"جب قائداعظمؒ سے ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ وہ جلوس کی صورت میں اسمبلی ہال نہ جائیں کیونکہ ان پر قاتلانہ حملے کی سازش کی اطلاع ملی ہے تو قائداعظمؒ نے کہا کہ موت کا وقت مقرر ہے۔"

جلوس میں قائداعظمؒ اور ماؤنٹ بیٹن کھلی کار کی پچھلی سیٹ پر تھے۔ جلوس کے خاتمے پر قائداعظمؒ نے ماؤنٹ بیٹن کا گھٹنا تھپتھپاتے ہوئے کہا کہ "میں آپ کو بچا لایا ہوں۔"



میں آئینی سربراہ کے طور پر کام کرنے کو تیار ہوں

پاکستان کی پہلی کابینہ کی پہلی میٹنگ 15 اگست 1947ء کو منعقد ہوئی۔

قائداعظمؒ : حضرات! میں آئینی گورنر جنرل کے طور پر کام کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن مجھے اپنے عوام کو یہ بتانا پڑے گا کہ میری حیثیت یہ ہے۔

وزراء : سر! آپ آئینی سربراہ ضرور ہوں گے۔ لیکن لازمی طور پر اور فطری طور پر آپ ان اختیارات کو تو ضرور استعمال کریں گے جو بابائے قوم کی حیثیت سے آپ کی ذات میں مرتکز ہیں۔

مسٹر فضل الرحمٰن جو بحیثیت وزیر کے اس اجلاس میں شریک تھے، لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کابینہ کی اس یقین دہانی کے بعد پورے طور پر مطمئن ہو گئے۔ اور انہوں نے کابینہ کی بڑی بھرپور رہنمائی کی۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے جمہوری روایات اور آئینی اصولوں سے بھی انحراف نہیں کیا۔ ان کی مدبرانہ رہنمائی کی ایک مثال دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کی رہنمائی ہی میں کابینہ کا پہلا اہم فیصلہ یہ تھا کہ صوبہ سرحد کے اگلے علاقوں سے وہ فوجی چوکیاں اٹھا لی جائیں جو انگریزوں کے زمانے سے چلی آرہی تھیں۔ انہوں نے قبائلیوں کی وفاداری پر پورا اعتماد کیا۔ بہ نفس نفیس صحت کی خرابی کے باوجود انہوں نے سرحد کے شمالی علاقوں اور بلوچستان کا دورہ کیا۔ اور قبائلیوں سے کہا۔

"انگریز جا چکے ہیں۔ اب یہ آپ کا ملک ہے، آپ کی اپنی حکومت ہے۔"

(قائداعظمؒ معاصرین کی نظر میں، ص 52)



ہماری ثقافت کی روح یہیں بیدار ہو گی

بیگم شائستہ اکرام اللہ کا شمار تحریک پاکستان کے سرگرم اور پرجوش کارکنوں میں ہوتا ہے۔ انہیں پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کی رکن ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ قائداعظمؒ ان کی خدمات کی بڑی قدر کرتے تھے اور اکثر انہیں شرف ملاقات بخشتے تھے۔

پاکستان بننے کے چوتھے روز ان کے شوہر مسٹر اکرام اللہ جو وزارت خارجہ میں سیکرٹری تھے۔ جب دفتر سے گھر آئے تو انہیں مژدہ سنایا کہ قائداعظمؒ نے ہم دونوں کو کل رات کے کھانے پر اپنے ہاں دعوت دی ہے۔ یہ ایک طرح کا ورکنگ ڈنر ہو گا جس میں دوسرے سیاسی و انتظامی امور بھی زیربحث آئیں گے۔

کھانے پر تو حسب توقع سرکاری باتیں ہوتی رہیں۔ کھانے کے بعد جب مہمان گورنمنٹ ہاؤس کے وسیع ڈرائنگ روم میں جمع ہوئے تو حسن اتفاق سے بیگم صاحبہ کو جو کرسی ملی وہ قائداعظمؒ کی نشست کے پہلو ہی میں تھی۔

قائداعظمؒ خوب جانتے تھے کہ شائستہ اکرام اللہ تحریک پاکستان کے معاملہ میں کتنی پرجوش اور جذباتی رہی تھیں۔ ان پر نظر پڑتے ہی انہوں نے فرمایا۔

قائداعظمؒ : اب تو آپ خوش ہیں نا؟

شائستہ : خوش' اور بہت خوش' اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ آج اپنا پیارا پاکستان ایک حقیقت بن کر سامنے آچکا ہے۔ لیکن بعض چیزوں کے کھو جانے کا ملال بھی ہے۔

قائداعظمؒ : (ایک دم سنجیدہ ہو کر) وہ کیا؟

شائستہ : وہ گنبد اور منارے جو ہماری ثقافت کا مظہر تھے ادھر ہی رہ گئے۔

قائداعظمؒ : کوئی ثقافت چند مخصوص اینٹ پتھروں تک محدود نہیں ہوتی۔ ہماری ثقافت ہمارے اپنے گنبد و میناروں سے ظاہر ہوگی۔



کیا یہ خوبصورت نہیں لگ رہا؟

20 اگست 1947ء کو کراچی کے حکیم محمد احسن نے سربراہ مملکت قائداعظمؒ کے اعزاز میں ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا تھا۔ جب قائداعظمؒ تشریف لائے تو پاکستان کا نیا سبز ہلالی پرچم جو صرف دو ایک روز پہلے لیاقت علی خان نے آئین ساز اسمبلی میں منظور کرایا تھا پہلی بار لہرایا گیا۔ پرچم کو ہوا میں کھلتے اور لہراتے دیکھ کر قائداعظمؒ کے چہرے پر مسرت اور آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ وہ بار بار نظر اٹھا کر سبز ہلالی پرچم کو لہراتا دیکھ رہے تھے۔

قائداعظمؒ : احسن! کیا یہ خوبصورت نظارہ نہیں ہے؟

حکیم : کیوں نہیں' جناب والا! پرچم لہراتا خوبصورت لگ رہا ہے۔

11 ستمبر 1973ء کے اپنے ٹی وی انٹرویو میں حکیم محمد احسن نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا:

"پاکستان کے پرچم کو لہراتا دیکھ کر ان کی مسرت دیدنی تھی۔"



آپ کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں

14 اگست 1947ء کو پاکستان کی افتتاحی تقریب کے بعد کا واقعہ ہے کہ قائداعظمؒ قانون ساز اسمبلی کی صدارت کر رہے تھے۔ قائد ملت لیاقت علی خان ان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ سیکرٹری قانونی امور نے کوئی فائل پیش کیا۔

قائداعظمؒ : احمد!

ایم بی احمد : سر!

قائداعظمؒ : بحیثیت حکومت کے سیکرٹری کے آپ کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں۔ آپ اس اصول کو' کہ جو کچھ پاکستان کے بہتر مفاد میں ہے صرف وہی کیاجائے' ملحوظ رکھ کے آپ اپنی ذمہ داریاں نبھائیں اور ضروری اقدامات کریں۔ جب آپ فائلوں پر رپورٹ لکھیں یا مجھے بریف کریں تو یہ نہ سمجھیں کہ قائداعظمؒ سے یا پرائم منسٹر سے بات کر رہاہوں۔ جو کچھ آپ میرٹ پر پوری سمجھتے ہوں وہی لکھیں اور بتائیں۔ اگر آپ یہ بھی کہیں کہ آپ کی رائے میں مجھے یا پرائم منسٹر کو یہ منصب چھوڑ دیناچاہیے تو میں اور پرائم منسٹراس رائے پر سنجیدگی سے غور کریں گے۔

خود جسٹس ایم بی احمد نے قائداعظمؒ کا یہ قول نقل کیا۔

(محمد علی جناح معمار پاکستان' ص 79)



کامیاب زندگی کا ایک رہنما اصول!

پاکستان بننے کے بعد پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کی رکن بیگم شاہنوازؒ کو امریکہ کا دورہ کرنے کی دعوت ملی۔ انہوں نے قائداعظمؒ سے رجوع کیا۔

بیگم شاہنواز : اسمبلی کی مصروفیت بھی ہے اور امریکہ کا دورہ کرنے کی دعوت بھی ملی ہے۔ کیا کروں؟ آپ کا مشورہ بلکہ اجازت درکار ہے۔

قائداعظمؒ : اگر آپ کا جی چاہتا ہے تو امریکہ کا دورہ ضرور کیجئے۔ میں سدراہ نہیں بنوں گا۔ اگر آپ ایک خیرخواہ دوست کا مشورہ چاہتی ہیں تو میرا جواب یہ ہوگا کہ آپ اپنے قانون سازی کے معاملات سے کام رکھئے۔ جو راستہ اور جو کام آپ نے اپنے لیے منتخب کیا ہے اس سے انحراف نہ کیجئے اور اپنی توانائیوں کو ادھر ادھر

ضائع نہ کیجئے۔ خود میری اپنی زندگی کی داستان یہی ہے کہ اکثر لوگوں نے کوشش کی کہ میں اپنے منتخب کئے ہوئے راستے سے ہٹ جاؤں۔ لیکن میں اپنے راستہ پر ڈٹا رہا اور اپنے مقصد کے علاوہ کسی اور سمت اپنی توجہ مرکوز کرنے سے میں نے ہمیشہ گریز کیا اور اپنی منزل مقصود سے نہ ہٹنے ہی میں میری کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔



میں مہاراجہ ہونا پسند نہیں کرتا

پاکستان بننے کے کچھ دنوں بعد کی بات ہے کہ مجلس قانون ساز کے سامنے ریاستوں کے الحاق کا مسئلہ زیر بحث آنا تھا۔ سیکرٹری قانونی امور جسٹس ایم بی احمد نے بات چھیڑی۔

ایم بی احمد : جناب والا! الحاق کا معاملہ زیر بحث آنا ہے۔

قائداعظمؒ : احمد! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں ایک مہاراجہ کی طرح خوشامدیوں میں گھرا رہوں جو مجھے اصول پر فیصلہ صادر کرنے سے باز رکھیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ اقتدار عوام کا ہے اور وہی بااختیار ہیں۔ Sovereign- تو اس سلسلہ میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔

(جسٹس ایم بی احمد (محمد علی جناح معمار پاکستان' ص 78)



"یس مین" بن کے نہ رہ جانا

قیام پاکستان کے فوراً بعد کی بات ہے کہ حکومت پاکستان کے دو سینئر سیکرٹری چوہدری محمد علی اور ایم بی احمد قائداعظمؒ کی خدمت میں کسی کام سے حاضر تھے۔ گفتگو کے دوران انہوں نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا

قائداعظمؒ : آپ لوگ سینئر ترین سیکرٹری ہیں اس لیے کسی بھی معاملے میں آپ کی رائے جچی تلی ہونی چاہیے۔ یس مین بن کے نہ رہ جانا۔

ایم بی احمد : انشاء اللہ ایسا نہ ہو گا۔

قائداعظمؒ : اگر آپ کہہ دیں کہ میں گورنر جنرلی کا اہل نہیں تو آپ کی یہ بات بھی سنجیدگی سے سنی جائے گی۔ بشرطیکہ یہ رائے سوچ سمجھ کر اور غور و فکر کے بعد پوری ذمہ داری سے دی گئی ہو۔



قومی کردار

این ایم کوتوال کو قائداعظمؒ نے پاکستان بننے سے ذرا پہلے اپنا قانونی مشیر مقرر کیا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد بھی وہ ذاتی حیثیت میں یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ این ایم کوتوال گو مذہباً پارسی تھے۔ لیکن قائداعظمؒ کو ان پر ان کی صلاحیت اور دیانت داری کی وجہ سے بڑا اعتماد تھا۔

پاکستان بننے کے بعد کا قصہ ہے کہ این ایم کوتوال قائد کی خدمت میں حاضر تھے۔ قومی کردار زیربحث تھا۔

قائداعظمؒ : جن برائیوں اور خامیوں میں ہماری قوم مبتلا ہے ان میں سے بیشتر کردار کی کمزوری سے پیدا ہو رہی ہیں۔

کوتوال : میرا خیال ہے کہ صحیح قومی کردار کو پیدا ہونے میں مزید بیس سال لگیں گے۔

قائداعظمؒ : نہیں' سو سال۔



میں اپنے ملک کے ایک ایک انچ کیلئے لڑوں گا

تخلیق پاکستان کے فوراً بعد اٹھنے والے گھمبیر مسائل سے نمٹنے کے لیے قائداعظمؒ نے ایک ایمرجنسی کابینہ ترتیب دی تھی جس کا اجلاس ہر روز قائداعظمؒ کی سربراہی میں صبح 9 بجے شروع ہوتا تھا۔ ایک روز اس ایمرجنسی کابینہ کی میٹنگ میں پاکستان کی مالی حالت زیربحث تھی۔ افواج پاکستان کے سربراہوں کو بھی بلایا گیا تھا تاکہ وہ پڑوسی ملکوں کے امکانی حملوں کے خلاف پاکستان کے دفاعی انتظامات کا جائزہ لے سکیں۔

وزیر مالیات : واقعہ یہ ہے کہ ملکی مالی حالت بہت ہی سقیم ہے اور ملک کے دفاعی انتظامات پیسہ کی کمی کی وجہ سے بہت ناکافی ہیں۔ اب کیا ہو گا؟ ہمارا کیا بنے گا؟

قائداعظمؒ : (خاصی دیر تک بڑے صبر سے اسی قسم کی مایوس کن باتیں سننے کے بعد اپنی کرسی کو پرے ہٹا کر اور ایک دم اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے)
مسٹر! کبھی کوئی آزاد ملک محض پیسے کی کمی کی وجہ سے بھی ٹھپ ہوا ہے۔ میں اپنے ملک کے ایک ایک انچ کے لیے لڑوں گا تاوقتیکہ دشمن مجھے اٹھا کر بحیرہ عرب میں پھینک دے۔

اس واقعہ کے راوی مرکزی وزیر مسٹر فضل الرحمٰن لکھتے ہیں:
"یہ کہہ کر قائداعظمؒ میٹنگ سے چلے گئے لیکن قائداعظمؒ کے تیقن نے وزراء کے لہو کو سوز یقین سے گرما دیا۔"

----

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

ایک مرتبہ قائداعظمؒ کوئٹہ تشریف لے گئے۔ وہاں کے اے' جی' جی نے ان کے اعزاز میں ایک شاندار استقبالیہ کا اہتمام کیا جس میں بڑی تعداد میں شہر کے معززین اور عمائدین مدعو تھے۔ اس موقع پر قائداعظمؒ نے اے جی جی سے باتیں کر رہے تھے کہ انکی نظر ایک انگریز خاتون پر پڑی جو وہیل چیئر میں بیٹھی تھیں۔

قائداعظمؒ : یہ خاتون کون ہیں؟

اے جی جی : یہ مشہور آئی سپیشلسٹ سر ہنری ہالینڈ کے بیٹے ڈاکٹر ہالینڈ کی مسز ہیں۔ بے چاری پولیو کی بیماری کے باعث چلنے پھرنے سے معذور ہیں۔

قائداعظمؒ : میں ان کی مزاج پرسی کرنا چاہتا ہوں۔

اے جی جی : (اپنے سٹاف افسر سے) آپ جائیں اور مسز ہالینڈ کو بتائیں کہ گورنر جنرل ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ انہیں ادھر ہی لے آئیں۔

قائداعظمؒ : براہ کرم آپ انہیں ادھر آنے کی زحمت نہ دیں۔ میں خود چلا جاتا ہوں۔ ایسی کونسی بات ہے۔

قائداعظمؒ کے ایک سابق اے ڈی سی گروپ کیپٹن آفتاب احمد خان لکھتے ہیں کہ یہ کہہ کر قائداعظم خاصا فاصلہ طے کر کے بہ نفس نفیس مسز ہالینڈ کے پاس گئے اور نہ صرف ان کی مزاج پرسی کی

بلکہ خاصی دیر ان سے ان کی دلچسپی کی باتیں کرتے رہے۔



گورنر جنرل ہاؤس کی دیوار کو اونچا کرنے کی اجازت دینے سے انکار

ذہنی اور سیاسی دیوانوں کی کسی ملک میں کمی نہیں ہوتی جو موقع پاکر بڑی سے بڑی سیاسی اور قومی شخصیت کو جانی نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔ پھر قائداعظمؒ کے دشمنوں کی تو اندرون ملک اور بیرون ملک کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ کسی وقت بھی اپنا وار کر سکتے تھے۔ اس حقیقت کے پیش نظر قائداعظمؒ کے ملٹری سیکرٹری کرنل برکی ان کے تحفظ کے موجودہ انتظامات کو ناکافی سمجھتے تھے۔ بہت سوچ سمجھ کر انہوں نے قائداعظمؒ کے سامنے تجویز پیش کی۔

کرنل برکی : جناب والا ! گورنمنٹ ہاؤس کے موجودہ حفاظتی انتظامات آپ کے تحفظ کے نقطہ نظر سے کافی نہیں ہیں۔

قائداعظم : پھر تم کیا چاہتے ہو؟

کرنل برکی : اگر آپ اجازت دیں تو گورنمنٹ ہاؤس میں ایک اونچی دیوار اس طرح تعمیر کروائی جائے کہ جس حصے میں آپ کا قیام ہے وہ بالکل الگ اور محفوظ ہو جائے۔

کرنل برکی : یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ آپ کو میری حفاظت کا اتنا خیال ہے لیکن میری حیثیت پچھلے گورنر جنرلوں سے بہت مختلف ہے۔ میں اسی ملک کا باشندہ ہوں اور اسی قوم کا فرد ہوں۔ مجھے کوئی خطرہ نہیں۔

کرنل برکی : جناب والا ! سیاسی جنونیوں کی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ہندو آپ پر گولی چلا دے۔

قائداعظم : برکی ! میں اپنے ملک میں اپنی ہی قوم کے درمیان ہوں۔ مجھے کسی طرح کا خطرہ نہیں اور میں بہرحال اس کو فضول خرچی سمجھتا ہوں۔

قائداعظمؒ کا یہ جواب ان کے کردار کے ایک نہیں کئی رخوں کی غمازی کرتا ہے۔ نواب بہادر یار جنگ غلط نہیں کہا کرتے تھے۔

"جناح' جناح نہیں' خدا کی رحمت ہے جو ہم مسلمانوں پر آسمان سے نازل ہوئی ہے۔"



یہ تو درندگی سے بھی بدتر ہے

جون 1948ء میں قائداعظمؒ زیارت میں زیرعلاج تھے۔ ایک دن طبیعت قدرے بہتر تھی تو لنچ پر نیول اے ڈی سی لیفٹننٹ مظہراحمد سے تقسیم کے وقت ہندوستان میں مسلمانوں کے قتل عام کا ذکر آگیا۔

مظہراحمد : مشرقی پنجاب میں تو مسلمانوں پر بڑا ظلم ہوا ہے۔

قائداعظمؒ : یہ ایک طرح سے بغیر اعلان کے مسلمانوں کے خلاف جنگ تھی۔ بلکہ مکمل جنگ۔ اگر وہ مجھے مارنا چاہتے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے چونکہ ان کے خیال میں' میں ہی پاکستان ہوں۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بے گناہ عورتوں اور بچوں نے ان کا کیا بگاڑا تھا۔پہلے تو بے دردی سے انہیں قتل و غارت کا نشانہ بنایا۔ جو بچ گئے اور زخمی حالت میں ہسپتال میں زیرعلاج تھے تو ان بے دردوں نے اس کنویں ہی میں زہر ملا دیا جس سے وہ پانی پیتے تھے۔ یہ کونسی انسانیت ہے۔ یہ تو درندگی سے بھی بدتر ہے۔

(مظہراحمد' معمار پاکستان' ص 145)



ان احکامات سے کوئی مستثنیٰ نہیں

یہ واقعہ ستمبر 1947ء کا ہے۔ قائداعظمؒ گورنر جنرل ہاؤس کے جنوبی لان میں چہل قدمی کر رہے تھے اور نیوی کے اے ڈی سی لیفٹننٹ ایس ایم احسن تھوڑے فاصلے پر ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ سیر کے دوران وہ خلاف معمول ذرا آگے بڑھ گئے اور گورنر جنرل ہاؤس کے جنوبی گیٹ کے بالکل قریب جا نکلے جہاں ایک نیا سنتری ڈیوٹی پر کھڑا تھا جس نے قائداعظمؒ کو روبرو نہیں دیکھا تھا۔

سنتری : یہیں رک جائیں جناب! آپ آگے نہیں جا سکتے۔ آرڈر نہیں۔

قائداعظمؒ : ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔

سنتری : نہیں جناب یہ ٹھیک نہیں۔ کسی شخص کو اس نشان سے آگے جانے کی اجازت نہیں۔ یہی آرڈر مجھے ملا ہے۔

احسن : (جو اس دوران عین موقع پر پہنچ گئے تھے) کیا معاملہ ہے جناب؟

قائداعظمؒ : احسن! ذرا اس کو بتایئے کہ میں کون ہوں۔

احسن : (سنتری سے) بھئی کیا کر رہے ہو تم۔ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ قائداعظمؒ ہیں۔ پاکستان کے گورنر جنرل۔

سنتری : نہیں جناب! میں نہیں جانتا کہ یہ صاحب کون ہیں اور نہ میں جاننا چاہتا ہوں۔ جو آرڈر مجھے ملا ہے اس کی پابندی کرنا میرا فرض ہے۔ خواہ وہ کوئی ہو۔

قائداعظمؒ : (بہت متاثر ہو کر) احسن! خدا ہمیں اس قسم کے اور آدمی عطا فرمائے۔ جب تک پاکستان میں اس قسم کے انسان موجود ہیں مجھے پاکستان کے لیے نہ کوئی فکر ہے اور نہ کوئی خطرہ۔

(سنتری سے) شاباش! ہر وقت اسی طرح اپنا فرض بجا لاتے رہو۔ مجھے تم پر فخر ہے۔ پاکستان کو تم پر فخر ہے۔ قانون واقعی سب کے لیے ایک ہوتا ہے۔

میاں منظر بشیر نے اپنے ایک مضمون میں لیفٹنٹ (بعد کو بحریہ کے سربراہ ایڈمرل) ایس ایم احسن کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

(قائداعظمؒ چند یادیں چند ملاقاتیں' ص 142)



ایک بتی بھی زائد نہیں

قائداعظمؒ روپے کے ضیاع کے قائل نہ تھے خواہ وہ ان کا اپنا ہو یا دوسرے کا یا حکومت کا۔ وہ اس کا بہت اہتمام کرتے تھے کہ اپنے گھر میں زائد از ضرورت بتیوں کو گل کر دیں۔ حتی کہ اپنے میزبان کے گھر میں بھی وہ زائد بتیاں بجھا دیتے تھے جو ان کے لیے جلائی گئی ہوں۔

پاکستان بننے کے بعد جب قائداعظمؒ گورنر جنرل ہاؤس میں رہتے تھے تو وہ اکثر رات کو غیرضروری روشنیوں کو گل کر دیتے تھے۔ ایک روز ان کے سیکرٹری نے کہا۔

سیکرٹری : جناب! آپ کے اس طرح بتیاں گل کرنے سے ہمیں شرمندگی ہوتی ہے۔ یوں بھی چند بتیوں سے کیا فرق پڑتا ہے۔

قائداعظمؒ : فرق کی نہیں' اصول کی بات ہے۔ روپیہ کو ضائع کرنا ایک گناہ ہے اور اگر وہ عوام کا روپیہ ہو تو اور بھی بڑا گناہ ہے۔

وہ قائداعظمؒ جو پیسے پیسے کا حساب رکھتے تھے اور ایک پیسے کو ضائع کرنا گناہ سمجھتے تھے۔ وہ پیسے کو

فراخ دلی سے صرف کرنا بھی جانتے تھے۔ اپنی وصیت میں انہوں نے اپنی محنت سے کمائی ہوئی دولت کا بڑا حصہ قومی تعلیمی اداروں کی فلاح و ترقی کے لیے وقف کر دیا۔



میں دکاندار کو سبق دینا چاہتا تھا

اواخر اگست 1947ء کا واقعہ ہے کہ قائداعظمؒ کے ایک اے ڈی سی کیپٹن این اے حسین نے کراچی کی ایک بڑی دکان سے قائداعظمؒ کے لیے موزے خریدے۔ ان کا رنگ گرے تھا اور ان پر ولز کا لیبل بھی لگا ہوا تھا۔ یہ موزے انہوں نے قائداعظمؒ کے خاص پٹھان خدمت گار کے ہاتھ ان کو بھجوائے۔

دوسرے روز قائد نے انہیں طلب فرمایا۔ وہ پلنگ پر تکیہ لگائے نیم دراز تھے اور پاس کرسی پر محترمہ فاطمہ جناح بیٹھی تھیں۔

قائداعظمؒ : یہ موزے آپ نے خریدے تھے؟

حسین : جی ہاں!

قائداعظمؒ : دکاندار نے آپ سے نئے موزوں کے پیسے وصول کئے۔

حسین : جی ہاں، میں نے ساڑھے سات روپے ادا کئے تھے۔

قائداعظمؒ : لیکن یہ موزے تو پرانے ہیں۔ آپ دکان دار کو یہ واپس کر آئیں۔ اس نے آپ سے نئے موزوں کے پیسے وصول کئے اور دیئے پرانے موزے۔

چنانچہ قائداعظمؒ کے ارشاد کے مطابق کیپٹن این اے حسین پھر بازار گئے اور دکاندار سے موزے بدلوا کر لائے اور اسی پٹھان خدمت گار کو دیئے کہ یہ صاحب کو پیش کر دینا۔ اس وقت اس نے انہیں بتایا کہ صاحب نے موزوں کو پہننے سے پہلے انہیں روشنی کے سامنے کر کے دیکھا تھا۔ ایک موزے میں سے دھاگہ نکلا ہوا تھا اور ایک سوراخ نظر آرہا تھا۔ اس وجہ سے انہوں نے موزے بدلوانے کو کہا تھا۔ دوسرے روز قائداعظمؒ نے کیپٹن حسن سے پھر پوچھا۔

قائداعظمؒ : دکاندار نے موزے بدل کر دیئے تھے یا آپ بدل کر لائے تھے؟

حسین : سر! اس نے بدل کر دیئے تھے۔

قائداعظمؒ : (مسکرا کر) میں دکاندار کو سبق سکھانا چاہتا تھا۔



تمہارا پیسہ بھی پورے طور پر تمہارا نہیں!

قائداعظمؒ کے اے ڈی سی فلائٹ لیفٹننٹ (اب گروپ کیپٹن) آفتاب احمد خاں جو دوسرے اے ڈی سیز کی طرح گورنر جنرل ہاؤس ہی میں رہتے تھے اور اپنی ضرورت کی چیزیں کمپٹرولر سے لیتے تھے۔ ایک بار ان کا بل قائداعظمؒ کی نظر سے گزرا۔ اسے دیکھ کر انہوں آفتاب احمد خان کو بلوا لیا۔

آفتاب : سر! آپ نے مجھے یاد فرمایا؟

قائداعظمؒ : مسٹر آفتاب! بیٹھ جایئے۔

آفتاب : سر!

قائداعظمؒ : تم نے اس بار اپنا بل دیکھا کتنا زیادہ ہے۔

آفتاب : جی، سر بات دراصل یہ ہوئی تھی ......

قائداعظمؒ : مسٹر آفتاب! توجیہ کی ضرورت نہیں۔ میں آپ سے وجہ نہیں پوچھ رہا ہوں اور نہ بازپرس ہی کر رہا ہوں۔ میرے بچے! میں تو تمہیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ تمہارا اپنا پیسہ بھی پورے طور پر تمہارا نہیں۔ کسی فرد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے اوپر اتنا زیادہ خرچ کرے کہ دوسرے ضروری اخراجات رہ جائیں یا کسی کی حق تلفی ہو۔

یاد رکھو! کمانا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا اس کو سلیقے اور دور اندیشی سے خرچ کرنا۔ آفتاب! سادگی سے رہنا سیکھو اور اپنے ذاتی مصارف کو ایک مناسب حد کے اندر رکھو۔ یہ بھی ایک اخلاقی ذمہ داری ہے۔

گروپ کیپٹن آفتاب احمد خان اس گفتگو کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"قائداعظمؒ ہر کام میں بلند ترین معیار کو حاصل کرنے پر اصرار کرتے تھے۔ دوسرے درجے کے کام یا دوسرے درجے کی چیز کی ان کی دنیا میں کوئی گنجائش نہیں تھی لیکن ان کا عام رویہ ہمارے ساتھ بلکہ تمام ماتحتوں کے ساتھ انتہائی مشفقانہ تھا۔ ہم نوجوان اے ڈی سیز کو تو وہ اپنے بچوں کی طرح چاہتے تھے۔ میرے بھاری بل پر جو انہوں نے بازپرس کی وہ بھی ان کی شفقت کی ایک صورت تھی۔

اس گفتگو میں انہوں نے مجھے مسٹر آفتاب کہہ کر مخاطب کیا۔ یہ بھی ان کا خاص انداز تھا۔ جب بھی وہ کسی سے خفا ہوتے یا کسی بات پر ناخوش ہوتے تو بجائے آواز کو اونچا کرنے کے یا کوئی سخت لفظ استعمال کرنے کے وہ بہت نرمی کے ساتھ نام سے پہلے

مسٹر کے لفظ کا اضافہ کر دیتے۔ یہ رسمی انداز تخاطب اس بات کا اشارہ ہوتا کہ کوئی بات انہیں ناگوار گزری ہے اور وہ تنبیہ کرنا چاہتے ہیں۔"



معاف کیجئے' اے ڈی سی نے غلطی سے آپ کو یہ وقت دے دیا

بمبئی مسلم لیگ کے رہنما ابوبکر بیگ محمد کے پاس مسلم لیگ کا کچھ پریس فنڈ تھا۔ پاکستان قائم ہوا تو انہوں نے اس سلسلہ میں قائداعظمؒ سے ملاقات کرنا چاہی۔ ابوبکر بیگ محمد کے بیٹے حسین بیگ محمد نے قائداعظمؒ کے اے ڈی سی سے رابطہ قائم کیا۔ اے ڈی سی نے انہیں دوسرے روز شام سات بجے کا وقت دے دیا۔ جب دوسرے دن یہ دونوں مقررہ وقت پر قائداعظمؒ سے ملنے پہنچے تو خلاف معمول وہ آدھ گھنٹہ لیٹ آگئے۔ یہ بالکل انہونی بات تھی۔

قائداعظمؒ : (اندر آتے ہی) معاف کیجئے گا۔ اے ڈی سی نے غلطی سے آپ کو نماز کے وقت مدعو کر لیا۔



امین! میں ٹھیک ہوں' فکر نہ کرو

اکتوبر 1947ء میں جب قائداعظمؒ دوسری بار لاہور گئے تو انہیں شدید نزلہ ہو گیا تھا۔ ان کے سیکرٹری فرخ امین ان کی ناسازی طبع سے بہت پریشان ہوئے۔

فرخ امین : جناب والا ! آپ کو شدید انفلوئنزا ہو گیا ہے۔ آپ اجازت دیجئے کہ لاہور کے بہترین ڈاکٹر کو بلایا جائے۔

قائداعظمؒ : امین ! تم پریشان نہ ہو' مجھے کچھ نہیں ہوا۔ اس طرح کا گلہ خراب میرا کئی بار ہوا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ (مزاحیہ انداز میں) میں نہیں چاہتا کہ ڈاکٹر میرے اوپر تجربات کریں۔

فرخ امین یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ وہ یہ بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی نرس ان کی دیکھ بھال کرے۔ انہیں دوسروں کا سہارا گوارا نہیں تھا۔ شروع شروع میں میں نے ایک آدھ بار

ان کے کاغذات اٹھا کر ان کے سامنے رکھے یا قلم اٹھا کر انہیں دیا۔ لیکن انہوں نے اس خدمت کو بھی پسند نہیں کیا۔



کیا کروں، بعض سکے تو کھوٹے ہیں

لاہور کے مشہور مسلم لیگی کارکن میاں عبدالعزیز، قائداعظمؒ سے اس وقت ملے تھے جب وہ لندن میں قانون کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ 1932ء میں پھر تجدید ملاقات ہوئی اور میاں صاحب نے اپنی خدمات قائداعظمؒ کو پیش کر دیں اور تحریک پاکستان کے لیے بڑا کام کیا۔ پاکستان بننے کے بعد نواب ممدوٹ نے لاہور میں قائداعظمؒ کے اعزاز میں بڑے پیمانے میں ایک عصرانہ کا اہتمام کیا تھا۔ اس موقع پر قائداعظمؒ بہت تھکے ہوئے اور مضمحل نظر آ رہے تھے۔ پھر بھی ہر ایک سے ہاتھ ملا رہے تھے اور جن سے پہلے تعارف تھا ان سے دو ایک باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ مدعوئین میں میاں عبدالعزیز بیرسٹر بھی تھے جونہی قائداعظمؒ کی ان پر نظر پڑی وہ خود ان کی طرف بڑھے۔

قائداعظمؒ : السلام علیکم! عبدالعزیز، آپ کا مزاج اچھا ہے؟

عبدالعزیز : میں تو اچھا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ عرض کر سکتا ہوں۔

قائداعظمؒ : کیوں، کیا بات ہے؟

عبدالعزیز : خدا کے لیے سر! پہلے اپنی صحت کی فکر کیجئے۔

قائداعظمؒ : عبدالعزیز! ابھی تو کام شروع ہوا ہے۔ خدا کرم کرے گا۔ لیکن کروں تو کیا کروں؟ جو سکے میرے پاس ہیں ان میں سے بعض تو کھوٹے ہیں۔

(نوائے وقت، 20 دسمبر 1960ء)



میں نے بھی رات جاگ کر گزاری ہے

دسمبر 1946ء میں جب قائداعظمؒ برطانوی کابینہ سے مذاکرات کرنے لندن گئے۔ تو ان کے استقبال کے لیے ہوائی اڈہ پر سینکڑوں مسلمان موجود تھے۔ ان میں سے بعض گلاسکو ایڈنبرگ جیسے دور دراز علاقوں سے آئے تھے اور قائداعظمؒ کے انتظار میں رات انہوں نے ایئرپورٹ پر گزار دی تھی۔ جب

قائداعظمؒ جہاز سے اترے تو چوبیں گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد بھی وہ شگفتہ تھے اور حسب معمول بے داغ لباس میں ملبوس تھے۔ ایک مسلم لیگی کارکن آگے بڑھے۔

کارکن : سر! ہم تمام رات نہیں سوئے۔

قائداعظمؒ : میں نے بھی رات جاگ کر گزاری ہے۔

اس واقعہ کے عینی شاہد زیڈ اے سلہری نے اس موقع پر قائداعظمؒ کی شگفتہ اور برجستہ گوئی کی ایک اور مثال بھی دی ہے۔

بی بی سی : آپ اس موقع پر کچھ فرمائیں۔

قائداعظمؒ : لندن والو! میں تمہارے لیے دھوپ لایا ہوں۔

اس فقرے میں لطف کا پہلو یہ تھا کہ دسمبر کی اس صبح کو حسن اتفاق سے یکایک سورج بادلوں سے نکل آیا تھا۔

(زیڈ اے سلہری' ص 132)



سرکاری سرمایہ' ایک امانت

پاکستان بننے کے بعد جب قائداعظمؒ پہلی بار مشرقی پاکستان جانے لگے تو یہ مسئلہ اٹھا کہ گورنر جنرل کا دقیانوسی ڈکوٹہ جہاز لاہور سے ڈھاکہ براہ راست پرواز نہیں کر سکتا تھا۔ اسے تیل لینے کے لیے راستہ میں لازمی طور پر دہلی میں رکنا پڑتا تھا۔ قائداعظمؒ نہیں چاہتے تھے کہ سرزمین ہند پر اس طرح قدم رکھیں۔ قائداعظمؒ نے اپنے سیکرٹری کو بلایا۔

قائداعظمؒ : کوئی ایسا انتظام نہیں ہو سکتا کہ جہاز راستہ میں اترے بغیر سیدھا ڈھاکہ چلا جائے۔

سیکرٹری : یہ ڈکوٹہ تو ایسا نہیں کر سکتا۔ متبادل صورت یہ ہے کہ کے ایم ایل کے مخصوص طیارے میں سفر کیا جائے۔

قائداعظمؒ : اس کا کرایہ کتنا ہو گا؟

سیکرٹری : آمدورفت پر تقریباً سات لاکھ خرچ ہوں گے۔

قائداعظمؒ : اس وقت سرکاری خزانہ اس خرچ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ کوئی ایسی صورت نکالو۔ آخر ڈکوٹہ میں کیا کمی ہے؟

سیکرٹری : اس کی تیل سٹور کرنے کی صلاحیت محدود ہے۔ اس لیے دہلی میں اس کے لیے رکنا لازمی ہے۔

قائداعظمؒ : اگر اتنی سی بات ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ آپ ڈکوٹہ میں ایک فالتو ٹینکی لگوانے کا انتظام کیجئے۔ میں نہ دہلی میں اترنا چاہتا ہوں نہ مخصوص طیارہ کرایہ پر لینا ضروری سمجھتا ہوں۔

اس واقعہ کے راوی نواب صدیق علی خان ''بے تیغ سپاہی'' میں لکھتے ہیں کہ ماہرین اس تجربے کے حق میں نہیں تھے۔ صدیق علی خان کی رائے بھی اس کے برخلاف تھی۔ لیکن قائداعظمؒ نے ضروری انتظام کروا کے اپنے پروگرام کے مطابق اسی ڈکوٹہ سے بغیر راستہ میں رکے مشرقی پاکستان کا سفر کیا۔

یہ مثال صرف جرات ہی کی نہیں بلکہ سرکاری سرمایہ کو بے ضرورت صرف نہ کرنے کے اصول کی بھی ہے۔



یہ کتنا بڑا المیہ ہے

1947ء کے اواخر میں قائداعظمؒ لاہور میں ہی تھے کہ انہیں بھارتی افواج کی کشمیر میں مداخلت کی خبر ملی۔ فرخ امین پاس ہی کھڑے تھے۔

قائداعظمؒ : فرخ!

فرخ امین : جی سر!

قائداعظم : مسلمان قوم کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ ان کے دشمنوں کو انہیں میں سے غدار مل جاتے ہیں جو ان کے لیے کام کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ ان دنوں مقبوضہ کشمیر کے وزیراعلیٰ شیخ عبداللہ تھے۔

(قائداعظمؒ کے آخری ایام' فرخ امین ص 150)



ظلم کا جواب ظلم نہیں

جنوری 1948ء میں کراچی میں جو مسلم فساد ہوا اس میں لوٹ مار بھی ہوئی۔ قائداعظمؒ نے سختی سے اس کا نوٹس لیا اور انتظامیہ کو سخت ہدایات جاری کیں کہ ہر قیمت پر لوٹ مار بند کی جائے۔ چنانچہ انتظامیہ نے سخت کارروائی کی۔ اس دارد گیر میں کچھ بے گناہ بھی پھنس گئے۔ ان کی فریاد لے کر مولانا احتشام الحق تھانوی قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

مولانا : میں یہ نہیں کہتا کہ لوٹ مار کرنے والوں کو سزا نہ دی جائے۔ لیکن ایک بڑی تعداد ان سرکاری ملازمین کی ہے جنہوں نے یہ سامان ہندوؤں سے بازار میں خریدا ہے۔ اس پر ہندوؤں کے نشانات ہیں۔ تلاشی میں وہ بھی پکڑے جائیں گے۔

قائداعظمؒ : آپ کا کیا خیال ہے کہ لوگ آپ کی بات مان لیں گے۔

مولانا : مجھے توقع تو ہے۔

قائداعظمؒ : اچھا آپ جا کر لوگوں سے اپیل کریں کہ جنہوں نے جو سامان لوٹا ہے وہ سارے کا سارا سامان ازخود گھروں میں سے باہر نکال کر کسی جگہ جمع کر دیں۔ میں ابھی تلاشی روک دینے کا حکم دیتا ہوں۔ آپ قوم کو بتائیے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم مظلوم ہیں۔ ہندو قوم نے ہمارے لاکھوں مردوں' عورتوں اور بچوں کو قتل کیا ہے اور ان کے گھر لوٹے ہیں۔ لیکن ہم ظلم کا بدلہ ظلم سے نہیں دینا چاہتے۔ یہ ایک اسلامی ملک ہے۔ ہم یہاں ایک ایسی کتاب کھولیں گے جس کے کسی ورق پر بھی خیانت اور بددیانتی کا داغ دھبہ نہ ہو گا۔



عدلیہ کا وقار

1948ء کا واقعہ ہے کہ قائداعظمؒ کوئٹہ میں تشریف فرما تھے کہ فورٹ سنڈیمان سے کسی نے جوڈیشل کمشنر اے آر خان کو انتقال مقدمہ کی درخواست دی۔ انگریز اے جی جی (ایجنٹ ٹو گورنر جنرل) بھی اس کیس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اس نے اے آر خان کو فون کیا کہ یہ کیس ایک سے دوسری عدالت میں منتقل نہ کیا جائے۔ یہ سن کر وہ خاموش رہے۔ دوسرے دن انہوں نے اے جی جی کو اظہار وجوہ کا نوٹس جاری کر دیا۔ اس پر عدالتی امور میں مداخلت کا الزام تھا۔ دو فرلانگ دور ریذیڈنسی تھی جہاں قائداعظمؒ بحیثیت گورنر جنرل تشریف فرما تھے۔ اے آر خان نے اس نوٹس کی کاپی انہیں بھی بھیجی۔ پیشی پر اے جی جی حاضر عدالت نہ ہوا تو جوڈیشل کمشنر نے اے جی جی کو پھر سمن بھیجے کہ اگر وہ

مقررہ تاریخ پر پیش نہ ہوا تو پھر اس کے وارنٹ گرفتاری جاری کیئے جائیں گے۔ چونکہ اے جی جی کو انسپکٹر جنرل پولیس کے اختیارات بھی تھے اور پولیس اسے گرفتار نہیں کر سکے گی۔ اس لیے جوڈیشل کمشنر نے اس نوٹس میں یہ بھی لکھا کہ یہ گرفتاری عدالت اپنے عملہ کے ذریعے عمل میں لائے گی۔ اس نوٹس کی کاپی بھی قائداعظمؒ کو بحیثیت گورنر جنرل بھیجی گئی۔ اس صورت حال کے پیش نظر اے جی جی ان سے ملا۔

اے جی جی : جناب والا ! جوڈیشل کمشنر نے جو سمن میرے نام جاری کیئے ہیں وہ آپ کے علم میں ہوں گے۔

قائداعظمؒ : ان سمنوں کی کاپیاں مجھے ملتی رہی ہیں۔ آپ نے سمن تعمیل کیا ہے نا!

اے جی جی : جی ہاں

قائداعظمؒ : سیدھی سی بات ہے تو پھر آپ عدالت میں پیش کیوں نہیں ہوتے۔ مقررہ تاریخ پر آپ کو عدالت میں پیش ہونا چاہئے اور غیر مشروط معافی نامہ داخل کرنا چاہئے۔ اگر عدالت آپ کو معاف کرے تو ٹھیک ہے ورنہ نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہیے۔

اس واقعہ کے راوی کوئٹہ کے عاصم ملک مزید لکھتے ہیں کہ مقررہ تاریخ پر اے جی جی کو ملزم کی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں کوئی دو گھنٹے تک کھڑا رہنا پڑا۔ وہیں اس نے قائداعظمؒ سے اپنی ملاقات کی روداد بھی سنائی اور کہا کہ میں بلوچستان کی انتظامیہ کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے ہر چھوٹی بڑی عدالت کا احترام کرتا ہوں۔



ہتھیار نہیں پھینکے جائیں گے

1948ء کے اوائل میں ایک رات ایسی آئی جب پاکستان پر ہندوستان کے حملے کا شدید خطرہ تھا۔ قائداعظمؒ نے کابینہ کی میٹنگ بلائی۔ رات کے دو بجے تک اجلاس جاری تھا۔ کابینہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکی۔

آخر میں قائداعظمؒ نے کہا۔

قائداعظمؒ : آپ پر تھکاوٹ کے آثار ہیں اس لیے آرام کریں۔ ایک فیصلہ میں نے کر لیا ہے۔ وہ یہ کہ جب تک آخری بچہ بحیرہ عرب کی نذر نہ ہو جائے ہتھیار نہیں ڈالے جائیں گے۔

قائداعظمؒ کے اس قول کو محمد حسین چھمہ نے سردار عبدالرب نشتر کے حوالے سے اپنے انٹرویو میں نقل کیا ہے۔



اللہ کا شکر ہے، کیا سے کیا ہو گیا!

فروری مارچ 1948ء میں پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کے بجٹ سیشن کے دوران قائداعظمؒ نے نواب ممدوٹ، میاں ممتاز دولتانہ، ملک فیروز خان نون، سردار شوکت حیات، چوہدری نذیر احمد اور بیگم آرا شاہنواز کو گورنر جنرل ہاؤس میں دوپہر کے کھانے پر بلایا۔ ایک مثبت بجٹ پیش کیا گیا تھا۔ اس کی وجہ سے قائداعظمؒ بہت خوش تھے۔ بیگم جہاں آراء قائداعظمؒ کے داہنی طرف بیٹھی تھیں۔

جہاں آراء : وہ جو یہ کہتے تھے کہ پاکستان معاشی طور پر خودکفیل نہیں ہو گا آج انہیں شرم سے ڈوب مرنا چاہیے۔

قائداعظمؒ : جب میں کراچی آیا اور گورنر جنرل کے طور پر چارج لیا تو آپ کو معلوم ہے کہ خزانے میں کیا تھا؟

جہاں آراء : سر!

قائداعظمؒ : خزانے میں بیس کروڑ روپے تھے اور میز پر تقریباً چالیس کروڑ روپے کے واجب الادا بل پڑے تھے۔ دفتروں میں برائے نام فرنیچر تھا۔ حتیٰ کہ بعض قلم دان و دوات خشک ہی نہیں ٹوٹے پڑے تھے۔ اب چھ مہینے میں ہر چیز ٹھیک ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم و فضل سے یہ نوآزاد اسلامی مملکت اب مستحکم ہو گئی ہے۔

جہاں آراء : سر! پاکستان کا دارالحکومت یہیں رہے گا یا کسی اور جگہ منتقل ہونا بہتر ہو گا۔

شوکت حیات : سر! لاہور کے بارے میں کیا خیال ہے۔ آپ لاہور کیوں نہ آئے؟

قائداعظمؒ : (مسکرا کر) یہ بلاوا آپ دیر سے دے رہے ہیں۔ پہلے صرف سندھ نے دعوت دی تھی جو میں نے قبول کر لی ہے۔ کم از کم اس موجودہ وقت کے لیے۔

(قائداعظمؒ اور مسلم خواتین، ص 18)



تم نے خان برادران کو بلایا ہے؟

مارچ 1948ء میں قائداعظمؒ پشاور گئے تو پشاور سٹی مسلم لیگ نے اسمبلی چیمبرس کے لان میں ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ اس کے کرتا دھرتا پشاور مسلم لیگ کے صدر خان فدا محمد خان تھے۔ استقبالیہ سے ایک روز پہلے قائداعظمؒ نے فدا محمد خان کو بلایا۔

قائداعظمؒ : تم نے استقبالیہ میں خان برادران کو بلایا ہے؟

فدا : (خان برادران سے تعلقات کی ناخوشگواری کی وجہ سے برہم خاموشی کے بعد) سرا حکم کی تعمیل ہو گی۔

قائداعظمؒ : انہیں کہاں بٹھاؤ گے؟

فدا : جہاں اور مہمانوں کو بٹھایا جائے گا یہ بھی وہیں بیٹھیں گے۔

قائداعظمؒ : نہیں، ان کی کرسی میرے قریب رکھنا۔

فدا محمد خان لکھتے ہیں کہ یہ کہنے کے بعد قائداعظمؒ نے مزید فرمایا کہ میں یہ سمجھتا ہوں، پٹھان پاکستان کی تعمیر و ترقی میں بہت بڑا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان میں وہ جوہر ہے جسے وہ بروئے کار لائیں گے۔ واضح رہے، فدا محمد خان مزید لکھتے ہیں کہ یہ وہ وقت تھا جب پختونستان کا تھوڑا تھوڑا چرچا ہونے لگا تھا۔

(سالار کارواں، ص 106)



کہیں ہندو میری موت کا انتظار نہ کرنے لگے

جولائی 1948ء میں قائداعظمؒ زیارت میں زیرعلاج تھے۔ جب انہیں خاطر خواہ افاقہ ہوا تو لاہور سے کرنل ڈاکٹر الٰہی بخش کو بلوایا گیا۔ مرض کی تشخیص کے لیے انہوں نے ضروری ایکسرے وغیرہ لیے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ قائد کے پھیپھڑے متاثر ہیں۔ ایک روز قائداعظمؒ نے پوچھا۔

قائداعظمؒ : ڈاکٹر! آپ کی تشخیص کیا ہے؟

ڈاکٹر : میرے تجزیہ کے مطابق آپ کو ٹیوبرکلوسس ہے۔

قائداعظمؒ : ڈاکٹر! یہ تو میں کئی برس سے جانتا ہوں۔ صرف اس لیے ظاہر نہ کیا کہ ہندو میری موت کا انتظار نہ کرنے لگے۔



پھولوں کا تحفہ قبول، مگر روز نہیں

قائداعظمؒ کی خودداری اس درجہ کی تھی کہ وہ کسی کا احسان، خاص طور پر ماتحتوں کا احسان لینا گوارا نہیں کرتے تھے خواہ وہ کتنا ہی معمولی اور بے ضرر کیوں نہ ہو۔ 6 اگست 1948ء کو بیگم میجر جنرل محمد اکبر خان نے ڈاکٹر الٰہی بخش کے توسط سے قائداعظمؒ کی خدمت میں انگور بھیجے۔ شام کو یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : انگور بہت اچھے تھے۔ مجھے بہت پسند آئے۔ ایسے اچھے انگور آپ کو کہاں سے مل گئے؟

ڈاکٹر : یہ انگور بیگم جنرل محمد اکبر خان نے میرے ہاتھ آپ کے لیے بھیجے تھے۔

قائداعظمؒ : میری طرف سے ان کا شکریہ ادا کیجئے گا۔

ڈاکٹر : بیگم صاحبہ ایسے انگور ہر روز بھجوا سکتی ہیں۔ اگر آپ فرمائیں تو۔

قائداعظمؒ : نہیں، ان کو یہ زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔

ڈاکٹر الٰہی بخش نے قائداعظمؒ کی احسان نہ لینے کی عادت کا ایک اور واقعہ لکھا ہے۔ ایک روز انہوں نے قائداعظمؒ کی خدمت میں چند سبز گلاب پیش کئے۔

قائداعظمؒ : یہ سبز گلاب کی ایک نایاب قسم ہے۔ بہت خوب، شکریہ!

ڈاکٹر : یہ پھول جنرل محمد اکبر خان کے باغیچے کے ہیں۔ انہوں نے بطور خاص آپ کی خدمت میں بھیجے ہیں اور کہا ہے کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو وہ ہر روز ایسے پھول بھیج دیا کریں۔

قائداعظمؒ : اس نادر اور خوبصورت تحفہ کا شکریہ۔ میں جنرل کو مزید پھول بھیجنے کی زحمت نہیں دینا چاہتا۔

اگست 1948ء کے اواخر میں جب قائداعظمؒ زیارت سے کوئٹہ آگئے تھے تو چند دنوں کے بعد ان کی طبیعت قدرے سنبھلنے لگی۔ ایک روز ایک عرصہ کے بعد انہوں نے سگریٹ پینے کی خواہش ظاہر کی جس کی اجازت ڈاکٹروں نے دے دی۔ اتفاق سے قائداعظمؒ کے پسندیدہ برانڈ کریون اے کے ڈبے ڈاکٹر الٰہی بخش کے پاس موجود تھے۔ انہوں نے ایک ڈبہ بھجوا دیا۔ شام کو یہ باتیں ہوئیں۔

ڈاکٹر : جناب! سگریٹ آپ کو پسند آئے؟ تازہ تو تھے؟

قائداعظمؒ : شکریہ! ہاں ٹھیک ہیں۔

لیکن دوسرے روز صبح ان کا تبصرہ یہ تھا۔

ڈاکٹر : رات کیسے گزری؟ کوئی سگریٹ لیا؟

قائداعظمؒ : یہ سگریٹ کچھ بدمزہ ہو گئے ہیں۔ کیا لاہور سے تازہ نہیں منگائے جا سکتے؟

ڈاکٹر : کیوں نہیں' میں آج ہی لکھتا ہوں۔

اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر الٰہی بخش اپنی کتاب "قائداعظمؒ کے آخری ایام" میں لکھتے ہیں؟

"پہلے تو حیران ہوا کہ رات بھر میں یہ سگریٹ بدمزہ کیسے ہو گئے لیکن فوراً ہی خیال آیا کہ اصل میں قائداعظمؒ میرا احسان لینے سے بچنا چاہتے تھے۔ یہ ان کی ایک نمایاں خصوصیت تھی کہ وہ کوئی چیز بلا قیمت کبھی قبول نہیں کرتے تھے۔"



صرف ضروری خرچ

قائداعظمؒ زیارت میں ڈاکٹر الٰہی بخش کے زیرعلاج تھے۔ جولائی 1948ء کے اواخر میں جب زیارت کا موسم ٹھنڈا ہونے لگا تو انہوں نے دیکھا کہ قائداعظمؒ کے گرم کپڑے نہیں ہیں۔ ان کو سردی لگ جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کی اجازت سے گرم کپڑوں کے لئے کراچی لکھ دیا۔ دوسرے دن ان کی قائداعظمؒ سے یہ گفتگو ہوئی۔

ڈاکٹر : جناب! پاجامے جو پہنتے ہیں آپ' بہت ہلکے ہیں۔ ڈر ہے کہ کہیں آپ کو سردی نہ لگ جائے۔

قائداعظمؒ : میرے پاس ریشمی پاجامے ہیں۔ خیال ہے کہ گاڑھے کے پاجامے بنوا لیے جائیں۔

ڈاکٹر : لیکن جناب! سوتی کپڑے کے پاجامے مناسب نہیں ہوں گے۔ آپ کو اونی کپڑے پہننے کی ضرورت ہے۔

قائداعظمؒ : لیکن میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میرے پاس اور پاجامے نہیں ہیں۔

ڈاکٹر : میرا خیال تھا کہ آپ کو اونی پاجامے پہننے چاہئیں۔ اس لیے آپ کی اجازت کے بغیر ہی میں نے 30 گز وائلا کے لیے کراچی لکھ بھیجا ہے۔

قائداعظمؒ : ڈاکٹر! سنئے میری نصیحت یہ ہے کہ جب آپ کچھ خریدنا چاہیں تو دوبارہ غور کر لیا کریں کہ کیا اس کے بغیر کام چل سکتا ہے یا نہیں یا واقعی اس کی ضرورت ہے۔

اصل میں مسئلہ چند گز کا نہیں تھا' ایک اصول کا تھا۔ قائداعظمؒ تھوڑے سے فضول خرچ کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کا مزاج منطقی تھا۔ جب ڈاکٹر الٰہی بخش نے انہیں اونی کپڑوں کی ضرورت پر قائل کر لیا تو ان کی ناراضگی جاتی رہی۔



سرکاری منصب اور ذاتی ضرورت

اواخر اگست 1948ء میں ڈاکٹر الٰہی بخش نے کوئٹہ سے کراچی چلنے کا ذکر چھیڑا۔

ڈاکٹر : میرا خیال ہے کہ اب کوئٹہ آپ کی صحت یابی کے لیے سازگار نہیں رہا۔

قائداعظمؒ : یہاں ٹھنڈک قدرے زیادہ ہے۔

قائداعظمؒ : سبی کیسا رہے گا؟

ڈاکٹر : سبی میں گرمی زیادہ ہے۔ وہاں جھکڑ چلتے ہیں اور دور افتادہ بھی ہے۔

قائداعظمؒ : پھر ادھر ہی کوئی اور جگہ؟

ڈاکٹر : میرے خیال میں تو جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا' کراچی بہتر رہے گا۔

قائداعظمؒ : آپ مجھے کراچی لے جانے پر اس قدر مصر کیوں ہیں؟

ڈاکٹر : کوئٹہ کی بلندی آپ کے لیے مضر ہے۔ یہاں ذرا سی تکان سے آپ کے سانس پر اثر پڑتا ہے۔ کراچی کا موسم ان دنوں خاصا خوشگوار ہے۔ پھر کراچی سطح سمندر پر واقع ہے۔

قائداعظمؒ : آپ مجھے عصا کے سہارے کراچی لے جانا چاہتے ہیں لیکن میں اس وقت تک وہاں نہ جاؤں گا جب تک کار سے لے کر اپنے کمرے تک چل کر جانے کے قابل نہ ہو جاؤں۔ آپ جانتے ہیں کہ میرے کمرے تک پہنچنے کے لیے برآمدے سے آگے اے ڈی سی اور پھر ملٹری سیکرٹری کے کمرے سے گزرنا پڑتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ آپ یہ فاصلہ مجھے سٹریچر پر لٹا کر طے کریں۔

ڈاکٹر : اگر یہ بات ہے تو پھر ملیر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس طرح آپ گورنر جنرل ہاؤس جانے سے بچ جائیں گے۔

قائداعظمؒ : ملیر پہ مجھے اعتراض نہیں۔ اگر یہ آپ کے نقطہ نظر سے موزوں رہے گا۔ لیکن ملیر میں کس جگہ؟

ڈاکٹر : ملیر میں بہاولپور ہاؤس بہت مناسب رہے گا اور اس کا حصول بھی مشکل نہ ہو گا۔ نواب صاحب بہاولپور ان دنوں لندن میں ہیں۔ آپ کی طرف سے انہیں تار دے دیتے ہیں۔

قائداعظمؒ : آپ نے شاید سنا ہو گا کہ پہلے زمانے میں جب کوئی وکیل ہائی کورٹ کا جج مقرر ہو جاتا تھا تو وہ کلبوں اور محفلوں میں جانا بند کر دیتا تھا بلکہ بعض اوقات تو مقامی اخبارات پڑھنے سے بھی گریز کرتا تھا کہ کہیں ان سے اس کی غیرجانبداری میں خلل نہ پڑے۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ گورنر جنرل کی حیثیت سے میرا ہزہائی نیس نواب بہاولپور سے کچھ کہنا مناسب نہیں۔ یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہو گا۔



ایک خواب کی تعبیر

اپنی فانی زندگی کے آخری دنوں میں قائداعظمؒ زیارت میں تھے۔ وہ بیمار تھے لیکن زندگی کی امنگ باقی تھی۔ زیارت سے بہت متاثر تھے۔ ایک روز انہوں نے اپنے سیکرٹری مسٹر امین سے یہ باتیں کیں۔

قائداعظمؒ : امین! تم نے زیارت کو گھوم پھر کے دیکھا ہو گا۔ جو کچھ میں نے دیکھا ہے' یہ جگہ بہت پسند آئی۔

امین : جی جناب! بہت خوبصورت جگہ ہے۔

قائداعظمؒ : اس کو دیکھ کر میں ایک خواب سا دیکھنے لگتا ہوں۔ اس جگہ ترقی پانے کے لیے بے انتہا امکانات ہیں۔ میں چشم تصور سے وہ وقت دیکھتا ہوں جب زیارت ایک ترقی یافتہ ہل سٹیشن بن چکا ہو گا۔ میں اس طرح کے خواب دیکھتا ہوں اور کبھی کبھی وہ خواب حقیقت میں بھی ڈھل جاتے ہیں۔ پاکستان بھی کچھ دن پہلے ایک خواب ہی تھا جو اب ایک حقیقت بن گیا ہے۔



اللہ کا شکر ہے کہ جس نے یہ دن دکھایا

قائداعظمؒ نے 15 اگست 1947ء کو جمعہ کے دن گورنر جنرل کا حلف اٹھایا۔ اس تقریب میں شرکت کے لیے مسٹر حسین ملک دہلی سے کراچی آئے۔ جب قائداعظمؒ حلف اٹھا چکے تو انہوں نے مبارکباد دی۔

حسین ملک : آپ کو مبارک ہو! جو خواب آپ نے دیکھا تھا۔ آج اس کی تعبیر آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

قائداعظمؒ : اللہ کا شکر ہے کہ وہ حقیقت جسے خواب کہا جاتا تھا عمل میں آگئی۔ اب ہم ایک آزاد قوم ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ قوم کی رہنمائی صحیح طور پر کریں اور ملک کو مستحکم کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کر دیں۔



صالح! ذرا اس بچے کو تو بلاؤ

اپنی آخری علالت کے ابتدائی زمانے میں قائداعظمؒ زیارت ریذیڈنسی کے سبزہ زار پر صبح چہل قدمی کیا کرتے تھے۔ اس دوران ریذیڈنسی کے ہیڈ مالی صالح محمد سے پھول پتوں کے بارے میں باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ ایک روز قائداعظمؒ اسی طرح ٹہل رہے تھے کہ سامنے سے ایک خستہ حال بچہ گزرا۔ انہیں دیکھ کر پہلے تو وہ ذرا کی ذرا رکا۔ پھر آگے بڑھ گیا۔ جب ان کی اس پر نظر پڑی تو قائداعظمؒ نے صالح محمد کو پکارا۔

قائداعظمؒ : صالح! ذرا اس بچے کو بلاؤ۔

صالح : (بچے کو اندر لاتے ہوئے) جی جناب!

قائداعظمؒ : اس سے پوچھو کہ یہ کیا کرتا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟

صالح : (بچے سے پوچھ کر) جناب یہ بازار سے چاول لینے جا رہا ہے۔

قائداعظمؒ : اس کا باپ کہاں ہے؟

صالح : (پھر بچے سے پوچھ گچھ کرکے) اس کا باپ مر چکا ہے۔ اس کی ماں ہے، ایک چھوٹا بھائی اور ایک بہن ہے۔ گھر میں بڑا یہی ہے اور گھر کا کام کاج یہی کرتا ہے۔

23 دسمبر 1983ء کے کوئٹہ کے ٹی وی پروگرام میں صالح محمد صاحب نے یہ گفتگو بیان کرنے کے بعد بتایا کہ قائداعظمؒ نے اس بچے کے گھر کا راشن مقرر کر دیا اور کچھ امداد بھی دی۔

صالح محمد نے مزید کہا کہ اپنی چہل قدمی کے دوران وہ اکثر بچوں سے باتیں کرتے تھے۔ اسی پروگرام میں حاجی عبدالمجید نے بتایا کہ زیارت کے قیام کے دوران قائد سے ملنے ایک شخص سردار خان بھی آتے تھے۔ ان کی چھوٹی بیٹی اکثر ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ جب وہ نہ آتی تو قائداعظمؒ اس کے بارے میں ضرور پوچھتے تھے۔ ایک روز وہ آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک گڑیا تھی۔ قائداعظمؒ نے اس سے اس کی گڑیا کے بارے میں باتیں کیں اور پھر اس کو خاص طور پر کوئٹہ سے گڑیاں اور کھلونے منگوا کر دیئے۔



قوت ارادی کا اعجاز

29 اگست 1948ء کی صبح کو جب ڈاکٹر الٰہی بخش قائداعظمؒ کا معائنہ کر چکے تو یہ گفتگو ہوئی۔

ڈاکٹر : مجھے امید ہے کہ جس ریاست کو آپ وجود میں لائے ہیں اسے پوری طرح مستحکم اور استوار کرنے کے لیے آپ ابھی دیر تک زندہ رہیں گے۔

قائداعظمؒ : آپ کو معلوم ہے کہ جب آپ پہلی بار زیارت پہنچے تو میں زندہ رہنا چاہتا تھا لیکن اب میرا مرنا جینا برابر ہے۔

ڈاکٹر : جناب! اب آپ کی صحت بہت بہتر ہے۔ آپ ایسا آدمی مایوس کیوں ہو۔

قائداعظمؒ : میں اپنا کام پورا کر چکا ہوں۔

یہ گفتگو نقل کرنے کے بعد ڈاکٹر الٰہی بخش لکھتے ہیں:

"اگر ان میں اتنی زبردست قوت ارادی نہ ہوتی تو کب کے اس موذی مرض کا شکار ہو چکے ہوتے۔ میرے اس خیال کو بلوچستان میں گورنر جنرل کے ایجنٹ کے بیان سے اور تقویت ہوئی۔ ایجنٹ صاحب پہلی بار قائداعظمؒ سے ملے تو اس روز وہ تمام دن مختلف تقریبوں میں مصروف رہنے سے تھک کر چور ہو گئے تھے۔ مگر اپنے فرائض کو سرگرمی سے انجام دیئے جا رہے تھے۔ شام کو انہوں نے خود فرمایا کہ میں اپنی زندگی کے سارے ہنگاموں سے اپنی قوت ارادی ہی کے بل پر عہدہ برآ ہوتا ہوں۔"

قائداعظمؒ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد ڈاکٹر الٰہی بخش لکھتے ہیں :
"کوئٹہ میں جو نمایاں اصلاح ان کی صحت میں ہوئی تھی وہ سراسر ان کی قوت ارادی اور اپنا کام پورا کرنے کی امنگ ہی کا نتیجہ تھی۔"



اب میں مرنے کو تیار ہوں

قائداعظمؒ کی آخری علالت کے زمانے کا ذکر ہے۔ اگست 1948ء میں زیارت سے کوئٹہ آکر ان کی صحت بہتر ہو رہی تھی۔ ان کے معالج ان کی صحت کی بحالی کی رفتار سے بہت مطمئن تھے۔ ایک شام ان کو بہت اچھے موڈ میں دیکھ کر ڈاکٹر الٰہی بخش نے کہا۔

ڈاکٹر : "ہماری انتہائی کوشش ہے کہ آپ کی صحت اتنی اچھی ہو جائے جتنی آج سے سات آٹھ سال پہلے تھی۔ پاکستان کو ابھی آپ کی ضرورت ہے۔"

قائداعظمؒ : چند سال قبل یقیناً میری آرزو تھی کہ میں زندہ رہوں تاکہ جو کام قوم نے میرے سپرد کیا ہے اور قدرت نے جس کے لیے مجھے مقرر کیا ہے میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ اب وہ کام پورا ہو گیا ہے۔ میں اپنا فرض پورا کر چکا ہوں۔ پاکستان بن گیا ہے۔ اس کی بنیادیں مضبوط ہیں۔ ادھر چند ماہ سے مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ قوم کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ قوم کو مل گئی۔ اب یہ قوم کا کام ہے کہ وہ اس کی تعمیر کرے' اس کو ناقابل تسخیر بنائے اور ترقی دے۔ حکومت کا نظم و نسق دیانت اور محنت سے چلائے۔ میں طویل سفر کے بعد تھک گیا ہوں۔ آٹھ سال تک مجھے قوم کے اعتماد و تعاون پر تنہا دو عیار اور مضبوط دشمنوں سے لڑنا پڑا ہے۔ میں نے خدا کے بھروسے پر انتھک کوشش اور محنت کی ہے اور اپنے جسم کا آخری قطرہ تک حصول پاکستان کے لیے صرف کر دیا ہے۔ میں تھک گیا ہوں' آرام چاہتا ہوں۔ اب مجھے زندگی سے دلچسپی نہیں۔



میں اپنا کام ختم کر چکا ہوں

اپنی آخری علالت کے زمانے میں قائداعظمؒ زیارت میں صاحب فراش تھے۔ ڈاکٹر الٰہی بخش ان کا علاج کر رہے تھے۔ ایک روز انہوں نے بر سبیل تذکرہ کہا۔

ڈاکٹر : جو پاکستان آپ نے اپنی طویل جدوجہد کے بعد حاصل کیا ہے اسے مضبوط بنانے کے لیے ہمیں ابھی مزید دس برس تک آپ کی ضرورت ہے۔

قائداعظمؒ : میں اپنا کام کر چکا۔ اب مجھے مرنے کا ملال نہیں ہو گا۔ لیکن میں زیارت میں مرنا نہیں چاہتا۔ (کچھ توقف کے بعد) آپ کے پاس اب سب کچھ ہے۔ ایک آزاد اور خودمختار ملک' جس میں زندگی کی تشکیل آپ اپنی مرضی کے مطابق کر سکتے ہیں۔ قدرت نے آپ کو سب کچھ دیا ہے۔ آپ کے وسائل لامحدود ہیں۔ سوائے کوئلہ اور لوہے کے۔ لیکن یہ چیزیں بھی آپ اپنی فاضل پیداوار کے تبادلہ میں دوسرے ملکوں سے حاصل کر سکتے ہیں اب یہ کام نئی نسل کا ہے وہ اپنے ملک کی تعمیر کرے اور مضبوط بنائے۔

کم و بیش یہی وہ الفاظ ہیں جو قائداعظمؒ نے اپنے 14 اگست 1948ء کے یوم استقلال کے پیغام میں ارشاد فرمائے۔ گویا یہ آخری پیغام ہے۔



ترقی کے لامحدود امکانات

اگست 1948ء میں زیارت سے کوئٹہ آکر قائداعظمؒ کی صحت کچھ دنوں تک بہتر ہوتی رہی۔ اس عرصہ میں ان کے ایک معالج ڈاکٹر ریاض علی شاہ کو لاہور جانا پڑا۔ جب واپس آئے تو یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : آپ خیریت سے واپس آگئے؟

ڈاکٹر شاہ : جی ہاں' شکر ہے۔ میں بال بچوں کو ساتھ لے آیا ہوں۔

قائداعظمؒ : اچھا کیا۔

ڈاکٹر شاہ : اب آپ اندر سے کیا محسوس کرتے ہیں؟

قائداعظمؒ : میں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔

(قدرے توقف کے بعد) پاکستان کو خدا نے ہر چیز دے رکھی ہے۔ معدنیات و زراعت کے وسیع وسائل' اقتصادیات کی ترقی کے روشن امکانات' ملک کو صنعتی بنانے کے ذرائع غرضیکہ ہر چیز پاکستان میں موجود ہے۔ قدرت کی فیاضی نے اس ملک کو دولت سے مالا مال کر رکھا ہے۔ لیکن ضرورت' محنت' خلوص اور دیانت داری کی ہے۔ اگر پاکستانی مسلمان اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کر سکے۔ انشاء اللہ میری قوم میں یہ اوصاف پیدا ہو کر رہیں گے۔ میں مسلمانوں سے کبھی مایوس نہیں ہوا۔ میرے ہادی اور آقا کی تعلیمات میں مایوسی کا لفظ تک نہیں۔ زندہ قوموں کو انتہائی مصائب اور مشکلات میں بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب وہ مصیبتوں' مشکلوں' طوفانوں اور آندھیوں میں گھر جائے تو غیراللہ سے رشتہ توڑ کر اپنے خدا کی طرف رجوع کرے کیونکہ وہ مصیبتوں کو راحتوں میں بدلنے پر قادر ہے تو پھر مسلمان کسی مصیبت سے خوفزدہ کیوں ہو۔ مسلمانوں کو دشمن کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ پوری قوت سے ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔



پاکستان کا روشن مستقبل

جولائی 1948ء کے اواخر میں قائداعظمؒ کی صحت قدرے بہتر ہو گئی تھی۔ تھوڑی بہت توانائی بحال ہوتے ہی وہ اکثر اپنے معالجوں سے مختلف موضوعات پر بحث کرتے۔ بیشتر تو ان کی گفتگو کا موضوع پاکستان ہی ہوتا۔ ایک روز جب ڈاکٹر ریاض علی شاہ ان کو انجکشن لگا چکے تو کچھ دیر ان کے پاس ٹھہرے رہے۔ قائداعظم نے کہا۔

قائداعظمؒ : ڈاکٹر صاحب! اب آپ کی رائے میری صحت کے بارے میں کیا ہے؟

ڈاکٹر شاہ : جناب اب آپ کی عمومی صحت پہلے سے بہتر ہے۔

قائداعظمؒ : شکر ہے کہ میں بھی یہی محسوس کرتا ہوں۔

(تھوڑے توقف کے بعد) آج پاکستان ایک زندہ حقیقت ہے۔ ایک ایسی حقیقت جس کا دوست اور دشمن سب ہی اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ پاکستان بن چکا ہے۔ پاکستان کا مستقبل تابناک ہے۔ میرے دل کو اطمینان ہے کہ براعظم ہند

میں مسلمان غلام نہیں بلکہ ایک آزاد قوم کی حیثیت سے آزاد مملکت کے مالک ہیں جس کے وسائل اور ذرائع لامحدود ہیں۔ جس کی ترقی کی شاہراہیں نمایاں ہیں اور انشاء اللہ مستقبل قریب میں پاکستان دنیا کا عظیم ملک بن جائے گا۔ ڈاکٹر! جب میں محسوس کرتا ہوں کہ میری قوم آج آزاد ہے تو میرا سر عجز و نیاز کی فراوانی سے اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاتا ہے۔ ذرا سوچو! یہ مشیت ایزدی نہیں تو کیا ہے کہ وہ قوم جس کو برطانوی سامراج اور ہندو بنئے نے ہندوستان سے مٹانے کی سنگین سازش کر رکھی تھی' آج وہ قوم آزاد ہے' اس کا اپنا ملک ہے' اپنا پرچم ہے' اپنی حکومت ہے' اپنا سکہ اور اپنا دستور ہے۔ کیا کسی قوم پر اس سے بڑھ کر خدا کا اور کوئی انعام ہو سکتا ہے۔ خدا کے اس انعام کی حفاظت اب مسلمان کا فرض ہے۔ پاکستان ایک تحفہ ہے اور اس خداوندی تحفے کا تحفظ ہر مسلمان کا ایمان ہونا چاہیے۔ اگر پاکستانی نیک نیتی سے' دیانتداری' خلوص اور نظم و ضبط سے دن رات کام کرتے رہے اور ان میں نفاق' جاہ طلبی اور ذاتی مفاد پرستی کے قابل مذمت رجحانات پیدا نہ ہوئے تو انشاء اللہ چند سالوں میں ہی وہ دنیا کی بڑی قوموں میں شمار ہونے لگیں گے۔ ان کا ملک امن و آشتی' تہذیب و تمدن' ثقافت و شرافت کا مرکز ہو گا اور اس کی حدود سے ترقی کی شعاعیں نکل کر ایشیائی ممالک کی رہنمائی اور رہبری کریں گی' اور ان کو ترقی و امن کا راستہ دکھائیں گی۔



پاکستان قائم و دائم رہے گا!

مرزا ابوالحسن اصفہانی جولائی 1948ء میں قائداعظمؒ سے ملنے زیارت گئے۔

اصفہانی : جناب میں دیکھتا ہوں کہ اس بیماری کی حالت میں بھی آپ کے اردگرد فائلوں کا انبار ہے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ کام بھی ضروری ہے۔ لیکن آپ کی جان اس کام سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

قائداعظمؒ : میرے بچے! ایک وقت تھا کہ جب واقعی مجھے تشویش رہتی تھی کہ کیا پاکستان ان مسائل و مصائب سے جانبر ہو سکے گا جو تقسیم کے بعد ہندوستان نے ہمارے لیے پیدا کر دیئے تھے۔ وہ غیریقینی دور کم و بیش سال بھر اوائل جولائی 1948ء تک

جاری رہا۔ خدا کا شکر ہے کہ ان بحرانوں سے ہم کامیابی سے گزر آئے ہیں۔ اب مجھے کوئی اندیشہ نہیں۔ انسان آتے جاتے رہیں گے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ پاکستان اب مضبوطی سے قائم ہو چکا ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ قائم و دائم رہے گا۔



آخری لمحات اور آخری الفاظ

11 ستمبر کی رات دس بج کر دس منٹ پر کرنل ڈاکٹر الٰہی بخش نے قائداعظمؒ کو طاقت کا انجکشن دیا۔ قائداعظمؒ نے تھوڑی سی آنکھیں کھولیں۔

ڈاکٹر : جناب ہم نے ایک طاقت کا انجکشن دیا ہے۔ انشاء اللہ آپ زندہ رہیں گے۔

قائداعظمؒ : (آہستہ سے) نہیں، اب نہیں۔

ڈاکٹر ریاض شاہ جو پاس ہی کھڑے تھے، لکھتے ہیں۔

قائداعظمؒ کے آخری الفاظ تھے۔

"اللہ، پاکستان!"

باب دوم

آئین حیات

قدریں اور رویے

میں "مغرور" ہوں کہ میں مسلمان ہوں

ایک روز قائداعظمؒ بمبئی مسلم لیگ کے ایک جلسے میں شرکت کرنے کے لیے جا رہے تھے۔ شریف الدین پیرزادہ بھی ہمراہ تھے۔

قائداعظمؒ : پیرزادہ ! پراوڈ کے اردو معنی کیا ہیں؟

شریف الدین : اس کا مطلب مغرور ہے۔

راوی : قائداعظمؒ نے جلسہ میں اردو میں تقریر کرتے ہوئے یہ لفظ اس طرح استعمال کیا۔

"میں مغرور ہوں کہ میں مسلمان ہوں"

چونکہ لفظ مغرور کے ساتھ انہوں نے پراوڈ بھی کہہ دیا تھا اس لیے بات بن گئی۔ بہرحال چونکہ لفظ مغرور کا یہ استعمال خلاف محاورہ تھا اس لیے واپسی میں شریف الدین پیرزادہ نے ادب سے کہا۔

شریف الدین : اردو میں مغرور کا لفظ اس طرح استعمال نہیں ہوتا۔ اگر آپ پورے جملے کا اردو مطلب دریافت فرماتے تو میں یہ بتاتا۔

"مجھے اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہے۔"

قائداعظمؒ : لیکن میں اپنی تقریر یا اس کا کوئی اقتباس قبل از وقت کیسے افشاء کر سکتا ہوں۔

شریف الدین پیرزادہ یہ گفتگو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ اپنے مسلمان ہونے پر برملا فخر کیا کرتے تھے۔ اس کا اظہار نہ صرف نجی محفلوں بلکہ عام جلسوں میں بھی فرماتے تھے۔



پہلا سبق، میں مسلمان ہوں

اپریل 1945ء میں قائداعظمؒ خان آف قلات کی دعوت پر بحالی صحت اور آرام کے لیے بلوچستان تشریف لے گئے۔ پہلے انہوں نے کچھ وقت کوئٹہ میں گزارا۔ جب طبیعت کچھ سنبھلی تو مستونگ اور قلات کا دورہ کیا۔ اس موقع پر خان آف قلات نے ان سے ایک سکول کا معائنہ کرنے کی درخواست کی۔

قائداعظمؒ ننھے منے چاق و چوبند بچوں سے مل کر بہت خوش ہوئے اور ان سے گھل مل گئے۔

قائداعظمؒ : (ایک بچہ سے' خان قلات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ کون ہیں؟

بچہ : یہ ہمارے بادشاہ ہیں۔

قائداعظمؒ : میں کون ہوں؟

بچہ : آپ ہمارے بادشاہ کے مہمان ہیں۔

قائداعظمؒ : تم کون ہو؟

بچہ : میں تو بلوچ ہوں۔

قائداعظمؒ : (خان قلات سے) اب آپ ان کو پہلا سبق یہ پڑھائیے کہ میں مسلمان ہوں۔ (بچوں سے) بچو! تم پہلے مسلمان ہو' پھر بلوچ یا کچھ اور۔

یہ واقعہ خان قلات نے کئی محفلوں میں خود سنایا۔ قائد اعظمیات کے معروف محقق رضوان احمد 31 اکتوبر 1981ء کے جنگ میں یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"قائداعظمؒ کو بلوچستان بہت عزیز تھا۔ وہ ایک عرصہ تک بلوچستان کے آئینی حقوق کے حصول کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔"

1942ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الہ آباد میں ہوا تھا۔ اس اجلاس میں قائداعظمؒ کی صدارت میں بلوچستان کو دوسرے صوبوں کے مساوی آئینی حقوق دینے کی قرارداد منظور کی گئی۔

اس اجلاس کی ایک تاریخی اہمیت یہ بھی ہے کہ اس میں قائداعظمؒ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا

"میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا دل دراصل غریبوں کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جوں جوں ہم ساتھ ساتھ قدم بڑھائیں گے۔ ہمارے غریب عوام محسوس کریں گے کہ میں ان کا خادم ہوں۔ اگر میں کامیاب ہوگیا تو میرے لیے خوشی کا مقام ہو گا کہ میں نے غریب عوام کی خدمت کی اور ان کا معیار بلند کیا۔"



کوئی ازم نہیں!

1944ء میں پنجاب کے جاٹوں نے ایک نیا شوشہ چھوڑا تھا کہ ہندو جاٹ اور مسلم جاٹ ایک ہیں اور ان کے مفادات مشترک ہیں۔ ذات پات کے تعصبات کو ابھار کر مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی یہ ایک خطرناک سازش تھی۔ 19 مارچ 1944ء کو پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کانفرنس کے افتتاحی

اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا۔

قائداعظمؒ : ہماری بنیاد کی چٹان اور ہماری کشتی کا لنگر اسلام ہے اور صرف اسلام ہے۔ ذات پات کیا' شیعہ سنی کا بھی کوئی سوال نہیں ہے۔ ہم ایک ہیں اور ہمیں بحیثیت ایک متحد قوم ہی کے آگے بڑھنا ہے۔ صرف ایک رہ کر ہی ہم پاکستان کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہاں کیمونسٹ پارٹی کو بھی خبردار کرنا چاہتا ہوں۔ بہتر ہے کہ کیمونسٹ مسلمانوں پر ہاتھ نہ ڈالیں۔ ہمارے لیے صرف اسلام ہی کافی و شافی ہے۔ یہی ہماری زندگی کا مکمل آئین ہے۔ ہمیں کسی ازم کی ضرورت نہیں۔



آپ شیعہ ہیں یا سنی؟

کبھی ایک مذہبی اور سیاسی جماعت مجلس احرار ہوتی تھی۔ جس کا رجحان پاکستان بننے سے پہلے زیادہ تر کانگریس کی طرف تھا۔ اس لیے عام طور پر احراری کارکن مسلم لیگ اور قائداعظمؒ کے مخالف تھے اور ان سے الجھتے رہتے تھے۔ کانپور میں مسلم لیگ کا جلسہ تھا۔ قائداعظمؒ تقریر کر رہے تھے۔ ان کو زچ کرنے کے لیے ایک احراری کارکن اٹھ کھڑا ہوا۔

احراری : آپ شیعہ ہیں یا سنی؟

قائداعظمؒ : پہلے میں تم سے پوچھتا ہوں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علی والہ وسلم کیا تھے؟

احراری : وہ تو مسلمان تھے۔

قائداعظمؒ : تو پھر میں بھی مسلمان ہوں۔

شریف الدین پیرزادہ یہ مکالمہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ایک بار قائداعظمؒ نے ایک واقعہ سنایا کہ ایک ہندو بیرسٹر مشرف بہ اسلام ہوا تو کئی مسلمان اسے مبارکباد دینے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد لوگوں نے اس سے پوچھا کہ آپ شیعہ ہیں یا سنی؟ اس نے جواب دیا کہ ذات پات اور فرقے بازی سے نجات پانے کے لیے تو میں مسلمان ہوا ہوں اور آپ پھر مجھے ان جھمیلوں میں دھکیل رہے ہیں۔

قائداعظمؒ کے مذہبی میلانات اور رجحانات کے بارے میں شریف الدین پیرزادہ مزید لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ نے 1971ء کی مردم شماری کے موقع پر قوم سے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی ذات اور عقیدہ صرف مسلمان ہی لکھوائیں۔

قرآن حکیم سے قائداعظمؒ کا جو تعلق تھا اس کے بارے میں شریف الدین پیرزادہ اپنے مشاہدے

کی بنا پر لکھتے ہیں۔

"قائداعظمؒ کے پاس قرآن حکیم کے چند ایک عمدہ نسخے تھے۔ ان میں سے کچھ قلمی بھی تھے۔ ایک بہترین نسخہ جزدان میں لپٹا ان کے سونے کے کمرے میں سب سے اونچی جگہ رکھا رہتا تھا۔ ان کے اپنے مطالعہ میں عموماً پکھتال کا ترجمہ شدہ قرآن مجید رہتا تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت پاک کے علاوہ چاروں خلفاء راشدینؓ کی زندگیوں پر بھی انگریزی میں ان کے پاس کئی کتابیں تھیں۔ شبلی کی الفاروق کی پہلی جلد کا جو ترجمہ ظفر علی خان نے انگریزی میں کیا تھا اس کا مطالعہ انہوں نے بہت انہماک سے کیا تھا۔ قائداعظمؒ حضرت عمرؓ کی ایڈمنسٹریشن کے بہت قائل تھے۔ انہوں نے کئی مسلم لیگی لیڈروں سے اپنے اس تاثر کا اظہار کیا۔"

آخر میں شریف الدین پیرزادہ لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ نے اقبالؒ کے مشہور انگریزی خطبات کا مطالعہ بھی بڑے ذوق و شوق سے کیا تھا۔ مذہبی امور میں پہلے وہ نواب بہادر یار جنگ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی کو یہ امتیاز حاصل رہا۔

بمبئی مسلم لیگ کے ایک نوجوان اور مخلص کارکن تھے حنیف منیار۔ ان سے اور ان کے والد محمد علی منیار کے قائداعظمؒ سے قریبی تعلقات تھے۔ اس لیے وہ ان سے کبھی کبھی بے تکلف ہو جاتے تھے۔

حنیف منیار : سر! اگر اجازت ہو تو ایک ذاتی سوال پوچھوں؟

قائداعظمؒ : ہاں

حنیف منیار : آپ شیعہ ہیں یا سنی؟

قائداعظمؒ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شیعہ تھے یا سنی؟

حنیف منیار لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کا یہ سوال سن کر میں لاجواب ہوگیا۔



صرف ایک فرقے کے لئے نہیں

قائداعظمؒ ہر قسم کی فرقہ پرستی سے بلند تھے۔ بمبئی کے ایک مسلمان بینکار نے اپنے وسائل و رسوخ سے سولہ لاکھ روپے جمع کئے اور ایک معیاری یتیم خانہ قائم کیا۔ وہ صاب اُس کے افتتاح کے لیے قائداعظمؒ کے پاس آئے۔

سیٹھ : جناب والا ! ہم چاہتے ہیں کہ بمبئی کے سب سے بڑے اور سب سے اچھے اس یتیم خانہ کا افتتاح آپ کے مبارک ہاتھوں سے کرائیں۔

قائداعظمؒ : افتتاح کرنے کے لیے میں تیار ہوں لیکن یہ بتائیے کہ یہ یتیم خانہ ہر فرقے کے مسلمانوں کے بچوں کے لیے کھلا ہوگا یا کسی فرقے کے لیے مخصوص ہوگا؟

سیٹھ : مخصوص تو ہوگا۔ ہماری برادری کے وسائل سے یہ ادارہ قائم ہوا ہے۔ اس کے آئین میں بھی یہ شرط رکھی گئی ہے۔

قائداعظمؒ : تو پھر میں اس کا افتتاح نہ کر سکوں گا۔

سیٹھ : افتتاح تو ہر قیمت پر ہم آپ ہی سے کرانا پسند کریں گے۔

قائداعظمؒ : تو پھر آپ اپنے آئین کو بدلئے اور اس کو مسلم یتیم خانہ بنائیے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سیٹھ صاحب نے ادارہ کے دستور میں ترمیم کی تو قائداعظمؒ نے بڑے شوق سے اس کا افتتاح کیا اور اس کے بانی کی بڑی تعریف کی۔



ادارہ کے نام کے ساتھ کسی فرد کا نام نہیں

بمبئی مسلم لیگ کے ایک پرجوش کارکن حسین بیگ محمد، قائداعظمؒ کے ایک دوست کے بیٹے تھے اور قومی کاموں میں پیسے سے، بات سے، زبان سے، ہر طرح سے دلچسپی رکھتے تھے۔ بمبئی کے مضافات میں ایک جگہ ماتھیراں ہے۔ وہاں مسلمان بچوں کی تعلیم کے لیے قائداعظمؒ نے ایک اسکول قائم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس کی تکمیل انہوں نے بڑے چاؤ سے حسین بیگ محمد کے سپرد کی۔ انہوں نے نہ صرف قائم کر دیا بلکہ اس کے مصارف خود اٹھانے کا ایک منصوبہ بنایا اور اسے لے کر قائداعظمؒ کی خدمت میں پہنچے۔

حسین : سکول تو اللہ کا شکر ہے چل نکلا ہے۔ اس سلسلہ میں میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔

قائداعظمؒ : وہ کیا؟

حسین : یہ کہ سکول کا سارا خرچہ میں اٹھاؤں۔ صرف سکول کو ہمارے فیملی نام کے ساتھ موسوم کر دیا جائے۔ یعنی بیگ محمد سکول۔

قائداعظمؒ : حسین ! آپ میرے دوست کے بیٹے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے ساتھ متفق نہیں۔

حسین : آخر کیوں؟

قائداعظمؒ : مجھے اور ہر ذی روح کو جو اس دنیا میں ہے ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ میں آپ کی پیش کش اس لیے قبول نہیں کر رہا کہ میں کسی بھی مسلم ادارے کے ساتھ کسی فرد کا نام لگانا پسند نہیں کرتا۔ اسی بنیاد پر میں نے کراچی میں عبداللہ ہارون جم خانہ کی افتتاحی رسم ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔



یہ تو اعتماد شکنی ہوئی

یہ واقعہ مارچ 1947ء کا ہے۔ قدرت اللہ شہاب آئی سی ایس ہندوستان کے صوبہ اڑیسہ کے ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ڈپٹی سیکرٹری کے منصب پر فائز تھے۔ یہ محکمہ صوبہ کے چیف منسٹر ہری کشن مہتاب کے چارج میں تھا۔ وہ قدرت اللہ شہاب پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ ہری کشن مہتاب آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔ ایک بار وہ دہلی میں کسی میٹنگ سے واپس آئے تو جو کاغذات انہوں نے قدرت اللہ شہاب صاحب کے حوالے کئے ان میں ایک انتہائی خفیہ مراسلہ بھی تھا جو کانگریسی ہائی کمان کی طرف سے کانگریسی چیف منسٹروں کے نام اس ہدایت کے ساتھ جاری کیا تھا کہ ہر چیف منسٹر اسے اپنی ذاتی تحویل میں رکھے۔ اس میں لکھا تھا کہ تقسیم ہند کا معاملہ تقریباً طے پا چکا ہے۔ اس لیے جن صوبوں میں کانگریس کی وزارتیں قائم ہیں۔ وہاں پر مسلمان افسروں کو کلیدی عہدوں سے تبدیل کر دیا جائے۔ ڈی آئی جی اور ایس پی عموماً ہندو ہوں۔ تھانوں کے انچارج بھی زیادہ سے زیادہ ہندو ہوں۔ محکمہ پولیس اور ضلعی انتظامیہ میں مسلمانوں کو فیلڈ ورک سے ہٹا کر بے ضرر قسم کے دفتری کام کاج پر لگا دیا جائے۔ پولیس کی نفری میں مسلمان سپاہیوں کو بتدریج غیر مسلح کر کے پولیس لائن اور تھانوں میں معمولی فرائض پر مامور کیا جائے۔ جن صوبوں میں سرحدی مسلمانوں سے بھرتی شدہ گھڑ سوار ملٹری پولیس ہے اسے فوراً توڑ دیا جائے وغیرہ۔

ان ہدایات سے ظاہر ہوتا تھا کہ کانگریسی حکومتیں مسلمانوں کے خلاف بڑے خطرناک منصوبے بنانے میں مصروف ہیں۔ چنانچہ قدرت اللہ شہاب نے وہ دستاویز جیب میں ڈالی اور دہلی جا کر اسے قائداعظمؒ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

قائداعظمؒ : (دستاویز پڑھ کر) ہاں یہ دستاویز ہمارے لیے مفید ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ تم نے کہاں سے حاصل کی ہے؟

شہاب : میں اڑیسہ کے ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ڈپٹی سیکرٹری ہوں۔ اس محکمہ کے سربراہ چیف منسٹر ہری کرشن مہتاب مجھ پر کافی اعتماد کرتے ہیں اور اکثر اپنے سیاسی اور غیرسیاسی کاغذات میری تحویل میں دے دیتے ہیں۔ یہ دستاویز انہوں نے میرے حوالے کی تھی۔

قائداعظمؒ : ویل' ویل! تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہ تو اعتماد شکنی ہوئی۔

شہاب : جناب! فرائض منصبی اپنی جگہ' میں نے اپنا قومی فرض پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

قائداعظمؒ : تم دیکھتے نہیں کہ ہر کاپی پر نمبر لگا ہوا ہے۔ اس کی گمشدگی کا آسانی سے پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ کیا تم ایسا کرنے کے نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو؟

شہاب : جی جناب! میں پوری طرح تیار ہوں۔

قائداعظمؒ : (دستاویز اپنے پاس رکھتے ہوئے) آل رائٹ' اب تم جا سکتے ہو۔

جب قدرت اللہ شہاب واپس مڑ کر دروازے کے قریب پہنچے تو قائداعظمؒ نے بلند آواز سے پکار کر کہا:

"نوجوان آئندہ ایسا نہ کرنا۔"



لیکن یہ طریق کار مجھے پسند نہیں

یہ اس زمانے کا تذکرہ ہے جب ہندوستان میں عبوری حکومت قائم ہو چکی تھی۔ نہرو کو اس کابینہ میں وزیراعظم کا مرتبہ حاصل تھا۔ ہندوستان کے آئینی مسئلہ کے بارے میں حکومت برطانیہ کے اگلے اقدام کا انتظار کیا جا رہا تھا کہ ایک روز آدھی رات کے قریب کسی نے سجان سنگھ پارک میں ڈان کے ایڈیٹر الطاف حسین کے دروازہ پر دستک دی۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو ایک اجنبی کو کھڑا پایا جس نے اپنے چہرہ اور سر کو کپڑے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ اپنا تعارف کرائے بغیر اس نے انہیں ہوائی ڈاک کا ایک لفافہ پکڑا دیا۔ جسے بڑی احتیاط سے کھولا گیا۔ اس پر لندن کی مہر تھی اور یہ خط مسٹر نہرو کے نام تھا۔ اس کے اندر مسٹر کرشنا مینن کی طرف سے چھ صفحات کی ٹائپ شدہ ایک رپورٹ تھی۔ جس میں

بتایا گیا کہ چندروز پہلے (اس وقت کے وزیر ہند) لارڈ پیتھک لارنس سے ان کی کیا بات چیت ہوئی تھی۔اس خط سے پتہ چلتا تھا کہ برطانوی حکومت کی سوچ کا رخ کیا ہے۔

الطاف حسین نے ٹائپ رائٹر نکالا اور خط نقل کر لیا اور کہا کہ اس کو اسی طرح احتیاط سے بند کر کے اس پر لکھے پتہ پر پہنچا دو۔ صبح کو یہ نقل لے کر وہ قائداعظمؒ کے ہاں گئے۔

الطاف : سر! اب اس خط کی نقل پر نظر ڈالیے جو لندن سے کرشنا مینن نے نہرو کو بھیجا ہے۔

قائداعظمؒ : (غور سے پڑھنے کے بعد) اچھا تو ہوا کا رخ یہ ہے۔ یہ بہت اہم سیاسی دستاویز ہے لیکن وہ خط جس کی یہ نقل ہے تمہارے ہاتھ کیسے لگا؟

الطاف : یہ بھی لوگوں کی پاکستان سے محبت کی وجہ سے ممکن ہوا۔

بڑے پوسٹ آفس کا ایک ملازم غیرملکی ڈاک چھانٹ رہا تھا کہ لفافے پر اس کی نظر پڑی۔ نہرو کا پتہ اور مینن کا نام دیکھ کر اسے خیال ہوا کہ اس میں کوئی ایسی بات ہوسکتی ہے جس سے مسلم لیگ کو فائدہ پہنچے۔ اس نے اسے ہوشیاری سے کھول کر پڑھا اور پھر اسے اڑا لایا۔ آدھی رات کے بعد اس نے میرے فلیٹ پر دستک دی اور مجھے وہ خط دیا۔ میں نے فوراً" اس کی نقل لے کر خط اسے واپس کر دیا۔

قائداعظمؒ : خط میں بہت قیمتی معلومات ہیں۔ میں اس مسلم لیگی ملازم کے جذبے کی بھی قدر کرتا ہوں۔ لیکن یہ طریق کار مجھے پسند نہیں۔ یہ ہماری سیاست کاری میں فٹ نہیں ہوتا۔

(قائداعظمؒ چند یادیں' چند ملاقاتیں' ص 91)



فساد کرکے ان لوگوں نے پاکستان کے دامن کو داغ دار کردیا

تقسیم برصغیر کے وقت مشرقی پنجاب' یو پی' دہلی' راجستھان وغیرہ میں جو خون ریز فسادات ہوئے اور پھر نقل مکانی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا اس کے ردعمل کے طور پر اواخر 1947ء میں کراچی میں بھی فرقہ ورانہ فساد ہوگیا۔ خاصا ہنگامہ ہوا۔ صبح سویرے قائداعظمؒ کے ہیئر ڈریسر اسلام سلمانی ان کا شیو کرنے آئے تو یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : شہر کی کیا صورت ہے؟

سلمانی : جناب! کرفیو لگا ہوا ہے۔ میں بھی پاس دکھا دکھا کر یہاں پہنچا ہوں۔

قائداعظمؒ : (بڑے دکھ سے) مسلمان پاکستان چاہتے تھے۔ وہ بن گیا۔ اب وہ کیا چاہتے ہیں۔ فساد کر کے انہوں نے پاکستان کے دامن کو داغ دار کر دیا۔

(اسلام سلمانی' قائداعظمؒ کچھ یادیں' کچھ ملاقاتیں' ص 211)



"گالی" سے میرا کچھ نہیں بگڑتا

پاکستان بننے سے پہلے گرومندر' ہندو اکثریت کا علاقہ تھا۔ اقلیت میں ہونے کے علاوہ مسلمان غریب بھی تھے۔ 1942ء کا واقعہ ہے کہ گرومندر کے علاقہ میں کسی ہندو نے قائداعظمؒ کو گالی دی۔ مسلم نیشنل گارڈز کے نوجوانوں کو پتہ چلا تو بپھر گئے۔ پندرہ بیس لڑکے وہاں پہنچے اور ہندوؤں سے بھڑ گئے اور ان کی خوب پٹائی کی۔ گو تعداد میں ہندو خاصے زیادہ تھے لیکن ان لڑکوں کے جوش و خروش کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ مار کھا کر انہوں نے ہاشم گذدر کو اطلاع دی کہ مسلمان لڑکوں نے ہم پر حملہ کیا ہے اور ان کی قیادت سر عبداللہ ہارون کا چھوٹا لڑکا سعید اے ہارون کر رہا تھا۔ انہوں نے سعید اے ہارون کے بڑے بھائی یوسف ہارون کو فون کیا کہ یہ حادثہ ہوا ہے۔ یوسف ہارون نے بات قائداعظمؒ تک پہنچا دی۔ انہوں نے سعید ہارون سمیت دوسرے بڑے نیشنل گارڈز کو طلب کیا۔

قائداعظمؒ : کیوں میرے بچے' کیا بات ہوئی تھی؟

سعید ہارون : سر! ہندوؤں نے آپ کو گالی دی۔ یہ ہم سے برداشت نہ ہو سکا۔

قائداعظمؒ : ان کے گالی دینے سے میرا کیا نقصان ہوا۔ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتنی بڑی تحریک کو بدنام مت کرو۔ کہیں دنیا یہ نہ کہے کہ مسلمان ایک جھگڑالو قوم ہے اور ان کا قائد اتنا چھوٹا ہے کہ گالی برداشت نہیں کر سکتا۔ آئندہ کبھی اس قسم کا کوئی مرحلہ درپیش ہو تو اپنے رہنماؤں سے رہنمائی حاصل کرو اور ان سے پوچھے بغیر اپنے طور پر کوئی قدم نہ اٹھانا۔ اگر اس مارپیٹ کے دوران کوئی مسلمان لڑکا مر جاتا تو کیا ہوتا۔ میں قوم کو مروانے کے لیے تو لیڈری نہیں کر رہا۔



لیکن اس کارروائی سے میں خوش نہیں ہوں

30 ستمبر 1930ء کو قائداعظمؒ نے 5 بجے شام ڈی جے کالج کراچی کے مسلم طلباء کی دعوت پر ان کے استقبالیے میں شرکت کی۔ اس کے بعد کالج کے پرنسپل پروفیسر سورت رام بھوٹانی کی درخواست پر کالج ہال میں کالج کے طلباء سے خطاب کرنا بھی منظور فرمایا۔ اس زمانے میں پہلی گول میز کانفرنس کے انعقاد کا چرچا تھا۔ کانگریس نے اس کا بائیکاٹ کر رکھا تھا جبکہ مسلم لیگ نے اس میں شرکت کی حمایت کی تھی۔ اس مسئلہ پر خاصا اختلاف اور جوش پیدا ہو گیا تھا۔ قائداعظمؒ نے گول میز کانفرنس میں شرکت کے جواز میں تقریر شروع کی تو ایک شوریدہ سر ہندو لڑکے بی ٹی شاہانی نے ہوٹنگ شروع کر دی جس پر ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ لیکچر ختم ہوگیا اور مسلم طلباء نے قائداعظمؒ کو گھیرے میں لے کر انہیں ان کے ہوٹل پہنچا دیا۔ جب وہ واپس کالج پہنچے تو بپھرے ہوئے تھے۔ مسلم لیگ زندہ باد' مسٹر جناح زندہ باد کے نعرے لگ رہے تھے۔ مارو' باہر نکالو' کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ لڑکے شاہانی کو اس کی گستاخی کی سزا دینا چاہتے تھے۔ پرنسپل نے اسے کمرہ میں چھپا دیا اور سینئر مسلم طلباء سے بات چیت شروع کی۔ آخر میں طے پایاکہ شاہانی تحریری معافی مانگے اور یہ معافی نامہ مع ایڈیٹوریل کے ڈیلی گزٹ کراچی میں شائع ہو۔

مسلم طلباء اس سے بہت خوش تھے۔ یونین کے جنرل سیکرٹری سید عارف شاہ گیلانی دوسرے عہدے داروں کے ساتھ قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس کارروائی سے خوش ہوں گے اور تعریف کریں گے۔

عارف شاہ : سر! پھر کالج جا کر ہم نے اس گستاخ کو گھیر لیا۔ پرنسپل بھوٹانی صاحب اگر آڑے نہ جاتے تو ہم اس کو اس کی گستاخی کا مزہ چکھا دیتے۔ سر! یہ دیکھئے ڈیلی گزٹ میں اس کا معافی نامہ موجود ہے۔

قائداعظمؒ : (بہت برہمی کے لہجہ میں) مجھے آپ کے فعل سے تکلیف ہوئی ہے۔ آپ نے بات کو اس قدر کیوں بڑھایا۔ یاد رکھو دشمن کو دھونس یا طاقت سے نہیں' عقل سے زیر کیا جاتا ہے اور قانون کے دائرہ میں رہ کر اپنے مقصد کو حاصل کیا جاتا ہے۔ قانون کا احترام لازمی ہے۔ میری یہ نصیحت یاد رکھئے۔ آپ کے کام آئے گی۔ میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ صبر سے کام لیجئے۔ انشاء اللہ بہت جلد آپ کا صوبہ سندھ بمبئی پریذیڈنسی سے علیحدہ ہوجائے گا۔

یہ واقعہ ڈاکٹر سید عارف شاہ گیلانی نے "قائداعظمؒ سے تین یادگار ملاقاتیں" میں بیان کیا ہے۔

--○--

اقلیتوں کی حفاظت ہر قیمت پر

جب قیام پاکستان کے موقع پر برصغیر کے مختلف حصوں میں فرقہ وارانہ فسادات کے شعلے اٹھ رہے تو کراچی میں بھی فرقہ ورانہ کھچاؤ تھا۔ گو امن و امان قائم رکھنے کے لیے مختلف اقدامات کیئے جا رہے تھے۔ اندرون سندھ سکھ ٹرینوں کے ذریعے کراچی لائے جاتے اور یہاں انہیں کیمپوں میں رکھا جاتا۔ ایک روز صبح سویرے کچھ سکھ ایک کیمپ سے نکل کر ایک گوردوارے میں چلے گئے۔ مسلمانوں نے انہیں دیکھا تو مشتعل ہو گئے۔ نوبت فساد تک جا پہنچی۔

قائداعظمؒ نے سکندر مرزا ڈیفنس سیکرٹری کو طلب کیا۔

قائداعظمؒ : میں چاہتا ہوں کہ یہ فساد فوراً اور ہر قیمت پر روکا جائے۔ آپ ضروری کارروائی کیجئے۔

سکندر مرزا : بہت بہتر جناب۔ حکم کی تعمیل ہوگی۔

سکندر مرزا نے میجر جنرل محمد اکبر خان کو بلایا اور کہا کہ یہ فساد ہر قیمت پر ختم کرنا ہے۔ جتنی گولیاں چلائی جائیں اتنی ہی لاشیں پیش کی جائیں۔ اس واقعہ کے راوی سر ظفراللہ خان' میجر جنرل سکندر مرزا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جنرل اکبر نے شام تک سب معاملہ ٹھیک کر لیا۔ بارہ گولیاں چلیں لیکن لاشیں گیارہ تھیں۔ سکندر مرزا کے دریافت کرنے پر جنرل اکبر نے بتایا کہ بارھواں شخص ہسپتال میں زخمی پڑا ہے۔



بے شک ہندو اپنے وعدے بھلا دے پر ہم اپنے وعدے پر قائم رہیں گے

تشدد سے تشدد پیدا ہوتا ہے۔ پاکستان بنتے وقت اور اس کے فوراً بعد دہلی' یوپی اور مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر جو ہولناک مظالم ہندوؤں نے توڑے ان کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ ان مظالم کی داستانیں ان علاقوں کے مہاجروں کے ساتھ جب کراچی پہنچیں تو کراچی کے مسلمانوں کا خون بھی کھول اٹھا اور وہ مشتعل ہو کر اپنے مظلوم بھائیوں کا انتقام کراچی کے ہندوؤں اور سکھوں سے لینے گئے۔ جنوری 1948ء کے پہلے ہفتے میں اس انتقام نے فساد کی صورت اختیار کر لی۔ قائداعظمؒ کو جب اس صورت حال کی اطلاع ملی تو انہوں نے کراچی نیشنل گارڈز کے عہدے داران کو اپنے ہاں بلایا۔ ان میں

سعید ہارون بھی شامل تھے۔

قائداعظمؒ : مجھے بہت دکھ ہوا ہے کہ پاکستان کے دارالحکومت میں ہندوؤں پر ہاتھ اٹھایا جا رہا ہے اور نیشنل گارڈز منہ تک رہے ہیں جبکہ اقلیتوں کی حفاظت کرنا آپ کے فرائض میں شامل ہے۔

سعید ہارون : جناب والا ! دلی میں اتنے مسلمان مارے گئے ہیں۔ وہ بھی تو ہندوستان کا دارالحکومت ہے۔

قائداعظمؒ : اگر بھارت کی حکومت مسلمانوں کی حفاظت نہیں کر سکی اور اپنی زبان پر قائم نہیں رہی تو بھی میں پسند نہیں کروں گا کہ کل کوئی طعنہ دے کہ میں اور حکومت پاکستان اقلیتوں کی حفاظت نہ کر سکے۔ ہندو اپنے وعدے بے شک بھلا دے لیکن ہمیں اپنے وعدے پر قائم رہنا چاہیے۔ آپ لوگ فورا جائیں اور لوٹ مار رکوانے میں پولیس کی مدد کریں۔

اس گفتگو کو نقل کرنے کے بعد سعید اے ہارون لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کا حکم سننے کے بعد ہمارے لیے اس کی تعمیل کے بغیر چارہ نہ تھا۔



کم ظرفی کا جواب کم ظرفی نہیں

قائداعظمؒ بڑے بااصول اور عالی ظرف انسان تھے اور سیاست میں بھی بااصولی اور عالی ظرفی کے اصول کی پابندی ضروری سمجھتے تھے۔ تحریک پاکستان کے زمانے کے ہندوؤں کا تعصب انتہا کو پہنچا ہوا تھا یہاں تک کہ تعلیمی ادارے بھی اس کی لپیٹ میں آچکے تھے۔ ہندوؤں نے الہ آباد یونیورسٹی کے ہال پر کانگریس کا جھنڈا لہرا رکھا تھا جو مسلمانوں کو مسلسل مشتعل کر رہا تھا۔ حسن اتفاق سے انہی دنوں پنجاب یونیورسٹی یونین کا انتخاب ہوا تو اس کا صدر قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

صدر : جناب والا ! ہندوؤں نے الہ آباد یونیورسٹی پر کانگریس کا جھنڈا لہرا رکھا تھا۔ اب ہمیں موقع ملا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے پنجاب یونیورسٹی پر مسلم لیگ کا جھنڈا لہرانے کی رسم ادا فرمائیں۔

قائداعظمؒ : میں اس طرح کی جوابی کارروائی کو پسند نہیں کرتا۔ جس کام کے لیے ہم دوسروں کو مطعون کرتے ہیں وہ خود کیوں کریں۔ تمہاری کامیابی باعث مسرت ہے لیکن

ہمارا ظرف بڑا ہونا چاہیے۔ طاقت حاصل کر کے اپنی قوت کی اس طرح نمائش نہ کرو کہ دوسروں کی دل آزاری ہو۔



میں بخشش کا قائل نہیں ہوں

مہاراجہ صاحب محمود آباد کے قائداعظمؒ سے بہت قدیمی اور قریبی تعلقات تھے۔ وہ اکثر ان کے ہاں آکر ٹھہرتے تھے اور واپس جا کر ملازموں کے لیے بخشش بھیجا کرتے۔ ایک بار انہوں نے حسب عادت 35 روپے کا ڈرافٹ بھیجا تو سید شمس الحسن نے اسے قائداعظمؒ کے سامنے پیش کر دیا۔

شمس الحسن : یہ راجہ صاحب نے ملازموں کے لیے بھیجا ہے۔

قائداعظمؒ : میں اس طرح کی بخشش کا قائل نہیں ہوں۔ ملازموں کا کام ہی یہ ہے کہ مہمانوں کی دیکھ بھال کریں۔



میں تجاوز پسند نہیں کرتا

پنجاب کے مشہور مسلم لیگی کارکن ملک برکت علی قائداعظمؒ اور لیگ کے بہت وفادار اور فعال کارکنوں میں سے تھے۔ قائداعظمؒ بھی ان کی بہت قدر کرتے تھے۔ 1942ء کے انتخابات کے بعد ایک موقع پر یونینسٹ پارٹی کے ایک مقتدر لیڈر اور مسلم لیگ میں مذاکرات کی صورت پیدا ہوئی۔ ملک برکت علی کی دعوت پر قائداعظمؒ لاہور تشریف لائے۔ ملک برکت علی نے چائے کی ایک دعوت کا اہتمام کیا جس میں قائداعظمؒ کے سامنے جو کیک رکھا گیا وہ ہندوستان کے نقشے کے مطابق بنایا گیا تھا اور اس میں پاکستان کے حصے میں آنے والے علاقوں کا رنگ سبز تھا۔

جب قائداعظمؒ نے کیک کاٹا تو بڑی احتیاط سے کیک کا سبز حصہ الگ کر دیا۔ یہ دیکھ کر کسی نے کہا "جناب والا! ذرا سا حصہ اور کاٹ دیجئے۔"

قائداعظمؒ : میں تجاوز کسی صورت میں پسند نہیں کرتا۔



ایک ہندو کی دیکھ بھال کر کے آپ بہت اچھا کر رہے ہیں

پاکستان بنتے وقت مشرقی پنجاب' مغربی یو پی اور راجپوتانے کی ریاستوں کے مسلمانوں پر جو آفت ٹوٹی اور جس حالت زار میں مہاجرین لاکھوں کی تعداد میں پاکستان پہنچے اس کے نتیجہ میں جنوری 1948ء میں ایک ہندو مسلم فساد ہوگیا۔ بازار بند ہوگئے اور کھانے پینے کی چیزیں ملنے میں دقت ہونے لگی۔ ہندو تو خاص طور پر گھروں میں بند ہوگئے تھے اور احتیاطاً" گھروں سے نہیں نکلتے تھے۔ کراچی کا ایک ہندو تاجر اور موٹر ایجنٹ کشور گڈوانی تھا جسے قائداعظمؒ بھی جانتے تھے۔ اس سے قائداعظمؒ کے اے ڈی سی کیپٹن گل حسن کے مراسم بھی تھے۔ انہوں نے ازراہ ہمدردی کئی روز تک کشور گڈوانی کے گھر کھانے پینے کا ضروری سامان بھجوایا۔ بلکہ پہلے چند تو خود سامان لے کر گئے۔ قائداعظمؒ کو جب اس امر کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے گل حسن سے پوچھا۔

قائداعظمؒ : گل! آپ ہر شام کشور گڈوانی کے ہاں جاتے ہیں؟

گل حسن : جی ہاں۔

قائداعظمؒ : آپ اس کے لیے کھانے پینے کی کچھ چیزیں بھی لے جاتے ہیں؟

گل حسن : جی ہاں وہ لوگ گھروں میں بیٹھے ہیں۔ اس لیے انہیں کھانے کی چیزوں کی پرابلم ہے۔ میں ان کے لیے اشیاء خوردونوش اور سبزی وغیرہ ضرور پہنچاتا رہا ہوں۔

قائداعظمؒ : مجھ سے کسی نے اس امر کی شکایت کی تھی لیکن میں نے اس کا نوٹس نہیں لیا۔ آپ گڈوانی کو کھانے پینے کی چیزیں ضرور پہنچاتے رہیں۔ یہ آپ بہت اچھا کر رہے ہیں۔ تمام اقلیتیں پاکستان کی شہری ہیں۔ ہمارے پرچم میں سفیدی اقلیتوں کے حقوق اور جان و مال کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ اگر ہم اقلیتوں کا تحفظ نہیں کر سکتے تو پھر قومی جھنڈے میں سفید پٹی رکھنے کا جواز کیا ہے۔

یہ مکالمہ خود کیپٹن (بعد کو لیفٹنٹ جنرل ریٹائرڈ) گل حسن نے اپنے انٹرویو میں نقل کیا ہے جو مئی 1948ء کے آتش فشاں میں شائع ہوا ہے۔

جنرل گل حسن نے اپنے انٹرویو میں اس زمانے میں کشور گڈوانی سے ہونے والی اپنی گفتگو بھی نقل کی ہے۔ ایک روز وہ ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "ایک اچھی گاڑی آٹھ ہزار روپے میں مل رہی ہے۔ آپ کیوں نہیں خرید لیتے۔ دس ہزار میں بک جائے گی۔" انہوں نے جواب دیا "میرے پاس آٹھ ہزار تو کیا آٹھ روپے بھی نہیں۔ آپ آٹھ ہزار کی بات کر رہے ہیں۔" گڈوانی کہاں جان چھوڑنے والا تھا۔ اس نے پانسہ پھینکا "میں آپ کے لئے فنانسر کا بندوبست کرتا ہوں۔"

ان کا جواب تھا "ناں۔ بابا ناں اگر قائداعظمؒ کو پتہ چل گیا تو وہ مجھے جیل بھجوا دیں گے۔"

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد قائداعظمؒ کے سابق اے ڈی سی جنرل گل حسن کہتے ہیں کہ اگر کسی سے کوئی اتفاقیہ غلطی ہو جاتی تو قائداعظمؒ معاف کر دیتے تھے لیکن جب کوئی جان بوجھ کر غلطی کرتا تو وہ کبھی معاف نہیں کرتے تھے۔

وہ خود اتنے کھرے اور بے لاگ تھے کہ ان کا ماتحت عملہ کبھی کوئی غلط اقدام اٹھانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔



غیر مسلم سکیورٹی افسر پر اعتماد

پاکستان بننے کے بعد جب قائداعظمؒ نے پاکستان کے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا اور وہ کراچی میں گورنر جنرل ہاؤس میں رہنے لگے تو ان کا سیکیورٹی افسر ایک پارسی ہنسوٹیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد کچھ لوگوں نے قائداعظمؒ سے کہنا شروع کر دیا کہ پارسی غیر مسلم ہے۔ دل سے آپ کی حفاظت نہیں کر سکے گا۔ اس زمانے میں قائداعظمؒ کے اے ڈی سی کیپٹن گل حسن تھے۔ ایک روز وہ قائداعظمؒ کے کمرے میں گئے۔ دیکھا کہ وہ صوفے پر بیٹھ کر سگار پی رہے ہیں۔ وہاں یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : گل!

گل حسن : جی جناب والا!

قائداعظمؒ : آپ ہنسوٹیا کے متعلق کیا جانتے ہیں؟

گل حسن : جناب' ہنسوٹیا ایک سینئر افسر ہے۔ اپنا تمام تر وقت یہیں گورنر جنرل ہاؤس میں گزارتا ہے۔ سیکیورٹی کے نقطہ نظر سے وہ بہت فعال اور ذمہ دار ہے۔ یہی نہیں کہ وہ دن بھر یہاں رہتا ہے۔ وہ رات کے وقت بھی گورنر جنرل ہاؤس آتا جاتا رہتا ہے۔ بطور انسان بھی میں نے اسے بہت اچھا پایا ہے۔

قائداعظمؒ : بعض لوگ اس کے خلاف ہیں۔اس بنیاد پر کہ وہ پارسی ہے لیکن مجھے اس کے پارسی ہونے پر کوئی تشویش نہیں کہ میں اس کے کام سے مطمئن ہوں۔

قائداعظمؒ کے اے ڈی سی کے مطابق قائداعظمؒ کی پسند و ناپسند کا معیار کام تھا۔ جو بھی اپنا کام دل جمعی سے کرتا تھا وہ اس سے بہت خوش ہوتے اور جو اپنے کام میں کوئی کوتاہی کرتا تھا وہ اس سے سخت ناخوش ہوتے تھے۔



ریاکاری نہیں' خواہ بظاہر قومی مفاد ہی میں کیوں نہ ہو

1946ء کے اواخر میں ہندوستان کے شہروں میں ہندو مسلم فسادات ہو رہے تھے۔ ان کو روکنے کے لیے قائداعظمؒ اور پنڈت نہرو نے ایک مشترکہ اپیل کی' جس کا خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔ خصوصاً پنجاب کے سکھ بڑے جارحانہ موڈ میں تھے۔ پنجاب کے دو لیگی لیڈر قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

لیگی لیڈر : ہمیں مصدقہ ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ سکھ خفیہ خفیہ ہتھیار جمع کر رہے ہیں۔ خصوصاً پنجاب کی سکھ ریاستیں اسلحہ سے ان کی مدد کر رہی ہیں۔ امن کی اپیل کا انہوں نے الٹا اثر لیا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم بھی کچھ ہتھیار وغیرہ جمع کرنا شروع کریں۔

قائداعظمؒ : آپ کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ میں ایسی سکیم کی تائید کروں گا۔ میں ریاکار نہیں ہوں کہ کہوں کچھ اور کروں کچھ۔ حال ہی میں تو میں نے امن کی اپیل پر دستخط کئے ہیں۔ میں مسلمانوں سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپیل کی سپرٹ کو ملحوظ رکھیں گے۔



اصولوں کی برتری سیاست میں بھی

سیاست میں بھی اصول کی برتری کو قائم رکھنا قائداعظمؒ ہی کا کام تھا۔ 1946ء کے اوائل کا ذکر ہے کہ بنگال میں قائداعظمؒ کے خاص رفیق کار مرزا ابوالحسن اصفہانی کلکتہ کی ایک سیٹ کے لیے مسلم لیگی امیدوار تھے اور خیال تھا کہ وہ بلامقابلہ منتخب ہوجائیں گے۔ عین وقت پر ایک حریف نے کاغذات نامزدگی داخل کر دیئے اور ترغیب اور دباؤ کے باوجود اس نے دستبردار ہونے سے انکار کر دیا۔ اصفہانی کے قریبی دوست اور ایک ممتاز مسلم لیگی سیاست دان عبدالرحمٰن صدیقی نے بڑی کاوشوں سے اسے شیشے میں اتارا اور اسے نام واپس لینے پر آمادہ کر لیا۔ یہ اچھی خبر لے کر صدیقی' اصفہانی کے یہاں پہنچے۔ اس زمانے میں قائداعظمؒ بھی اصفہانی کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے ہی یہ گفتگو ہوئی۔

صدیقی : اصفہانی! مبارک ہو' بات بن گئی۔ وہ شخص اپنا نام واپس لینے پر آمادہ ہوگیا ہے۔ بڑے طویل مذاکرات کرنے پڑے۔

اصفہانی : خدا کا شکر ہے کہ یہ مرحلہ طے ہوا۔

صدیقی : لیکن اس کی ایک معمولی سی شرط ہے۔

اصفہانی : وہ کیا؟

صدیقی : وہ یہ کہ تم ڈھائی سو روپے زر ضمانت اس کو دے دو جو اس نے نامزدگی کے کاغذات داخل کرتے وقت جمع کرایا تھا۔

قائداعظمؒ : صدیقی! براہ کرم ذرا دہرایئے کہ آپ نے کیا کہا؟ میں نے ٹھیک طرح سنا نہیں۔

صدیقی : میں نے عرض کیا تھا کہ اصفہانی کا مدمقابل الیکشن سے اپنا نام واپس لینے کے لیے تیار ہوگیا ہے لیکن وہ ڈھائی سو روپے مانگتا ہے جو اس نے زرضمانت کے طور پر خزانے میں جمع کرائے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اگر ہم روپیہ دے دیں تو جان چھوٹ جائے گی۔

قائداعظمؒ : (تیزی سے) روپیہ دے دیں؟ کسی امیدوار کو نام واپس لینے کے لیے بالواسطہ رشوت دی جائے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس سے فوراً کہہ دو کہ اس کی یہ پیش کش رد کی جاتی ہے۔ اصفہانی انتخاب لڑیں گے۔ ایسا بھی کیا ہے۔

صدیقی : بہت بہتر جناب! میں ابھی جاتا ہوں۔

قائداعظمؒ : بیٹا! آدمی یہی جواب دے سکتا ہے۔ سیاست میں اخلاقی استواری، نجی زندگی کی نسبت زیادہ اہم ہے۔ اگر تم سیاسی معاملات میں کسی غلطی کے مرتکب ہوگے تو تم بہت سے ایسے لوگوں کو نقصان پہنچاؤ گے جو تم پر اعتماد کرتے ہیں۔



بددیانتی کرنے سے ہار جانا بہتر ہے

جنگ، محبت اور سیاست میں لوگ سب کچھ جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن قائداعظمؒ کا کردار مختلف تھا۔ وہ سیاست میں بھی دیانت داری کو مقدم سمجھتے تھے اور اس اصول پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ 1946ء کے انتخابات سر پر تھے۔ یہ انتخابات پاکستان کے لیے ریفرنڈم کی حیثیت رکھتے تھے۔ سندھ اسمبلی میں مسلمانوں کی 35 نشستیں تھیں۔ قائداعظمؒ نے لیگ کے امیدواروں کی مدد کے لیے سات ممبروں کی ایک انتخابی کمیٹی مقرر کی اور جی الانا کو اس کا سیکرٹری مقرر کیا۔ اس کے چیئرمین یوسف ہارون تھے۔ قائداعظمؒ نے جی الانا کو انتخابی مہم کے لیے کثیر رقم دی اور اراکین پر اس انتخاب کی اہمیت واضح کر کے خود دوسرے صوبوں میں انتخابی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ پولنگ سے تقریباً

چار ہفتے پہلے قائداعظمؒ کراچی تشریف لائے اور جی الانہ سے یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : حصول پاکستان کی جدوجہد میں سندھ ایک اہم صوبہ ہے۔ اس صوبہ میں مسلم لیگ کو مسلمانوں کی 35 کی 35 نشستیں حاصل کرنی چاہئیں تاکہ یہاں لیگی وزارت بنائی جاسکے۔ الانہ! میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ تم مجھے صحیح صورتحال سے آگاہ کر دو۔ صوبے کی انتخابی مہم کیسی جا رہی ہے؟

جی الانہ : جناب! میں آپ سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔ میرے اپنے اندازے کے مطابق شاید 35 میں سے 5 نشستیں نہ جیت سکیں۔

قائداعظمؒ : سندھ اسمبلی میں کل 35 نشستیں ہیں۔ اگر ہم 35 مسلم نشستوں میں سے پانچ نہ جیت سکے تو وزارت کس طرح بنا سکیں گے۔ یہ صورت حال تو بہت تشویشناک ہے۔

جی الانہ : انتخابی کمیٹی کو بھی یہی پریشانی ہے۔

قائداعظمؒ : لیکن یہ پانچ نشستیں کونسی ہیں اور ان کو حاصل نہ کر سکنے کے کیا اسباب ہیں؟

جی الانہ : ہمارے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ روپے کی کمی ہے۔ سندھ کے ہندوؤں کے ہاتھ میں موٹر ٹرانسپورٹ اور پٹرول اسٹیشن ہیں۔ جب تک ہم لیگ کے امیدواروں کے لیے پٹرول اور گاڑیاں مہیا نہ کریں ان کی کامیابی غیر یقینی رہے گی۔

قائداعظمؒ : تمہیں اور کتنی رقم درکار ہے؟

جی الانہ : ہمیں کم از کم مزید ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے۔

قائداعظمؒ : میرے پاس جو روپیہ ہے وہ میرا ذاتی نہیں بلکہ مسلمانوں کی امانت ہے۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ ہر روپے پر ہمیں سولہ آنے فائدہ ہو۔

جی الانہ : جی!

قائداعظمؒ : میں سودے بازی نہیں کر رہا ہوں۔ مزید پچاس ہزار لے لیجئے اور مجھے یہ یقین دلا دیجئے کہ ہم تمام 35 نشستیں جیت لیں گے۔

جی الانہ : ہم ہر ممکن کوشش کریں گے اور انشاء اللہ تمام نشستیں حاصل کرکے رہیں گے۔

قائداعظمؒ : ہاں ان مشکل نشستوں میں لیگ کے مقابل کون کون کھڑا ہو رہا

ہے؟

جی الانہ : ان میں سے ایک نشست جی ایم سید کی ہے۔

قائداعظمؒ : جی ایم سید؟

جی الانہ : جی ہاں۔

قائداعظمؒ : یہ ایک انتہائی نازک انتخاب ہے۔ لیگ کو مسلمانوں کی تمام نشستیں جیتنی چاہئیں۔ خاص طور پر سید کی نشست تو ہمیں بہرقیمت حاصل کرنی ہے۔ آخر اس حلقہ میں ہماری کامیابی کی راہ میں کیا مشکلات ہیں؟

جی الانہ : جی ایم سید اپنے ضلع کے انتہائی بااثر شخص ہیں۔ وہ ضلع دادو کے پیر ہیں اور ان کے مریدوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ ہم نے ان کے مقابل ضلع حیدرآباد کے قاضی اکبر کو کھڑا کیا ہے۔ جی ایم سید کے حامی اس سے فائدہ اٹھا کر لوگوں سے کہتے پھر رہے ہیں کہ قاضی محمد اکبر باہر کے آدمی ہیں۔

قائداعظمؒ : میں جی ایم سید کی نشست کو انتہائی اہم سمجھتا ہوں۔ بہرصورت یہ نشست حاصل کرنی ہے۔ اس حلقہ میں لٹریچر کی بارش کر دو' ورکروں کی فوج بھیج دو' جلسے کرو اور قاضی اکبر کو ٹرانسپورٹ کے سلسلے میں ہر قسم کی امداد دو۔

جی الانہ : بہت بہتر۔

قائداعظمؒ : الانہ! تم اپنا ہیڈ کوارٹر کراچی سے حیدرآباد منتقل کر دو تاکہ جی ایم سید کے انتخابی حلقے سے قریب رہ سکو۔ میں بہت جلد کل ہند اہمیت کے چند لیڈر اور علی گڑھ سے طالب علم رضاکار بھیجوں گا۔

جی الانہ : شکریہ' خدا حافظ۔

جی الانہ کمرہ سے باہر جانے کے لیے مڑتے ہیں کہ قائداعظمؒ دوبارہ طلب فرماتے ہیں۔ اپنے قریب کی کرسی پر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے۔

قائداعظمؒ : ایک بات یاد رکھیے! اگرچہ یہ انتخابات اہم ہیں تاہم اس میں جیتنے کے لیے نامناسب طریقے اختیار نہ کئے جائیں۔ مثال کے طور پر آپ کو جی ایم سید کے حلقے میں مسلم لیگ کے نمائندے قاضی اکبر کو بہرقیمت کامیاب کرانا ہے لیکن ووٹروں کو کسی قسم کی رشوت نہیں دی جائے گی۔ میں یہ ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ ووٹ خریدنے کے لیے ووٹر کو ایک روپیہ بھی دیا جائے۔ یہ بددیانتی اور بے

ایمانی ہے۔ میں اس بے ایمانی کے مقابلہ میں ہار جانے کو ترجیح دوں گا۔

اس واقعہ کے راوی جی الانہ لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کا خیال تھا کہ قیام پاکستان جیسے اعلیٰ مقصد کے حصول میں صرف اخلاقی طریقوں ہی کو بروئے کار لانا چاہیے۔



جو آج بکا ہے' کل بھی بک سکتا ہے

حسین ملک سابق جائنٹ سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ' جب دہلی میں تھے تو دہلی مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے۔ لیکن ان کے ذاتی تعلقات جمعیت علماء ہند کے بعض نیشنلسٹ علماء سے بھی تھے۔ ایک روز باتوں باتوں میں ان میں سے ایک مولوی صاحب نے حسین ملک کو یہ تاثر دیا کہ جیسے ان کی خواہش ہے کہ اگر مسلم لیگ ان کا ماہانہ لگا دے تو وہ اس کے لیے کام کریں گے۔ حسین ملک نے موقع پا کر یہ ذکر قائداعظمؒ کے سامنے چھیڑا۔

حسین ملک : جمعیت العلماء ہند کے ایک نیشنلسٹ مولوی نے ازخود خواہش ظاہر کی ہے کہ وہ مسلم لیگ کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں۔

قائداعظمؒ : تو بخوشی کریں۔ اس سے بڑھ کر کیا بات ہوگی۔

حسین ملک : لیکن وہ کچھ معاشی تحفظ بھی چاہتے ہیں۔

قائداعظمؒ : کیسے؟

حسین ملک : اگر مسلم لیگ ان کا کچھ ماہانہ وظیفہ مقرر کر دے تو جمعیت العلماء ہند میں شگاف پڑ سکتا ہے۔

قائداعظمؒ : بالکل نہیں۔ جو شخص پیسے کے عوض آج آپ کے ساتھ ہے کل کسی اور کے ساتھ ہوگا۔



سیاسی سودے بازی سے گریز

سیاسی ہیر پھیر کا نام ڈپلومیسی ہے۔ یعنی دل میں کچھ' زبان پر کچھ' ارادہ کچھ اور وعدہ کچھ۔ قائداعظمؒ کی سیاست کاری اس قسم کی ڈپلومیسی سے قطعاً" مبرا تھی۔ 1947ء کے سیاسی مذاکرات کے

نازک ترین لمحات میں بھی انہوں نے ڈپلومیسی یا سودے بازی سے کام نہیں لیا۔

قائداعظمؒ کی اس بے نظیر خصوصیت کی ایک حیرت انگیز مثال وہ واقعہ ہے جو مسٹر مسعود سی ایس پی کے حوالے سے 8 ستمبر 1980ء کے اخبار جہاں میں چھپا ہے۔ جون 1947ء میں بلوچستان میں ریفرنڈم ہونے والا تھا۔ مسٹر مسعود حکومت سندھ سے جہاں وہ ان دنوں تعینات تھے چھ ہفتے کی رخصت لے کر کوئٹہ پہنچ گئے اور وہاں سرداروں سے مذاکرات شروع کئے۔ سرداروں ہی کو شاہی جرگے کے اجلاس میں اس بات کا فیصلہ کرنا تھا کہ بلوچستان پاکستان میں شامل ہوگا یا ہندوستان میں۔ مذاکرات کئی نازک مرحلوں سے گزر چکے آخرکار کامیابی کی منزل تک پہنچ گئے۔ تمام رکاوٹیں سر ہو چکی تھیں۔ کانگریسی لیڈر خان عبدالصمد اچکزئی اور ان کے ساتھی مایوس ہو چکے تھے اور صاف نظر آرہا تھا کہ شاہی جرگہ پاکستان کے حق میں فیصلہ دے دے گا۔ لیکن آخری وقت میں مخالفوں نے اپنی آخری چال چلی اور سرداروں کو ورغلایا کہ پاکستان میں شامل ہونے سے مرکز سے ملنی والی مالی امداد بند ہو جائے گی اور سرداری حقوق و مراعات کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ جبکہ انڈیا سے الحاق کی صورت میں مالی امداد اور دوسری مراعات جاری رہیں گی۔

پاکستان کے مخالفوں نے اس بات کا کچھ اس انداز سے پروپیگنڈہ کیا کہ سردار گھبرا گئے اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ قائداعظمؒ اس امر کی گارنٹی دیں کہ پاکستان بن جانے کے بعد سرداروں کے تمام حقوق و مفادات محفوظ رہیں گے اور مرکز کی طرف سے جو امداد ملتی ہے وہ حسب سابق بدستور ملتی رہے گی۔ یہ بڑا نازک مرحلہ تھا کیونکہ قائداعظمؒ دہلی میں تھے اور شاہی جرگے کے اجلاس میں صرف دو دن باقی تھے۔ اتنی جلدی قائد سے بات کرنا بہت مشکل تھا۔ بہرحال بہ ہزار دقت مسٹر مسعود نے دوسرے روز چار بجے شام قائداعظمؒ سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا تو رسمی مزاج پرسی کے بعد یہ گفتگو ہوئی۔

مسٹر مسعود : جناب والا! بلوچستان کے سردار پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے پر رضامند ہو گئے ہیں لیکن وہ چاہتے ہیں کہ آپ انہیں اس امر کی گارنٹی دیں کہ ان کے جملہ حقوق محفوظ رہیں گے اور انہیں مالی امداد بھی حسب سابق ملتی رہے گی۔

قائداعظمؒ : (قطعی لہجے میں) میں کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا۔ ان سے کہہ دو کہ وہ مجھ پر بھروسہ کریں اور میرے دشمنوں کے جھانسے میں نہ آئیں۔ ہاں تو تم ان سے کیا کہو گے؟

مسٹر مسعود : یہ کہ آپ انہیں کوئی گارنٹی نہیں دے سکتے اور یہ کہ وہ آپ پر بھروسہ کریں اور آپ کے دشمنوں کے جھانسے میں نہ آئیں۔

قائداعظمؒ : ٹھیک ہے۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مسٹر مسعود لکھتے ہیں کہ ابھی میں قائداعظمؒ کے الفاظ دہرا رہا تھا کہ نواب جوگیزئی نے میرے ہاتھ سے فون لے لیا اور قائداعظمؒ سے مخاطب ہوکر کئی بار قائداعظمؒ قائداعظمؒ پکارا اور پھر ٹیلی فون رکھ دیا۔ شاہی جرگے کے سردار اس وقت سامنے بیٹھے تھے۔ نواب جوگیزئی نے ان سے مخاطب ہوکر کہا کہ قائد سے میری بات ہوگئی ہے فکر مت کرو۔ جب سرداروں نے مسعود صاحب سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی تو انہوں نے یہی کہا کہ قائد کہتے ہیں کہ مجھ پر بھروسہ کرو۔ دشمنوں کے جھانسے میں نہ آؤ۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ یہ سن کر سردار مطمئن ہوگئے اور دوسری دن شاہی جرگے نے اتفاق رائے سے پاکستان میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔

واقعہ بیان کرنے کے بعد مسٹر مسعود کہتے ہیں۔

"مجھے قائداعظمؒ کی اس بات پر سخت حیرت ہوئی تھی کہ ایسے نازک ترین وقت پر بھی ڈپلومیسی سے کام نہ لیا اور دو ٹوک جواب دیا جس میں کسی قسم کا رکھ رکھاؤ نہ تھا۔ قائداعظمؒ کو علم تھا کہ کانگریسی ایجنٹ سرداروں کو اس قسم کی گارنٹی دے رہے تھے اور طرح طرح کے وعدے وعید کر کے انہیں پھسلا رہے تھے۔ بظاہر اس صورتحال کا تقاضا یہی تھا کہ قائداعظمؒ بھی انہیں کوئی سبز باغ دکھا کر مطلب برآری کی کوشش کریں۔ لیکن انہوں نے بلاخطر صاف بات کر دی اور کسی قسم کی سودے بازی سے انکار کر دیا۔ ایسے نازک وقت میں جبکہ صاف گوئی سے سخت نقصان پہنچنے کا احتمال تھا صرف قائداعظمؒ ہی صاف گوئی سے کام لے سکتے تھے۔"



سیاسی جوڑ توڑ سے گریز

سیاست میں قائداعظمؒ کسی جوڑ توڑ کے قائل نہیں تھے۔ اس اصول پر وہ خود بھی عمل پیرا تھے۔ 1926ء میں جناح بمبئی کے مسلمان حلقے سے مرکزی مجلس قانون ساز کی رکنیت کے لیے امیدوار تھے۔ اسی حلقے سے مسٹر صالح بھائی اور مسٹر حسین بھائی لال جی نے بھی کاغذات نامزدگی داخل کر دیئے۔ انہوں نے اپنی انتخابی مہم چلانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ووٹ دینے والے مجھے جانتے ہیں اور دوسروں کو بھی۔ اس لیے مجھے در در پھرنے کی ضرورت نہیں۔ بہرحال ووٹنگ شروع ہوئی تو چند گھنٹے کے بعد ہی اس کے حریفوں کو پتہ چل گیا کہ ان کے لیے عافیت اسی میں ہے کہ خود ہی بیٹھ جائیں۔ دوپہر سے پہلے مسٹر صالح بھائی برودہ ان کے پاس آئے۔

صالح بھائی : جناح صاحب ! میں آپ کے حق میں دستبردار ہونے کو تیار ہوں۔ لیکن

اگر آپ محض رسمی طور پر مجھ سے نام واپس لینے کی درخواست کر دیں تو میرے لیے اپنا نام واپس لینا آسان ہو جائے گا۔

جناح : میں آپ کے جذبہ خیرسگالی کی قدر کرتا ہوں لیکن اصولاً میرے لیے آپ سے یہ درخواست کرنا ممکن نہیں۔ اگر آپ دن ختم ہونے تک مقابلہ جاری رکھیں تو میں اس کا برا نہ مناؤں گا۔

چنانچہ ایک اصول کی خاطر انہوں نے صالح بھائی سے ان کے حق میں بیٹھ جانے کی درخواست نہیں کی۔ لیکن ان کا معذرت کرنے کا انداز اتنا موثر تھا کہ آدھ گھنٹے کے اندر صالح بھائی خود ہی بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد ان کے دوسرے حریف مسٹر حسین بھائی لال جی بھی ان کے پاس آئے۔

حسین بھائی : مسٹر جناح! میں یہ پسند کروں گا کہ میں آپ کے حق میں اپنا نام واپس لے لوں۔

جناح : مسٹر لال جی! یہ فیصلہ آپ کا اپنا ہے۔ اگر آپ بیٹھنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو روک نہیں سکتا۔

حسین بھائی : لیکن ایسا کرنے کے لیے مجھے کوئی بہانہ چاہئے تاکہ میری بات بھی رہ جائے۔

جناح : آپ کا کیا مطلب ہے؟

لال حسین جی : اگر آپ مجھ سے رسمی سی درخواست کریں تو میں اسی وقت بیٹھنے کو تیار ہوں۔

جناح : مسٹر لال جی! بہتر یہ ہوگا کہ آپ مقابلہ جاری رکھیں۔ میرے لیے آپ سے نام واپس لینے کی درخواست ممکن نہیں۔ ویسے آنے کی زحمت کرنے کے لیے بہرحال میں آپ کا ممنون ہوں۔



کرائے کے کارکن بھی نہیں

1937ء میں جب قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم شروع کی اور اسے ایک تحریک کے طور پر ملک کے طول و عرض میں پھیلانا شروع کیا تو ہر جگہ باشعور مسلمانوں نے ان کے ساتھ تعاون کیا۔ لیکن شروع میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔ ایسے منجھے ہوئے سیاسی کارکن تو اور بھی کم تھے جو اچھے مقرر ہوں اور عوام میں کام کر سکیں۔ یہی صورت حال 1937ء میں شملہ میں تھی۔ وہاں کے ایک دردمند مسلمان پیرزادہ محمد ذکاء اللہ نے مسلم لیگ کے لیے پرجوش طریقے سے کام شروع کیا۔ لیکن

کچھ عرصہ کے بعد انہیں اندازہ ہوا کہ عوام میں سیاسی کام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلم لیگ کے ساتھ دو ایک عوامی مقرر بھی ہوں چنانچہ ایک عرصہ کی کوشش کے بعد انہوں نے مشہور سیاسی کارکن کو جو بڑے اچھے مقرر بھی تھے مسلم لیگ کے لیے تھوڑے سے معاوضہ پر کام کرنے کے لیے راضی کیا اور اپنے طور پر سمجھے کہ انہوں نے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ کچھ اس کی داد لینے اور کچھ رسمی اجازت لینے وہ قائداعظمؒ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔

پیرزادہ : ہمیں شملہ میں مسلم لیگ کی تحریک کو عوام میں مقبول بنانے کے لیے ایک تجربہ کار سیاسی کارکن اور خوش بیان مقرر کی اشد ضرورت تھی۔ بڑی کوششوں کے بعد ہم ایک ایسے شخص کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

قائداعظمؒ : یہ تو اچھی خبر ہے۔

پیرزادہ : مگر اس کانگریسی مسلمان مقرر اور سیاسی کارکن کا ایک معمولی سا مطالبہ بھی ہے۔

قائداعظمؒ : کیا؟

پیرزادہ : کہ لیگ اس کے گزارے کے لیے صرف سو روپیہ ماہانہ کا انتظام کر دے۔ اگر ضروری ہوا تو ہم لوگ خود ہی اس رقم کا انتظام کرلیں گے۔ لیگ کے مرکزی فنڈ پر اس کا بار نہ ڈالیں گے۔ صرف آپ کی اجازت کی دیر ہے۔

قائداعظمؒ : (قدرے ناخوشی کے ساتھ)
مجھے افسوس ہے کہ میں اس تجویز سے اتفاق نہیں کر سکتا خواہ روپیہ کوئی دے۔

پیرزادہ : میں تو سمجھتا تھا کہ میں ایک اہم خبر لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں اور آپ میری تجویز کا خیرمقدم کریں گے۔ آخر ہمارے پاس کارکن ہیں ہی کتنے اور ان میں سے بھی کتنے ایسے ہیں جو عام مسلمانوں پر اثر ڈال سکتے ہوں۔

قائداعظمؒ : دیکھئے مسٹر پیرزادہ! میں آپ کی نیک نیتی سے پیش کی ہوئی تجویز کو اس لیے منظور نہیں کر سکتا کہ یہ کام مسلمانوں کا اپنا کام ہے اور اسے کرنے کے لیے کسی مسلمان کو رشوت دینا میرے لیے قطعاً ناجائز ہے۔ اگر آپ کے دوست واقعی یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں مسلم لیگ میں آکر کام کرنا چاہئے تو اس کے لیے شرطیں ٹھہرانا کیا معنی۔ دوسرے یہ کہ ہم ایک غریب قوم ہیں۔ آپ کے دوست ہم سے صرف ایک سو روپے مانگتے ہیں۔ اگر ہم ان کی شرط منظور بھی کرلیں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ ہم سے زیادہ مال دار قوم ہم سے زیادہ دام دے کر انہیں ہم سے دوبارہ چھین نہ لے گی۔ تم ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ اگر وہ آکر ہم میں شامل ہو جائیں گے تو ہم دل و جان سے ان کا استقبال کریں گے۔ جو روکھی

سوکھی ہمیں میسر ہے اس میں وہ بھی ہمارے حصہ دار ہوں گے لیکن اگر وہ پیشگی کوئی شرط منوانا چاہتے ہیں تو بہتر ہوگا کہ جہاں ہیں وہیں رہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ صاحب مسلم لیگ کا کام کرنے پر تیار نہیں ہوئے لیکن قائداعظمؒ نے سیاسی رشوت دینے کی اجازت بھی نہیں دی۔



مسجد کے لیے چندہ برحق، لیکن اس طرح نہیں

برس ہا برس تک مسلم لیگ کے آفس سیکرٹری سید شمس الحسن نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ 1945ء میں کراچی مسلم لیگ کے ایک سربرآوردہ رکن قائداعظمؒ سے ملنے آئے۔

رکن : میں یہ درخواست لے کر آیا ہوں کہ صاحب کو مسلم لیگ کا ٹکٹ نہ دیا جائے۔ جب تک ......

قائداعظمؒ : جب تک کیا؟

رکن : جب تک وہ اپنا وعدہ پورا نہ کریں۔

قائداعظمؒ : کون سا وعدہ؟

رکن : انہوں نے پچھلے الیکشن کے موقع پر مسجد کی تعمیر کے لیے ایک لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔

قائداعظمؒ : اول تو مجھے اس قسم کے کسی وعدہ کا علم نہیں اور اگر اس قسم کا کوئی وعدہ کیا بھی گیا تھا تو میں اصولاً اسے جائز نہیں سمجھتا کہ لیگ کا ٹکٹ روپیہ لے کر دیا جائے خواہ وہ کام جس کے لیے روپیہ لیا جا رہا ہے کتنا اچھا ہی کیوں نہ ہو۔ مسجد کی تعمیر اچھی چیز ہے۔ یہ کام محض ٹکٹ کے حصول کے لیے کیا جائے تو یہ قابل تعریف نہیں۔ میں اس کارروائی میں شریک نہیں ہو سکتا۔

(ڈان 25 دسمبر 1966ء)



بغیر ٹکٹ کے خط قبول نہ کئے جائیں

تحریک پاکستان کے آخری زمانے کا واقعہ ہے کہ قائداعظمؒ کو سالگرہ کے موقع پر بے شمار تہنیتی

خطوط ملے۔ ان میں سے ایک خط پنجاب کے ایک پرانے مسلم لیگی خان بہادر صاحب کا بھی تھا۔

سیکرٹری : یہ خط پنجاب سے خان بہادر صاحب نے بھیجا ہے۔ لکھا ہے کہ آپ میرے پیر ہیں۔ مسلم لیگ میرا مذہب ہے۔ میں لیگ کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار ہوں۔ انہوں نے سالگرہ کا تحفہ بھی بھیجا ہے۔ اتفاق سے ان کے خط پر ٹکٹ نہیں لگے تھے۔

قائداعظمؒ : پھر تم نے اسے قبول کیوں کیا۔

سیکرٹری : سہواً ٹکٹ نہ لگایا ہوگا۔

قائداعظمؒ : (خط کے مندرجات کو نظرانداز کرتے ہوئے) جواب میں لکھو کہ آپ کے خط پر ٹکٹ نہیں تھا۔ بغیر ٹکٹ لگے خط وصول نہیں کئے جاتے۔ سیکرٹری نے غلطی سے آپ کا خط لے لیا۔ ہر روز آنے والے بے شمار بیرنگ خط وصول کئے جائیں تو مسلم لیگ کے پیسے کا ضیاع ہوگا۔ حالانکہ مسلم لیگ کو اپنے کام کے لیے مزید پیسے کی ضرورت ہے۔

سید شمس الحسن یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اگلے ہفتے خان بہادر صاحب کا چار آنے کا منی آرڈر وصول ہوگیا۔"



جو مسلم لیگ کا وفادار رہا، مسلم لیگ اس کی وفادار رہے گی

جنوبی ہندوستان کے صوبے مہاراشٹر میں ایک ضلع تھا شعلہ پور، اس کی مسلم لیگ کے صدر، ضلع کے ایک سر سلیمان حضرت جی تھے۔ بڑے امیر کبیر، صاحب ثروت، صاحب اقتدار، جب مسلم لیگ پر سخت دن آئے تو حضرت جی مسلم لیگ چھوڑ گئے۔ ان کی جگہ ایک معمولی بیڑی فروش مگر مخلص کارکن عبدالستار بیڑی والے نے سنبھالی اور مقدور بھر مسلم لیگ کی خدمت کی۔ لیکن جب مسلم لیگ کے دن پھرے اور اس کو مسلمانوں میں حد درجہ مقبولیت حاصل ہوگئی تو سر سلیمان حضرت جی دوبارہ مسلم لیگ میں شامل ہوگئے اور 1946ء کے انتخابات میں شعلہ پور کے لیے مسلم لیگ کے ٹکٹ کے امیدوار ہوئے۔ اس مسئلہ پر مسلم لیگی کارکنوں میں اختلاف رائے پیدا ہوگیا۔ لوگ عبدالستار بیڑی والا کو ٹکٹ دینے کے حق میں تھے۔ لیکن سر سلیمان کے حامیوں کی بھی کمی نہ تھی۔ اختلاف نے طول پکڑا اور معاملہ قائداعظمؒ تک جا پہنچا۔

سیکرٹری مسلم لیگ : جناب ! اب یہ فیصلہ آپ کریں۔

قائداعظمؒ : میں نے دونوں فریقوں کی آراء سنی ہیں۔ میرا فیصلہ یہ ہے۔

"جو مسلم لیگ کا وفادار رہا' مسلم لیگ اس کی وفادار رہے گی۔"

حسن اے شیخ اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس طرح قائداعظمؒ کے فیصلے کے مطابق ٹکٹ عبدالستار بیڑی والا کو ملا۔ سر سلیمان جی آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوگئے اور بیڑی والا سے شکست کھائی۔



ایک مخلص کارکن نے بلایا ہے' ضرور جاؤں گا

1942ء میں جالندھر میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں شرکت کی دعوت جالندھر کے ایک مخلص اور پرجوش مسلم لیگی کارکن امام دین نے بھیجی تھی جو ایک غیرمعروف سکول ماسٹر تھا۔ قائداعظمؒ نے تار کے ذریعے دعوت قبول کر لی۔ چونکہ دعوت ایک گم نام اور بے وسیلہ سکول ماسٹر نے بھیجی تھی' شہر کے مقتدر لیڈروں کو فکر ہوئی کہ اتنے مختصر عرصہ میں انتظام کیسے ہوگا اور اتنے بڑے اجلاس کیلئے روپیہ کہاں سے آئے گا غالباً" کچھ رشک کچھ حسد بھی ہوگا کہ ایک معمولی آدمی کو قائد اعظمؒ کو بلانے کا اعزاز مل رہا ہے۔ چنانچہ اہل ثروت و اقتدار کا ایک وفد بمبئی میں قائداعظمؒ سے ملا۔

وفد : ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ سے یہ اجلاس ملتوی کرنے کی درخواست کریں۔

قائداعظمؒ : کیوں کیا خاص مجبوری ہے؟

وفد : ایک وجہ تو یہ ہے کہ اجلاس پر لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ آئے گا۔ اتنا روپیہ یہ امام دین اتنے تھوڑے عرصہ میں کہاں سے جمع کرے گا۔ پھر کچھ انتظامی معاملات ہیں۔

قائداعظمؒ : مجھے ایک کارکن ساتھی نے بلایا ہے۔ جالندھر میں ضرور جاؤں گا خواہ جلسہ میں امام دین اکیلا ہی کیوں نہ ہو۔

چنانچہ یہ اجلاس ہوا اور بہت دھوم دھام سے ہوا۔ قائداعظمؒ عام مگر مخلص سیاسی کارکنوں کی دل داری کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ پھر یہ صاحب امام دین' خلیفہ امام دین بقاء کے نام سے 1943ء سے 1947ء تک جالندھر ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کے سیکرٹری رہے۔



قوم کے بہترین مفاد میں

لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے آخری وائسرائے کی انتہائی خواہش اور کوشش تھی کہ تقسیم کے بعد پاک وہند دونوں نو آزاد ملکوں کا وہ مشترکہ گورنر جنرل ہو۔ چنانچہ اس نے یہ تجویز باقاعدہ طور پر کانگریس اور مسلم لیگ کو پیش کی۔ قائداعظمؒ اس خطرناک چال کے مضمرات سے خوب واقف تھے۔ اس لیے وہ اس کے حق میں نہ تھے۔

ایک روز جب وائسرائیگل لاج کے ایک کمرے میں قائداعظمؒ لیاقت علی خان اور چوہدری محمد علی کے ساتھ آزادی کے بل پر کچھ کام رہے تھے کہ ماؤنٹ بیٹن کمرے میں آگئے اور آتے ہی اس نے دلیل، التجا، دھمکی، ہر حربے سے کام لے کر قائداعظمؒ کو ہم خیال بنانے کی کوشش کی۔

ماؤنٹ بیٹن : مشترک گورنر جنرل کی تجویز اعلیٰ ترین محرکات پر مبنی ہے اور پاکستان کے فائدے کے لیے ہے۔ مشترک گورنر جنرل کے بغیر پاکستان سنگین نقصانات سے دوچار ہو گا۔ پاکستان کے حقوق کے حصول میں مجھے بڑی دشواری پیش آرہی ہے۔ جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو کہ 15 اگست کے بعد بھی تقسیم سے پہلے کے مقام پر فائز رہوں گا۔ میں پاکستان کی مدد کیسے کر سکوں گا۔ پاکستان کے لامحدود نقصانات کی ذمہ داری آپ پر ہو گی۔ اگر آپ نہ مانے تو میں سارے معاملے کو پبلک میں لے آؤں گا تاکہ دنیا خود دیکھ لے۔ مجھے یقین ہے کہ تاریخ کا فیصلہ میرے حق میں اور آپ کے خلاف ہو گا۔ بڑی حیرانی کی بات ہے کہ مجھے مشترک گورنر جنرل بنانے پر اعتراض کانگریس نے نہیں پاکستان نے کیا۔

قائداعظمؒ : (حد درجہ سکون سے) میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس فیصلے کے پیچھے کوئی شخصی محرک کارفرما نہیں بلکہ اپنی قوم کے مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ قدم اٹھایا گیا ہے۔

ماؤنٹ بیٹن : کیا آپ کو میری غیرجانبداری پر کوئی شبہ ہے؟

قائداعظمؒ : ہرگز نہیں۔ مجھے آپ کے اخلاص اور غیرجانبداری پر پورا یقین اور اعتماد ہے۔ اس کا ثبوت ہماری یہ تجویز ہے کہ اگر آپ کو سینئر گورنر جنرل بنا دیا جائے تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے چوہدری محمد علی لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کی طرف سے اعتماد کے اس اظہار کے باوجود ماؤنٹ بیٹن کا دل صاف نہ ہوا اور اس کے بعد تقسیم کے مسائل اور پاکستان کے

متعلق اس کے طرزِ عمل میں ایک نمایاں تبدیلی آ گئی۔ پوشیدہ بغض اب علانیہ عداوت کی شکل اختیار کر گیا۔



میں خیانت کیسے کروں؟

ایک دفعہ قائداعظمؒ کسی کیس کے سلسلے میں آگرہ تشریف لے گئے۔ مسلم لیگ کے کارکنوں کو خبر ہوئی تو وہ ان کی خدمت میں پہنچے۔

کارکن : جناب والا ! یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ آگرہ میں تشریف لائے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آگرہ مسلم لیگ کی طرف سے ایک بڑا جلسہ کریں اور آپ اس میں تقریر فرمائیں۔

قائداعظمؒ : میں آپ کے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔ اس جلسہ سے مسلم لیگ کے مشن کو تقویت پہنچے گی اور اس کی اہمیت اور ضرورت کا بھی مجھے احساس ہے۔ اس کے باوجود میں اس جلسہ میں تقریر نہیں کر سکوں گا۔

کارکن : (تعجب سے) کیوں؟ کیا ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی؟

قائداعظمؒ : نہیں۔ ایسی بات نہیں۔

کارکن : تو پھر کیا وجہ ہے؟ ارشاد فرمائیں۔

قائداعظمؒ : وجہ ایک اصولی بات ہے۔

کارکن : جی !

قائداعظمؒ : دیکھئے ! میں یہاں اپنے مؤکل کی طرف سے پیش ہونے آیا ہوں' جس کی وہ فیس ادا کر رہا ہے۔ میں خیانت کیسے کروں؟ آپ جلسہ کرنا چاہتے ہیں تو ضرور کریں۔ چند دنوں کے بعد بلا لیں۔ میں اپنے خرچ پر آؤں گا۔



کیا میں راز افشا کر دوں؟

جس زمانے میں شملہ میں قائداعظمؒ گاندھی اور وائسرائے سے سیاسی مذاکرات کر رہے تھے۔

شیخوپورہ سے چند ممتاز مسلم لیگی وکلاء آئے جن میں محمد حسین چٹھہ اور سید یعقوب علی بھی شامل تھے۔ ان سے ملاقات کا وقت لیا۔ قائداعظمؒ بڑی شفقت سے پیش آئے اور ان سے پنجاب کی سیاست پر دلچسپی سے تبادلہ خیال کرتے رہے اور انہیں مقررہ وقت سے کچھ زیادہ وقت دیا۔ اس عزت افزائی سے ہمت پا کر سید یعقوب علی نے یکایک پوچھ لیا۔

"جناب والا! ہم آپ سے جناح لنلتھگو بات چیت کے بارے میں کچھ پوچھ سکتے ہیں؟"

"آپ مجھ سے توقع رکھتے ہیں کہ جو مذاکرات رازدارانہ ہو رہے ہیں میں ان کو فاش کر دوں گا؟"

قائداعظمؒ اس سلسلے میں کتنے محتاط تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب خود محترمہ فاطمہ جناح نے ان سے ایک بار مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کی کسی کارروائی کے بارے میں پوچھا تو انہیں کہا کہ آپ اپنی نمائندہ بیگم محمد علی جوہر سے پوچھیئے تو انہوں نے کہا کہ وہ تو کچھ بتاتی ہی نہیں تو اس کا جو جواب قائداعظمؒ نے دیا وہ یہ تھا۔

"پھر تو وہ بہت اچھا کرتی ہیں۔"



میں ہرگز منافقت نہیں کروں گا

1936ء کی بات ہے کہ شملہ میں قائداعظمؒ کا شاندار جلوس لوئر مال سے گزر رہا تھا۔ جلوس میں قائداعظمؒ کے ساتھ فاطمہ جناح' لیاقت علی خان' مولانا شوکت علی' خواجہ ناظم الدین' حسین شہید سہروردی' مولانا ظفر علی خان' مولانا حسرت موہانی' سردار اورنگ زیب' سرسید اللہ خان' عبدالمتین' چوہدری حاجی عبدالستار' سیٹھ ایم اے ایچ اصفہانی اور راجہ صاحب محمود آباد بھی تھے۔ قائداعظمؒ ایک کھلے رکشہ میں تھے اور انہوں نے اپنا ہیٹ اپنے گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر ایک لیگی نے کہا۔

لیگی کارکن : جناب والا! اگر آپ اپنا ہیٹ اٹھا کر اپنے پاؤں کے قریب رکھ لیں۔

قائداعظمؒ : (قدرے چونک کر) کیوں؟

لیگی کارکن : عام مسلمان ہیٹ پسند نہیں کرتے۔ اگر آپؒ ہیٹ نیچے رکھیں تو وہ خوش ہوں گے۔

قائداعظمؒ : میں کبھی بھی گاندھی کی طرح منافقت اختیار نہیں کروں گا۔

اس واقعہ کے عینی شاہد' انبالے کے مشہور مسلم لیگی رہنما سید کاظم علی لکھتے ہیں کہ یہ کہہ کر قائداعظمؒ نے اپنا ہیٹ گھٹنوں سے اٹھا کر سر پر رکھ لیا۔



حدیث کی کتاب اور فوٹو!

شملہ کانفرنس کے بعد قائداعظمؒ جب کوئٹہ تشریف لائے تو ریلوے اسٹیشن پر یحییٰ بختیار نے ان کی چند تصویریں اتار دیں۔ قائداعظمؒ نے ان تصویروں کو پسند کیا اور اپنے سیکرٹری کے ایچ خورشید کو بلا کر کہا کہ ان تصویروں کو ڈان میں چھپوا دیں اور پھر یحییٰ بختیار سے فرمائش کی کہ آپ اتوار کو آکر میری دو ایک تصویریں اور اتاریں تاکہ دینے دلانے کے کام آئیں۔ دوسرے روز وقت مقررہ پر یحییٰ بختیار فوٹوگرافی کا ضروری سامان لے کر قائداعظمؒ کی قیام گاہ خان آف قلات کے ڈیرے پہنچے۔ قائداعظمؒ اس وقت سیاہ شیروانی میں ملبوس صوفے پر بیٹھے تھے۔ یحییٰ بختیار جب اپنے کیمرے کو سیٹ کر رہے تھے تو ان کی نگاہ قائداعظمؒ کے سامنے میز پر پڑی۔ میز پر پڑی ایک کتاب جس کے سرورق پر انگریزی میں الحدیث لکھا تھا۔ ایک دم انہوں نے کچھ سوچ کر کہا۔

یحییٰ بختیار : سر! آپ یہ کتاب ہاتھ میں اٹھا لیں تاکہ یہ فوٹو میں آجائے۔

قائداعظم : نہیں۔ یوں نہیں۔

یحییٰ بختیار لکھتے ہیں کہ پھر انہوں نے ساتھ کے بک ریک میں سے مسلم لیگ کا آئین اٹھایا۔ اس کے بعد ڈان اخبار پکڑا اور فرمایا "یہ ٹھیک ہے۔"



پھاٹک بند کر دو

جس زمانے میں قائداعظمؒ گورنر جنرل ہاؤس میں قیام پذیر تھے تو کبھی کبھی سیر کے لیے ملیر تک جاتے تھے۔ لیکن کوئی خصوصی حفاظتی انتظام نہیں ہوتا تھا۔ صرف اے ڈی سی گل حسن ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے ہوتے تھے۔ ایک روز راستے کا ریل پھاٹک بند تھا۔ چنانچہ قائداعظمؒ کی گاڑی پھاٹک کے قریب جا کر رک گئی۔ یہ دیکھ کر اے ڈی سی گاڑی سے اترے اور پھاٹک والے سے کہا کہ اگر ریل گاڑی دور ہے تو پھاٹک کھول دو۔ کار میں قائداعظمؒ بیٹھے ہیں۔ اس نے یہ کہہ کر کہ ٹرین تو ابھی دور ہے پھاٹک کھول دیا۔ گل حسن آکر اپنی جگہ بیٹھ گئے اور کار کے ڈرائیور عزیز کو اشارہ کیا کہ آگے چلو۔ عزیز نے کہا کہ صاحب کا حکم ہے گاڑی نہیں چلے گی۔ اسی لمحے قائداعظمؒ نے گل حسن سے کہا

"گل اس آدمی سے کہو، پھاٹک بند کر دے۔"

گل حسن پھر اترے اور پھاٹک والے سے کہا کہ پھاٹک بند کر دو۔ اس نے کہا' صاحب' کوئی حرج نہیں۔ گاڑی ابھی دور ہے۔ آپ گاڑی نکال لے جائیں۔ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ وہ تو ٹھیک ہے لیکن فی الحال تم فوراً پھاٹک بند کر دو۔ خیریت اسی میں ہے۔ ناچار و حیران ہو کر اس نے پھاٹک بند کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد ٹرین گزری' پھاٹک کھلا۔ تب جا کر قائداعظمؒ محمد علی جناحؒ گورنر جنرل آف پاکستان کی سٹاف کار آگے بڑھی۔ تھوڑی دیر کے بعد قائداعظمؒ اور کیپٹن گل حسن کے درمیان یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : گل!

گل حسن : سر' جی!

قائداعظمؒ : گل' آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ سے پھاٹک بند کیوں کروانے کو کہا تھا۔

گل حسن : جناب' مجھے نہیں معلوم۔

قائداعظمؒ : اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر میں اپنی ہی ہدایات اور احکامات پر عمل نہ کروں تو پھر میں دوسروں سے یہ توقع کیسے رکھ سکوں گا کہ وہ میری ہدایات اور احکامات پر عمل کریں جبکہ میں ملک کا سربراہ بھی ہوں۔



بے ضابطہ' بھائی سے بھی ملنے سے انکار

اواخر 1947ء کی بات ہے کہ قائداعظمؒ کے بھائی احمد علی گورنر جنرل ہاؤس میں ان سے ملنے آئے اور بڑے زعم سے اپنے ملاقاتی کارڈ پر اپنے نام کے ساتھ قائداعظمؒ گورنر جنرل آف پاکستان کا بھائی کے الفاظ لکھے اور کارڈ قائداعظمؒ کے اے ڈی سی کیپٹن گل حسن کو دیا اور کہا کہ میں قائداعظمؒ کا بھائی ہوں۔ آپ یہ کارڈ فوراً قائداعظمؒ کو دکھا دیں۔ بھائی وہ بھی قائداعظمؒ کا اے ڈی سی کو کچھ لحاظ تو کرنا ہی تھا۔ چنانچہ اس نے جلد سے جلد وہ کارڈ قائداعظمؒ کے سامنے رکھ دیا۔ اس کو توقع تھی کہ قائداعظمؒ کارڈ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور اپنی تمام مصروفیات کے باوجود فوراً بھائی سے ملنے کے لیے کچھ وقت ضرور نکالیں گے۔ لیکن اس سلسلے میں قائداعظمؒ سے اے ڈی سی کی جو گفتگو ہوئی وہ یہ تھی۔

قائداعظمؒ : یہ ملاقاتی کون صاحب ہیں؟

گل حسن : سر' آپ کے بھائی آئے ہیں۔ یہ کارڈ ان ہی نے دیا ہے۔

قائداعظمؒ : انہوں نے وقت لیا تھا؟

گل حسن : نہیں سر۔

قائداعظمؒ : ان سے کہو کہ میں اپائنٹ منٹ کے بغیر ان سے نہیں مل سکتا۔
(جب کیپٹن گل حسن کارڈ لے کر واپس جانے لگے تو قائداعظمؒ کی آواز پھر سے گونجی) گل!

گل حسن : یس سر!

قائداعظمؒ : یہ کارڈ ادھر لاؤ۔

گل حسن : سر (کارڈ دوبارہ سامنے رکھتے ہوئے)

قائداعظمؒ : (سرخ پنسل سے ' قائداعظمؒ گورنر جنرل آف پاکستان کا بھائی' کے الفاظ کارڈ سے کاٹنے کے بعد) ان سے کہو کہ کارڈ پر صرف اپنا نام لکھیں۔

گل حسن : بہت بہتر سر۔

کیپٹن گل حسن نے وہ کارڈ لے جا کر قائداعظمؒ کے بھائی کو دے دیا اور کہا "جناب یہ سرخ لکیریں قائداعظمؒ نے خود اپنے ہاتھ سے کھینچی ہیں۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ کارڈ پر صرف اپنا نام لکھیں اور اپنی طرف سے یہ اضافہ کیا کہ "آئندہ جب آپ صرف اپنے نام کا کارڈ پیش کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ قائداعظمؒ آپ سے ملاقات کر لیں۔"

قائداعظمؒ کے یہ اے ڈی سی کیپٹن گل حسن وہی ہیں جو دسمبر1971ء میں لیفٹننٹ جنرل کی حیثیت سے پاکستان آرمی کے چیف آف سٹاف کے عہدے پر اور کچھ عرصہ کے بعد ریٹائر ہو کر سفارتی منصب پر فائز رہے۔ جنرل گل حسن نے اپنے انٹرویو میں مزید کہا کہ قائداعظمؒ کراچی میں گورنر جنرل ہاؤس میں قیام پذیر ہوئے تو گورنر جنرل ہاؤس کا کوئی پردہ' کوئی فرنیچر' کوئی قالین غرضیکہ کوئی چیز بھی تبدیل نہیں کی۔ گورنر جنرل ہاؤس میں جب کبھی کوئی پارٹی ہوتی تھی تو صرف ایک دو مشروب رکھے جاتے تھے۔

محترمہ فاطمہ جناح بھی پیسے کے معاملے میں محتاط تھیں۔ گل حسن نے اس انٹرویو میں یہ بھی کہا

"قائداعظمؒ نے کبھی کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ ان کے ہاتھ چومے یا اس طریقے سے تعظیم کرے جس سے اس کی عزت نفس مجروح ہو۔"

--O--

میں نہیں چاہتا کہ محض میرا رشتہ دار ہونے کے حوالے سے تمہیں کوئی فائدہ یا نقصان پہنچے

قائداعظمؒ کی سیاسی زندگی ہر قسم کے ذاتی مفاد کے سائے سے بھی پاک تھی۔ اس سلسلہ میں وہ حد درجہ محتاط تھے اور کوئی ایسا قدم بھی نہیں اٹھاتے تھے جس سے ان کے کسی عزیز کو جائز فائدہ پہنچنے کا امکان یا شائبہ بھی ہو یا اس سے کسی کو اس کا گمان بھی ہو سکتا ہو۔

قائداعظمؒ کی بہن کے بیٹے اکبر پیر بھائی بار ایٹ لاء بمبئی میں وکالت کرتے تھے اور اچھی پریکٹس تھی۔ پاکستان بننے کے بعد وہ کراچی آئے اور قائداعظمؒ سے ملے۔

قائداعظمؒ : اب کب تک یہاں ٹھہرنے کا ارادہ ہے؟

پیر بھائی : میں تو کراچی میں سکونت اختیار کرنا چاہتا ہوں۔

قائداعظمؒ : میری قرابت داری کی وجہ سے تمہاری اہلیت اور تمہاری ضرورت کے باوجود تمہیں یہاں کوئی عہدہ نہیں دیا جا سکتا۔

پیر بھائی : آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں ملازمت کا خواہش مند نہیں ہوں۔ میں آپ سے الگ تھلگ رہ کر یہاں وکالت کروں گا۔

قائداعظمؒ : مجھے معلوم ہے کہ تم اچھے وکیل ہو۔ لیکن میرے احترام کی وجہ سے اہل مقدمہ اور عدالتوں کا تمہارے حق میں رجوع خارج از امکان نہیں۔ لہذا میں تمہیں یہاں وکالت کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتا۔

یہ سن کر پیر بھائی بمبئی واپس چلے گئے اور وہاں وکالت میں بڑا نام پایا۔



تو پھر یہ ملازمت آپ کو چھوڑنا پڑے گی

1943ء کے اواخر میں لاہور کے مشہور تاجر کتب اور ناشر شیخ محمد اشرف بمبئی گئے اور قائداعظمؒ سے کہا کہ میں آپ کی سوانح عمری لکھوانا چاہتا ہوں۔ آپ کسی موزوں آدمی کا انتخاب فرمائیں۔ قائداعظمؒ نے اس کا تذکرہ اپنے سیکرٹری مطلوب الحسن سید سے کیا۔

قائداعظمؒ : مطلوب! شیخ اشرف میری ایک بائیوگرافی لکھوانا چاہتے ہیں۔ تمہاری نظر میں کوئی موزوں آدمی ہے؟

مطلوب الحسن : سر! اتنے دنوں آپ کے ساتھ رہ کر شاید میں خود اس خدمت کے لیے اوروں سے زیادہ موزوں ہوں۔

قائداعظمؒ : اگر آپ خود کرنا چاہتے ہیں تو پھر اللہ کا نام لے کر شروع کر دیجئے۔ لیکن ایک شرط ہے۔

مطلوب الحسن : وہ کیا؟

قائداعظمؒ : آپ کو میری ملازمت چھوڑنا پڑے گی۔ ایک تو اس لیے کہ ملازمت میں رہتے ہوئے آپ کو وقت نہیں ملے گا۔ دوسرے بعض لوگ کہیں گے کہ یہ کتاب میں نے اپنی نگرانی میں لکھوائی ہے۔ تیسرے یہ کہ میرے ساتھ ہونے کی وجہ سے آپ غیرجانبداری سے نہیں لکھ سکیں گے۔



میں اکیلے آپ سے عید نہیں مل سکتا

تاسیس پاکستان سے چند سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قائداعظمؒ دہلی میں تھے کہ عید آگئی۔ آپ عید کی نماز پڑھنے دہلی کی مشہور جامع مسجد میں گئے۔ ساتھ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے ایک سربرآوردہ اور صاحب ثروت رکن بھی تھے۔ جب عید کی نماز اور خطبہ ہو چکا تو وہ چونکہ قائداعظمؒ کے پہلو ہی میں بیٹھے تھے سب سے پہلے اٹھے اور رسم کے مطابق مبارک باد دی۔

رکن کمیٹی : (گلے ملنے کے انداز میں آگے بڑھتے ہوئے) جناب عید مبارک!

قائداعظمؒ : آپ کو بھی عید مبارک ہو۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں آپ سے عید نہیں مل سکتا۔ کیونکہ مجھ میں ایک لاکھ مسلمانوں سے عید ملنے کی ہمت نہیں ہے اور آپ سے عید ملنے کے بعد میرا فرض ہو جاتا ہے کہ میں ان سب مسلمانوں سے گلے ملوں۔

اس واقعہ کے راوی سید ابوالخیر کشفی اپنے مضمون "قائداعظمؒ ایک تجزیہ" میں مزید لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کی تنظیم بھی دیرپا بنیادوں پر کرنا چاہی تھی۔ انہوں نے ایک پلاننگ کمیٹی اس لیے مقرر کی تھی کہ وہ مسلمانوں کی زندگی اور پاکستان کی وسعت اور مستقبل کے امکانات کا جائزہ لے۔ قائداعظمؒ نے بارہا مسلمان دولت مندوں سے کہا کہ وہ صنعت میں روپیہ لگائیں۔ دانشوروں اور ماہرین

تعلیم سے کہا کہ وہ اسلامی نظام تعلیم کی تشکیل کریں۔ قومی جدوجہد کے سلسلہ میں وہ خواتین کے اشتراک کو بھی بہت اہم سمجھتے تھے۔

(قائداعظمؒ ایک تجزیہ' از ابوالخیر کشفی)



مجھے افسوس ہے کہ میں اکیلے آپ سے ہاتھ نہیں ملا سکتا

جون 1948ء میں اپنے قیام کوئٹہ کے دوران قائداعظمؒ نے ایک گارڈن پارٹی میں شرکت کی۔ وہاں من جملہ دوسرے مہمانوں کے ایک بڑے بلوچی سردار بھی تھے۔

سردار : (ہاتھ بڑھاتے ہوئے) السلام علیکم قائداعظم صاحب!

قائداعظمؒ : وعلیکم السلام - معاف کیجئے سردار صاحب! میں اکیلے آپ سے ہاتھ نہیں ملا سکتا۔ اگر میں نے آپ سے ہاتھ ملایا تو پھر سارے مہمانوں سے ہاتھ ملانا میرے لیے ضروری ہو جائے گا۔

قائداعظمؒ کے نیول اے ڈی سی جو اس موقع پر موجود تھے' لکھتے ہیں۔

"وہاں کئی سو مہمان تھے۔ سب سے ہاتھ ملانا ممکن نہ تھا۔ یوں بھی وقت کم تھا۔"

(محمد علی جناح معمار پاکستان' ص 147)



عیادت نہ کرسکنے کی وجہ

اپریل 1946ء میں دلی میں کیبنٹ مشن سے مسلم لیگ کے اہم مذاکرات ہو رہے تھے کہ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے ایک اہم رکن خواجہ ناظم الدین اچانک بیمار ہو گئے۔ انہیں ایک بڑے ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا تھا۔ ہلکے سے دورہ قلب کا شبہ تھا۔ مرزا ابوالحسن اصفہانی اور راجہ صاحب محمود آباد اور دوسرے زعماء قائداعظمؒ کی قیام گاہ پر جمع تھے کہ اطلاع آئی خواجہ صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔

اصفہانی : خواجہ صاحب کی طبیعت کی خرابی کی اطلاع آئی ہے۔

راجہ صاحب : ہم لوگ خواجہ صاحب کو دیکھنے ہسپتال جا رہے ہیں۔ کیا آپ بھی ان کی مزاج پرسی کرنا پسند کریں گے؟

قائداعظمؒ : دیکھئے اگر میں نے ایک مرتبہ بیمار اور علیل لوگوں کی عیادت کو جانا شروع کر دیا تو مجھے زیادہ وقت اسی فریضہ کی ادائیگی میں صرف کرنا پڑے گا اور میرے پاس اس اہم کام کے لیے کافی وقت نہ بچے گا جس پر برصغیر کے مستقبل کا انحصار ہے۔

اس واقعہ کے راوی مرزا اصفہانی لکھتے ہیں کہ یہ کہہ کر قائداعظمؒ نے اپنی توجہ پھر کاغذات کے اس ڈھیر کی طرف مبذول کر دی جو ان کے کمرے کی ایک سبز چمڑے کی کرسی کے اردگرد جمع تھا۔ ہم ہسپتال پہنچے تو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ خواجہ صاحب اپنے کمرے میں ٹہل رہے ہیں۔ شکر ہے کہ ان کو صرف سوء ہضم کی شکایت تھی۔



عید نہ ملنے میں اصول کا لحاظ

ایک بار جب قائداعظمؒ دہلی میں تھے تو عید آئی۔ قائداعظمؒ نے عید کی نماز دہلی کی مشہور جامع مسجد میں ادا کی۔ مسجد میں ہزاروں کا مجمع تھا۔ جب لوگوں نے انہیں پہچانا تو لوگوں میں بڑا جوش و خروش پھیل گیا۔ قائداعظمؒ زندہ باد کے نعرے گونجنے لگے۔ اتنے میں دہلی کے ایک سربرآوردہ لیگی لیڈر آگے بڑھے۔

لیگی لیڈر : جناب عید مبارک۔

قائداعظمؒ : آپ کو بھی عید مبارک۔ لیکن معاف کیجئے۔ میں آپ سے گلے نہیں مل سکتا۔ یہاں سب مسلمان برابر ہیں۔ اگر میں آپ سے گلے ملوں تو میرا اخلاقی فرض ہو گا کہ میں فرداً فرداً ہر ایک سے معانقہ کروں جو میرے لیے ممکن نہیں۔ اس لیے میرے لیے محفوظ راستہ یہی ہے کہ میں کسی سے معانقہ نہ کروں۔ مجھے امید ہے کہ آپ برا نہیں مانیں گے۔



اگر میں نے سب سے ہاتھ ملایا
تو میرا ہاتھ یہیں رہ جائے گا

27 دسمبر 1941ء کو ناگ پور میں آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس کی صدارت کرنے کے بعد قائداعظمؒ نے فیصلہ کیا کہ وہ ناگ پور میں چند روز قیام کریں اور 29 دسمبر کو عیدالاضحیٰ وہیں کریں۔ نماز عید کا انتظام جلسہ گاہ کے پنڈال میں کیا گیا تھا۔ پچاس ساٹھ ہزار کا مجمع ہو گیا تھا۔

نماز عید کے بعد ہر کوئی قائداعظمؒ سے ہاتھ ملانے کے لیے بے چین تھا۔ قائداعظمؒ نے کسی سے ہاتھ نہیں ملایا اور مائیک تک پہنچے۔

قائداعظمؒ : آپ سب کو عید مبارک۔

حاضرین : (بیک آواز) آپ کو بھی عید مبارک۔

قائداعظمؒ : اگر آپ سب لوگ مجھ سے ہاتھ ملائیں گے تو میرا ہاتھ یہیں رہ جائے گا۔

یہ سن کر لوگ ہنس پڑے۔ قائداعظمؒ نے السلام علیکم کہا اور کسی سے ہاتھ ملائے بغیر اپنی کار کی طرف چلنے لگے اور فضا پاکستان زندہ باد' قائداعظمؒ زندہ باد کے نعروں سے گونجنے لگی۔



میں عقبی دروازے سے اندر نہیں جاؤں گا

یوم راست اقدام منانے کی قرارداد منظور کرنے سے متعلق مسلم لیگ کاؤنسل کا اجلاس بمبئی کے مشہور ہال قیصر باغ میں ہو رہا تھا۔ قائداعظمؒ کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ہال کے سامنے کوئی ایک لاکھ کے قریب لوگ جمع ہو گئے۔ مسلم لیگی کارکنوں نے جن میں حسین اے شیخ بھی شامل تھے۔ سوچا کہ قائداعظمؒ کو ہال کے سامنے والے دروازے سے اندر پہنچانا مشکل ہو گا۔ اس لیے انہوں نے پروگرام بنایا کہ ان کی گاڑی ہال کی پچھلی طرف لے جا کر انہیں ہال کے عقبی دروازے سے اندر لایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے وہاں نیشنل گارڈز بھی متعین کر دیئے۔ جب وقت مقررہ پر قائداعظمؒ تشریف لائے تو حسن اے شیخ دوسرے منتظمین کے ساتھ آگے بڑھے۔

حسن : ہال کے سامنے مجمع بہت زیادہ ہے۔ ادھر سے ہال کے اندر جانا مشکل ہو گا۔ اس کے لیے ہم نے پروگرام بنایا ہے کہ آپ ہال کے عقبی دروازے سے اندر داخل ہوں۔

قائداعظمؒ : نہیں نہیں، میں عقبی دروازے سے ہال کے اندر داخل نہیں ہوں گا بلکہ سامنے والے دروازے میں سے ہی جاؤں گا۔

حسن اے شیخ لکھتے ہیں کہ یہ سن کر ہم ششدر رہ گئے۔ ہال کے سامنے اپنے بیگانے ہزاروں افراد جمع تھے۔ ہم نے قائداعظمؒ کو سامنے سے اندر لے جانے کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ جو نیشنل گارڈز تھے وہ پہلے ہی عقبی دروازے کی طرف بھیج دیئے گئے تھے۔ لیکن قائداعظمؒ کی بات ہی اور تھی۔ ان کی شخصیت کا اپنا سحر تھا۔ وہ گاڑی سے اترے۔ تقریباً ایک لاکھ کے مجمع کی طرف بڑھے اور شہادت کی انگلی کے اشارے سے کہا۔

"مجھے گزرنے دو۔"

اشارہ پاتے ہی لاکھ کا مجمع کائی کی طرف پھٹ گیا اور ازخود ایک راستہ سا بن گیا اور وہ ہاتھ کے اشارے سے اپنے مخصوص انداز میں سلام کرتے ہوئے ہال کے دروازے تک پہنچ گئے۔



سفارش کرنا میرے اصول کے خلاف ہے

یہ واقعہ 1929ء کا ہے۔ بمبئی کے ایک رئیس سردار علی خان نے اپنے برے وقتوں میں قائداعظمؒ سے رجوع کیا اور پرانی شناسائی کے واسطے سے ان سے سفارش کے طالب ہوئے اور ایک طویل خط میں حیدر آباد کے ریذیڈنٹ کے ہاتھوں اپنے اوپر بیتی ہوئی زیادتیوں سے انہیں آگاہ کیا۔ قائداعظمؒ نے خط پڑھا اور قاصد سے کہا۔

قائداعظمؒ : یہ صاحب میرے قدیم شناسا ہیں۔ میں بمبئی میں موجود تھا جب انہوں نے اپنی ساری دولت کھیل تماشوں، جلسوں اور دعوتوں میں اڑا دی۔ اس وقت بھی سوائے افسوس کے میں کچھ نہ کر سکا۔ اب بھی ان کے مصائب کی داستان پڑھ کر افسوس ہوا۔ مجھے ان سے دلی ہمدردی ہے۔ لیکن میں کیا کر سکتا ہوں۔

انگریزی حکام سے سفارش کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں نے کبھی یہ نہیں کیا۔ نہ اب کروں گا۔ مجھے اس بارے میں خط لکھنا بے کار ہے۔

قاصد : سچ پوچھئے تو صورت سفارش کی نہیں۔ سردار علی خان انگریزوں کے وفادار رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔ حیدر آباد کے انگریز ریذیڈنٹ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اگر آپ کی کوشش سے غلط فہمی دور ہو جائے تو دونوں پر احسان ہو گا۔

قائداعظمؒ : آپ انگریزوں کو جتنا بھولا سمجھتے ہیں وہ اتنے سادہ نہیں۔ وہ بڑے عیار، مطلب پرست اور ہوشیار ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ پر کیسی بے دھڑک نکتہ چینی کرتا ہوں۔ اگر کسی دوست کے لیے کسی انگریز عہدے دار سے جا کر سفارش نہ سہی فرمائش ہی کروں تو وہ بڑی خوشی سے مان لے گا اور کوئی خاص رکاوٹ نہ ہو تو ضرور فرمائش پوری کر دے گا۔ مگر اگلے دن جب اسمبلی میں، میں اس کے سرکاری کام یا محکمہ پر تقریر کرنے کھڑا ہوں گا اور وہ دور سے مجھے دیکھ کر مسکرائے گا تو کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ میں ویسی ہی بے لاگ تنقید اور بے باک تقریر کر سکوں گا؟ کسی ذاتی غرض سے کسی انگریز حاکم کے پاس جانا میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں زندگی بھر کی دوستی چھوڑ سکتا ہوں، زندگی بھر کا اصول نہیں چھوڑوں گا۔



یہ حکم جاری کرنا میرے اختیار میں نہیں

قیام پاکستان کے وقت کراچی میں حکومت پاکستان کے دفاتر قائم کرنے کے لیے جو عمارات حاصل کی گئیں ان میں کلفٹن میں مارواڑی کروڑ پتی رائے بہادر شیو رتن کا مہتہ پیلس بھی تھا۔ اس میں فارن آفس قائم کیا گیا تھا۔ جشن آزادی کے سلسلہ میں 14 اگست 1947ء کی شام کو گورنر جنرل ہاؤس میں تقریب منعقد ہوئی۔ اس میں منجملہ دوسرے عمائدین اور اکابر کے علاوہ رائے شیو رتن مہتہ بھی شامل تھے۔ انہوں نے موقع غنیمت جانا اور قائداعظمؒ سے شکایت کی۔

مہتہ : آپ کہتے ہیں کہ ہندو پاکستان میں رہیں۔ ہندو پاکستان میں کیسے رہ سکتے ہیں جبکہ ان کی جائیدادیں محفوظ نہ ہوں۔

قائداعظمؒ : کیا ہوا؟ آپ کو کیا شکایت ہے؟

مہتہ : حکومت نے کلفٹن پر میرا مکان لے لیا ہے۔ اس لیے میں پاکستان چھوڑنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔

یہ سن کر قائداعظمؒ نے اپنے اے ڈی سی سے کہا کہ دفاتر اور مکانات کی متعلقہ کمیٹی کا جو ممبر قریب ہو اسے بلا لیں۔ کلکٹر کراچی ہاشم رضا جو اس کمیٹی کے رکن تھے اتفاق سے قریب ہی موجود تھے۔ اے ڈی سی نے ان کو قائداعظمؒ کے

سامنے کر دیا۔

قائداعظمؒ : مہتہ صاحب کی شکایت کا کیا جواب ہے؟

ہاشم رضا : مہتہ صاحب کے کراچی میں تین مکانات ہیں۔ ہم نے صرف ایک مکان لیا ہے باقی دو مکانات ان کی ذاتی ضرورت کے لیے چھوڑ دیئے ہیں۔ اس وقت ان کا مکان مہتہ پیلس وزارت خارجہ کے تصرف میں ہے۔

قائداعظمؒ : آپ تھوڑی سی تکلیف برداشت کریں۔ مہتہ پیلس کا آپ کو پورا کرایہ دیا جائے گا۔اس کے بجائے آپ کسی اور مکان میں رہیں تو یہ آپ کی طرف سے حکومت پاکستان کی مدد ہو گی۔

مہتہ : آپ نے کروڑوں آدمیوں کو گھر دیئے ہیں۔ آج کے دن یادگار کے طور پر مہتہ پیلس خالی کرنے کا حکم صادر فرمایا جائے۔

قائداعظمؒ : مجھے یہ عمارت خالی کرانے کا کوئی اختیار نہیں۔ اگر آپ محسوس کرتے ہیں تو آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو آپ متعلقہ عدالت میں اپیل کر سکتے ہیں۔

قائداعظمؒ نے یہ جواب اس شخص کو دیا جو ان کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اور اس وقت دیا جب پاکستان کو سرمایہ کاری کے لیے اس کروڑ پتی کے سرمایہ کی اشد ضرورت تھی۔



آپ کا کیس درست ہے لیکن میں مداخلت نہیں کر سکتا

کراچی کے ایک پارسی تاجر کا ایک فائل وزیر تجارت کے پاس رکا ہوا تھا۔ وہ قائداعظمؒ کا پرانا واقف کار تھا۔ ایک سرکاری تقریب میں وہ مدعو تھا۔ جب اس نے قائداعظمؒ کو دیکھا تو قریب آگیا۔

تاجر : میرا ایک فائل وزیر تجارت کے پاس رکا ہوا ہے۔ میرا بڑا نقصان ہو رہا ہے۔

قائداعظمؒ : آپ کا کیس کیا ہے؟

تاجر : عرض کرتا ہوں۔

قائداعظمؒ : بظاہر آپ کا کیس درست ہے۔ لیکن میں کسی وزیر کے امور میں مداخلت نہیں کر سکتا۔

ذاتی تعلقات کو قائداعظمؒ نے کبھی فرائض منصبی میں مخل نہیں ہونے دیا۔



سفارش میرے دائرہ کار سے باہر ہے

کراچی کے مشہور وکیل این ایم کوتوال کو قائداعظمؒ کا قانونی مشیر ہونے کا امتیاز بھی حاصل تھا۔ وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔

قائداعظمؒ : میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ کو انتظار کرنا پڑا۔

کوتوال : اس آرام کے وقت بھی آپ کام کر رہے ہیں؟

قائداعظمؒ : میرا بہت سا وقت بے کار ملاقاتوں میں صرف ہو جاتا ہے۔ مسٹر کوتوال اکثر لوگ میرے پاس سفارش لے آتے ہیں' وہ بھول جاتے ہیں کہ میں اس ملک کا آئینی سربراہ ہوں۔ اور کسی کی سفارش کرنا میرے اختیار میں نہیں۔



قانون کو بہرحال فوقیت حاصل ہے

یہ واقعہ جنوری 1947ء کا ہے۔ سندھ میں مسلم لیگ کی وزارت تھی۔ کراچی نیشنل گارڈز نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی اجازت سے جونا مارکیٹ میں جلسہ کیا۔ جلسہ کے لیے جو وقت مقرر کیا گیا تھا اس سے پندرہ بیس منٹ زیادہ لگ گئے۔ چونکہ جلسے کا اجازت نامہ کراچی نیشنل گارڈز کے سالار عثمان افغانی کے نام تھا۔ اس لیے مجسٹریٹ نے قانون کی خلاف ورزی کرنے پر عثمان افغانی پر پچاس روپے جرمانہ کر دیا۔ جس کی عدم ادائیگی کی صورت میں انہیں تین دن قید کاٹنا تھی۔ حکومت بھی مسلم لیگ کی ہو اور اتنی ذرا سی بات پر سزا بھی مسلم لیگ کے ورکرز کو ملے۔ یہ بات نوجوان نیشنل گارڈز کے لیے ناقابل فہم اور ناقابل برداشت تھی۔ نوجوانوں کا خون تو گرم ہوتا ہے۔ کسی نے کہا عثمان افغانی جرمانہ ادا نہ کریں۔ جیل جائیں تاکہ ہمیں احتجاجی ہنگامہ کرنے کا موقع مل جائے۔ اس تجویز پر سب نے اتفاق کر لیا۔ چنانچہ افغانی نے جرمانہ ادا نہ کیا اور جیل جانے کو ترجیح دی۔ جونہی وہ جیل گئے' نیشنل گارڈز نے منصوبے کے مطابق احتجاجی جلوس نکالا۔ جلوس سندھ سیکرٹریٹ کے سامنے مظاہرہ کر رہا تھا کہ پولیس نے لاٹھی چارج کر دیا جس سے پندرہ بیس آدمی زخمی ہوئے اور سو کے قریب حوالات میں بند کر دیئے گئے۔ اپنے طور پر یہ نوجوان خوش تھے کہ چلو کچھ تو ہلچل ہوئی۔ اتفاق سے قائداعظمؒ ان دنوں کراچی میں موجود تھے۔ جب انہیں اس حادثے کی اطلاع ملی تو انہوں نے وزیراعلیٰ سے کہہ کر ہنگامے میں ملوث سرغنہ نوجوانوں کو اپنے پاس طلب فرما لیا۔ ان میں سے ایک سعید اے ہارون بھی تھے۔

قائداعظمؒ : تم لوگوں نے یہ سب کیوں کیا؟

سعید ہارون : ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ہمارے ساتھی کو جرمانہ ادا نہ کرنے پر جیل

بھیج دیا تھا۔

قائداعظمؒ : سوال یہ ہے کہ جبکہ جرم ثابت تھا کہ آپ کے ساتھی نے جرمانہ ادا کیوں نہ کیا؟

سعید ہارون : ہم نے بات نامناسب سمجھی کہ مسلم لیگی حکومت ہی مسلم لیگی ورکروں پر جرمانہ کرے۔

قائداعظمؒ : آپ یہ بتائیں کہ جو لوگ ٹریفک کے کسی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان پر جرمانہ ہوتا ہے یا نہیں اور جرمانہ ادا کرتے ہیں یا نہیں؟ کل اگر میں بھی ٹریفک کا سگنل توڑ دوں توکیا مجھ پر جرمانہ نہ ہو گا۔ ایک جمہوری اور مہذب معاشرے میں ایسے چھوٹے چھوٹے جرائم پر جو جرمانے ہوتے ہیں وہ خوشی سے ادا کر دیئے جاتے ہیں۔ بات کا بتنگڑ نہیں بنایا جاتا۔ اگر آپ نے قانون کا احترام اس عمر میں نہ سیکھا تو کل آپ بڑے ہوں گے اور آپ کو حکومت چلانا پڑے گی تو لوگوں سے قانون کا احترام کیسے کرا سکیں گے۔

یاد رکھو' قانون کو بہرحال فوقیت حاصل ہے۔



دعوتوں کی رشوت

1937ء میں لاہور کے اخبار "احسان" میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں قائداعظمؒ پر کچھ اعتراضات کئے گئے تھے۔

سیکرٹری : جناب ! احسان اخبار میں چوہدری علی محمد خادم صدر انٹرکالجیٹ برادر ہڈ کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں آپ پر کچھ اعتراضات کئے گئے ہیں۔

قائداعظمؒ : مثلاً کیا؟

سیکرٹری : یہ کہ آپ لوگوں سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتے اور اپنے گھر پر لوگوں کو مختلف تقریبات میں نہیں بلاتے۔

قائداعظمؒ : میں لوگوں کو پیٹ کے راستے سے متاثر نہیں کرنا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگ میرے کردار و اعمال کو دیکھیں اور پرکھیں۔ چائے اور کھانے کی دعوتوں کا بالواسطہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اپنے لیڈروں کی خامیوں سے چشم پوشی کریں اوران کی خاطرمدارت سے مسحور و مرغوب ہو جائیں۔ دعوتیں دینا ایک طرح کی رشوت ہے جس کے عوض لوگوں کا تعاون خریدا جاتا ہے۔ مجھے اس طریق کار سے سخت نفرت ہے۔



دیانتداری کی توہین منظور نہیں

تحریک پاکستان کے زمانے میں بھی جبکہ دوسری سیاسی پارٹیاں صحافیوں کو رام کرنے میں کوشاں رہتی تھیں۔ قائداعظمؒ ان کو خوش کرنے کے لیے کوئی خصوصی کوشش نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ جب کوئی پریس کانفرنس بلاتے تو بھی صحافیوں کی تواضع چائے یا سگریٹ سے نہیں کرتے تھے۔ ایک بار ایک پریس کانفرنس میں ایک صحافی نے پوچھا۔

صحافی : جناب! یوں تو آپ کا رویہ ہمارے ساتھ نہایت درجہ اچھا ہے۔ لیکن آپ ہمیں چائے کی ایک پیالی سے یا سگریٹ سے کیوں محروم رکھتے ہیں۔

قائداعظمؒ : یہ اس لیے کہ میں صحافیوں کی بے انتہا عزت کرتا ہوں۔ ان کی کارکردگی کی قدر کرتا ہوں۔ میں خاطر تواضع کر کے ان کی دیانتداری کی توہین نہیں کرنا چاہتا۔



اگر میں دعوتیں نہیں دیتا تو اس کی بھی ایک وجہ ہے.

1937ء میں قائداعظمؒ مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلہ میں لاہور گئے تو چوہدری محمد خادم صدر انٹرکالجیٹ مسلم برادر ہڈ نے قائداعظمؒ پر ایک مضمون لکھا جو روزنامہ احسان میں شائع ہوا۔ "احسان" ہی وہ واحد اخبار تھا جو اس زمانے میں تھوڑی بہت مسلم لیگ کی حمایت کرتا تھا۔اس مضمون میں چوہدری علی محمد نے یہ لکھا تھا کہ محمد علی جناح اپنے گھر پر لوگوں کی دعوتیں نہیں کرتے۔ معروف صحافی میاں محمد شفیع نے وہ مضمون قائداعظمؒ کو پڑھ کر سنایا۔

قائداعظمؒ : مصنف کو کیسے معلوم ہوا کہ میں لوگوں کو گھر پر نہیں بلاتا۔ لیکن یہ ہے ٹھیک۔

میاں محمد شفیع : (سوالیہ نظروں سے) کیسے؟

قائداعظمؒ : میں پیٹ کے راستے لوگوں تک پہنچنا نہیں چاہتا' چاہتا ہوں کہ لوگ میرے کام اور کردار سے مجھے جانچنے کا معیار بنائیں۔ چائے اور کھانے کی دعوتیں لوگوں کو اس لیے دی جاتی ہیں کہ لوگ اپنے لیڈروں کی خامیوں کو نظرانداز کریں اور ان کو ان کی مہمان نوازی کے پس منظر میں دیکھیں' اس سے صحیح کام میں رکاوٹ پڑتی ہے۔

مجھے معلوم ہے کہ میرے بعض وفادار رفیق کار بھی یہ گلہ کرتے ہیں۔ پیسہ خرچ کرنے سے میں نہیں گھبراتا۔ اصل بات اصول کی ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ سیاسی معاملات میں پارٹی دینا ایک طرح کی رشوت ہے جس کے عوض حمایت خریدی

جاتی ہے اور یہ مجھے سخت ناپسند ہے۔

یہ گفتگو نقل کرتے ہوئے میاں محمد شفیع لکھتے ہیں۔

"بمبئی میں مالا بار ہل پر ان کا گھر بہت ہی آراستہ و پیراستہ تھا۔ بعد کو دہلی میں اورنگ زیب روڈ پر ان کی کوٹھی بھی بہت شاندار تھی۔ مزید برآں ان کی شخصیت بھی اتنی موثر اور دلکش تھی کہ اگر وہ عام معنوں میں سوشل ہونا چاہتے تو ان سے زیادہ اور کون کامیاب ہوتا۔ واقعہ یہ ہے کہ 1937ء تک بمبئی شملہ اور دہلی میں ان کے ذاتی دوستوں کا ایک حلقہ تھا جن کی میزبانی اور مہمانی وہ کرتے رہتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے مسلم لیگ کی صدارت سنبھالی تو انہوں نے اپنا لائف سٹائل بدل لیا۔"

(قائداعظمؒ اپنے معاصرین کی نظر میں' ص 122)



چندے کے زیورات

کوئی سیاسی جماعت بغیر فنڈ کے کام نہیں کر سکتی۔ مسلم لیگ کو بھی پیسے کی ضرورت رہتی تھی۔ 1942ء میں تحریک پاکستان شروع ہو جانے پر تو روپے پیسے کی بڑی ضرورت تھی۔ لیکن ایک عرصہ تک قائداعظمؒ نے قوم سے چندے کی اپیل نہیں کی۔ حقیقتاً" وہ اس کے خلاف تھے۔ 1943ء میں مسلم لیگ کے دہلی سیشن کے موقع پر عورتوں نے اپنی سونے کی چوڑیاں اور دوسرے زیورات اتار کر مسلم لیگ فنڈ میں پیش کئے۔ فاطمہ بیگم یہ زیورات لے کر سٹیج پر آئیں۔

فاطمہ بیگم : میں دہلی کی خواتین کی طرف سے یہ زیورات مسلم لیگ کو پیش کرتی ہوں۔

قائداعظمؒ : مجھے افسوس ہے کہ میں اس عطئے کو اس شکل میں قبول نہیں کر سکتا۔

اس واقعہ کے عینی شاہد' مسٹر حسین ملک سابق جائنٹ سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ لکھتے ہیں کہ اس طرح کے موقع کو کوئی بھی لیڈر اپنی مقبولیت اور کامیابی کی دلیل سمجھ سکتا ہے۔ لیکن قائداعظمؒ کی بات ہی اور تھی۔ وہ اس طرح چندے کی اپیل کے حق میں نہیں تھے چونکہ اس کا حساب رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔



مجھے اس قسم کے چندے نہیں چاہئیں

1942ء کے اوائل میں قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کے اخبار ڈان کے لیے چندے کی اپیل کی تھی۔ 1942ء کے الہ آباد سیشن میں جب نواب بہادر یار جنگ نے اپنی تقریر میں اس اپیل کا تذکرہ اپنے مخصوص انداز خطابت سے کیا تو اسٹیج پر چاروں طرف سے روپے نچھاور ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر قائداعظمؒ کے چہرے پر ناراضی کے آثار نمودار ہوئے۔ تقریر کے دوران جوں ہی نواب بہادر یار جنگ نے قائداعظمؒ کی طرف رخ کیا تو انہوں نے کہا آپ بیٹھ جائیے۔

قائداعظمؒ : مجھے اس قسم کے چندے نہیں چاہئیں۔ میں نے جو اپیل کر رکھی ہے اس کا مطلب ہے کہ چندہ منی آرڈر سے بھیجا جائے۔ اس طرح سے جمع کئے ہوئے چندے سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کی بیشتر تحریکیں اسی وجہ سے ناکام رہیں۔ میں جانتا ہوں کہ نواب بہادر یار جنگ آدھ گھنٹے میں بہت بڑی رقم جمع کر سکتے ہیں۔



میں کاسۂ گدائی لے کر نہیں پھرنا چاہتا

1940ء میں مسلم لیگ کے الہ آباد اجلاس میں قائداعظمؒ کو تلوار پیش کی گئی۔ حصول پاکستان کی جدوجہد شروع ہو چکی تھی۔ مسلم لیگ کو سرمائے کی ضرورت تھی۔ جب سحر بیان خطیب نواب بہادر یار جنگ تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو ایک طرف سے آواز آئی۔

"تلوار کو مسلم لیگ کے لیے نیلام کر دیجئے۔"

بہادر یار جنگ نے پہلے تو تقریر کا سماں باندھا پھر تلوار کو نیلامی کیلئے پیش کر دیا۔ ایک نے ایک ہزار کی بولی دی' دوسرے نے پانچ ہزار کی' تیسرے نے کہا دس ہزار۔ اتنے میں قائداعظمؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور فرمایا۔

"نیلامی بند کرو۔ میں کاسہ گدائی لے کر نہیں پھرنا چاہتا۔"

بہادر یار جنگ مجمع سے مخاطب ہو کر بولے۔

"کتاب الٰہی میں ہے کہ کلام میں سحر ہوتا ہے اور مجھے قادر مطلق نے اس سحر میں وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ اگر ارشاد بالا نہ ہوتا تو آج میں آپ کا آخری کپڑا بھی اتروا لیتا۔ ارشاد بالا کی تعمیل نہ ہو' مجھ سے اس گستاخی کا ارتکاب ناممکن ہے۔"



میں کرائے کے افسر اور سپاہی پسند نہیں کرتا

یہ واقعہ فروری 1947ء کا ہے۔

جی ایچ کیو انڈیا کے جنرل سٹاف برانچ کا انٹیلی جنس سیکرٹری نئی دہلی میں سیکرٹریٹ کے ساؤتھ بلاک میں واقع تھا۔ اس سیکشن کے ایک مسلمان افسر محمد یونس قریشی وائسرائے کی عبوری کابینہ کے ارکان کے لئے ملک میں امن و امان کی صورتحال پر ایک مفصل رپورٹ تیار کرتے تھے۔ انہوں نے نوٹ کیا کہ رپورٹ کابینہ کے مسلم لیگی وزراء کو نہیں دی جاتی بلکہ ان کے لیے خاص طور پر ایک مختصر رپورٹ تیار کی جاتی ہے جس میں سے مسلمانوں پر ہندوؤں اور سکھوں کے ظلم و تشدد کے واقعات قصداً حذف کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ سراسر زیادتی تھی۔

یونس قریشی نے قومی مفاد کو مقدم سمجھتے ہوئے کابینہ کے مسلم لیگی رکن جناب لیاقت علی خان کے سیکرٹری ممتاز حسن کے توسط سے قائداعظمؒ سے رابطہ قائم کیا اور اس انٹیلی جنس رپورٹ کی ایک کاپی قائداعظمؒ کو خفیہ طور پر پہنچانے لگے۔

اس وقت جی ایچ کیو' انڈیا میں ایک پروپیگنڈہ عام تھا کہ اگر پاکستان بن بھی گیا تو مالی طور پر اس قابل نہ ہو گا کہ علیحدہ مسلح افواج کے اخراجات کا بار اٹھا سکے۔ اس لیے خود پاکستان کے مفاد میں بھی یہی ہے کہ مسلح افواج کو تقسیم نہ کیا جائے۔

اصل میں اس لابی کا دماغ سینئر انگریز افسر تھے جن کا گٹھ جوڑ ہندو سکھ اعلیٰ افسروں سے تھا۔ مسلمان افسروں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیے انہوں نے یہ چال چلی کہ جس جگہ' جس محفل میں' ان سے ملتے یہی کہتے کہ پاکستان کے لیے علیحدہ فوج کو چلانا بہت مشکل ہو گا۔ خود آپ کا شاندار کیریئر بھی ایک چھوٹی سی علیحدہ فوج میں بالکل بلاک ہو جائے گا۔ اس لیے نہ صرف پاکستان کے لیے بلکہ آپ کے لیے بھی بہتر یہی ہے کہ آپ سب اپنے قائداعظمؒ پر تاروں اور خطوط کے ذریعے زور دیں کہ وہ افواج کو تقسیم کرنے پر اصرار نہ کریں۔

عہدے اور ترقی کا لالچ برا ہوتا ہے۔ تھوڑے سے مسلمان افسر کچھ تذبذب کا شکار ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر قائداعظمؒ ان خدشات کا تدارک کرنے کیلئے ایک پریس نوٹ جاری کر دیں کہ اس قسم کے تاثر کی کوئی بنیاد نہیں ہے تو وہ ان برطانوی فوجی افسروں کے موقف کا مقابلہ کر سکیں گے جنہوں نے پاکستان کے خلاف ایک باقاعدہ مہم چلائی ہوئی ہے۔

ایک روز ایک مسلمان افسر ایک تار پکڑے' جناب یونس قریشی کے پاس آیا۔ تار قائداعظمؒ کے نام تھا اور اس کا مضمون یہ تھا۔ "خدا کے واسطے فوج کو تقسیم نہ ہونے دیجئے۔" یونس قریشی نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ یہ تار قائداعظمؒ کو نہ بھیجیں بلکہ ان کے بیان کا انتظار کریں۔

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ ایک طرف تو مسلمان افسروں کو یہ ترغیب دی جا رہی تھی کہ وہ

قائداعظمؒ پر فوج کو تقسیم نہ کرنے کے لیے دباؤ ڈالیں۔ دوسری طرف مسلمان افسروں کی ایک فہرست بھی تیار کی جا رہی تھی اور ان کی تعداد کو کل افسروں کی تعداد کا گیارہ فیصد کہا جا رہا تھا۔

اسی عرصہ میں دو ایک ایسے واقعات بھی جناب یونس قریشی کے علم میں آئے' جن سے مسلمانوں کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا شدید خطرہ تھا۔ خود سکھ وزیر دفاع سردار بلدیو سنگھ کی ہدایت پر مسلم کش فسادات کا منصوبہ بنایا گیا تاکہ خانہ جنگی کی سی حالت پیدا کر کے پاکستان کے قیام پر شبخون مارا جائے۔ اس سلسلہ میں مہاراجہ پٹیالہ خاص طور پر پیش پیش تھا۔ اپنی ریاست میں وہ بڑی تعداد میں اسلحہ بارود جمع کر رہا تھا۔

علاوہ ازیں بلدیو سنگھ ہی کی خفیہ ہدایات پر ماسٹر تارا سنگھ نے سکھ فوجیوں کے سینٹر' نوشہرہ کا دورہ کیا۔ سینٹر کے انگریز کمانڈنٹ کو اشارہ کر دیا گیا تھا کہ ماسٹر تارا سنگھ کے ساتھ سرکاری مہمانوں کا سا سلوک کیا جائے اور انہیں سکھ فوجیوں کو خطاب کرنے کی سہولتیں مہیا کی جائیں۔ چنانچہ ماسٹر تارا سنگھ نے سکھ فوجیوں کو خوب بھڑکایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور پاکستان کا جھنڈا نہ لہرانے دیں۔ سکھ وی سی اوز اور دوسرے فوجیوں نے "واہ گرو کی جے" کے نعروں میں اپنی کرپانوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ "ماریں گے مر جائیں گے' پاکستان کا جھنڈا نہ لہرانے دیں گے۔"

اس کارروائی پر رجمنل سنٹر کے انگریز کمانڈنٹ کی رپورٹ جب جناب یونس قریشی کی نظر سے گزری تو انہوں نے اس کی ایک کاپی بھی قائداعظمؒ تک پہنچا دی۔

اس پس منظر میں جناب یونس قریشی نے قائداعظمؒ سے براہ راست بات کرنا ضروری سمجھا۔ وقت مقررہ پر جب وہ ان سے ملاقات کے لیے دس اورنگ زیب روڈ پر پہنچے تو کے ایچ خورشید نے انہیں ملاقاتی کمرے میں پہنچا دیا۔ چند لمحے بعد قائداعظمؒ تشریف لے آئے۔ جناب یونس قریشی اپنی پہلی ملاقات کی حیرت کے اثر سے ابھی سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ قائداعظمؒ نے سوال کر دیا۔

قائداعظمؒ : آپ وردی میں کیوں نہیں ہیں۔

یونس : میں نہیں چاہتا تھا کہ میری شناخت ہو۔

قائداعظمؒ : اور اس طرح ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھو۔

یونس : سر! مجھے اتنا اندیشہ ملازمت جانے کا نہیں تھا جتنا اس امر کا خدشہ کہ آس پاس سی آئی ڈی کے آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر یہ راز کھل گیا تو میں تھوڑی بہت قومی خدمت جو کر رہا ہوں' وہ بھی نہ کر سکوں گا۔"

قائداعظمؒ : میں اس دلیل کو تسلیم نہیں کرتا۔ اگر بریگیڈیئر کری آپا یونیفارم میں میرے دروازے پر کھڑا ہو کر اور ہاتھ جوڑ کر یہ درخواست کر سکتا ہے کہ میں مسلح افواج

کو تقسیم نہ کروں تو آپ نے یونیفارم نہ پہن کر آنے میں کیوں بزدلی دکھائی۔

یونس (کچھ دیر خاموش رہ کر) جناب والا! میں اس لیے حاضر ہوا تھا کہ ملٹری انٹیلی جنس کے برطانوی ڈائریکٹر بذات خود اعلیٰ مسلمان افسروں کو بلا بلا کر بتا رہے ہیں کہ پاکستان افواج کے اخراجات کو برداشت کرنے کے قابل نہ ہو گا۔ قائداعظمؒ کو آمادہ کریں کہ فوج تقسیم نہ کریں۔ اگر ایسا ہوا تو ان کا کیریئر متاثر ہو گا اور ان کی ترقی کے امکانات بہت کم ہو جائیں گے۔"

قائداعظمؒ : تو پھر؟

یونس : تجویز یہ ہے کہ اگر آپ ایسا توضیحی بیان جاری کر دیں جس سے ان کے خدشات کی تردید ہوتی ہو تو اس سے نہ صرف ان افسروں کی تسلی ہو گی بلکہ پاکستان کے مخالف عناصر کا بھی منہ بند ہو جائے گا۔

قائداعظمؒ : (قائد برہم لہجے میں گویا ہوئے) اس قسم کا بیان جاری کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انشاء اللہ پاکستان کی اپنی علیحدہ فوج ہو گی جو یقین اور قربانی کے جذبے سے سرشار ہو گی اور جو ہر قیمت پر ملک کا دفاع کرے گی۔ رہے وہ تھوڑے سے افسر جو بے یقینی کا شکار ہیں اور جو صرف اپنے کیریئر کے بارے میں سوچ رہے ہیں' ان کے بارے میں یہ کہ میں کرائے کے Mercinary افسر اور سپاہی پسند نہیں کرتا۔ مجھے ایسے لوگوں سے نجات حاصل کر کے خوشی ہو گی۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ فوج میں گو تھوڑے ہی سہی' پھر بھی کچھ ایسے عناصر ہیں جو تذبذب میں مبتلا ہیں اور پہلے سے یقین دہانی چاہتے ہیں۔ ایسا بھی کبھی ہوا ہے کہ کوئی ملک محض پیسے کی کمی کی وجہ سے ختم ہو گیا ہو؟ یہ سوچنا ہی مضحکہ خیز ہے۔ لہٰذا کسی یقین دہانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جناب یونس قریشی 4 دسمبر 1981ء کے جنگ میں یہ گفتگو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہرچند کہ میری باتوں سے قائداعظمؒ کا موڈ خراب ہو گیا تھا' انہوں نے جو کچھ فرمایا اپنے مخصوص پریقین لہجے میں فرمایا۔ آخر میں وہ مسکرائے اور میری ان خدمات کا شکریہ ادا کیا جو میں خفیہ طور پر ادا کر رہا تھا۔ انہوں نے میرے بھیجے ہوئے مواد خصوصاً ماسٹر تارا سنگھ اور مہاراجہ پٹیالہ کی مسلمان دشمن سرگرمیوں اور منصوبوں کے بارے میں میری رپورٹوں کو سراہا اور بتایا کہ ان پر ضروری کارروائی کی جا رہی ہے۔ حسن اتفاق کہ جس وقت یہ انٹرویو ختم ہوا' باہر ایک موٹر زور سے آکر رکی۔ قائداعظمؒ اس وقت فرما رہے تھے۔

"مسلمانوں میں اصل قیادت کی کمی ہے۔"

جب انہیں بتایا گیا کہ سردار عبدالرب نشتر آئے ہیں تو انہوں نے برجستہ سردار نشتر کی تعریف کی جو اس وقت الہ آباد میں ٹیکسٹائل کے کارکنوں سے خطاب کر کے واپس آئے تھے۔ میں جب قائداعظمؒ کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا باہر آیا تو دیکھا کہ جناب لیاقت علی خان اور بیگم لیاقت علی ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں شیر شاہ سوری آفیسرز میس تک دل میں قائد کے یہ یقین انگیز الفاظ دہراتا گیا کہ :-

"پاکستان کی اپنی فوج ہو گی۔"

اور یہ تنبیہ بھی کہ : "میں کرائے کے افسر اور سپاہی پسند نہیں کرتا۔"



اب میری حیثیت جونیئر وکیل کی ہو گی

دسمبر 1930ء میں مسلم لیگ کے جس جلسہ میں علامہ اقبالؒ نے نظریہ پاکستان پیش کیا تھا اس کی مجلس استقبالیہ کے صدر الہ آباد کے مشہور بیرسٹر سید محمد حسین تھے۔ ان کو قائداعظمؒ کا جونیئر وکیل ہونے کا شرف بھی حاصل تھا اور کونسل آف اسٹیٹ کے رکن کی حیثیت سے بھی قائداعظمؒ کے ہمدم و دم ساز تھے۔

ایک بار بھوپال میں ایک مقدمہ میں بیرسٹر سید محمد حسین کو قائداعظمؒ کے جونیئر کی حیثیت سے پیش ہونا تھا لیکن جب قائداعظمؒ ٹرین لیٹ ہونے کی وجہ سے مقررہ وقت پر عدالت میں پہنچ نہ سکے تو بیرسٹر سید محمد حسین نے مجبوراً ان کی جگہ مقدمہ میں بحث شروع کر دی۔ جب کچھ دیر کے بعد قائداعظمؒ عدالت میں پہنچے تو ان کو دیکھتے ہی بیرسٹر محمد حسین نے اپنی بحث بند کر دی اور اپنی جگہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

سید محمد حسن : "معاف کیجئے جناب ! آپ کی عدم موجودگی میں مجھے بحث کا آغاز کرنا پڑا تھا۔ اب آپ اپنی جگہ سنبھالیے۔ سینئر وکیل آپ ہیں۔"

قائداعظم : "نہیں محمد حسین ! یہ اس پیشے کے آداب کے خلاف ہے۔ آپ بحث جاری رکھئے۔ آج آپ کی حیثیت سینئر وکیل کی رہے گی اور میری جونیئر کی۔"

یہ واقعہ قائداعظمؒ کے مشہور محقق رضوان احمد نے بیرسٹر محمد حسین کے حوالے سے 20 نومبر 1980ء کے روزنامہ جنگ میں نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ بعد کو قائداعظمؒ نے فیس بھی جونیئر وکیل ہی کی وصول کی۔



دو لاکھ روپے ایک طرف
دس منٹ کی تقریر دوسری طرف

پاکستان بننے سے بہت پہلے کی بات ہے کہ راجپوتانے کے شہر اجین میں ایک معذور کی املاک کے سلسلہ میں دو پارٹیوں میں کوئی جھگڑا چل رہا تھا۔ دونوں پارٹیاں ہندو تھیں۔ ان میں سے ایک کے سرپرست نے قائداعظمؒ سے وکالت کیلئے رجوع کیا۔

مؤکل : جناب! آپ نے اپیل کے کاغذات دیکھ لیے ہوں گے؟

قائداعظمؒ : دیکھ تو لئے ہیں لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں یہ کیس نہ لے سکوں گا۔

مؤکل : کیوں جناب' ہم تو آپ سے بڑی امیدیں لے کر آئے تھے۔ فیس کوئی مسئلہ نہیں۔ ہم دو لاکھ تک پیش کر سکتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اپیل میں آپ ہی ہماری طرف سے کھڑے ہوں۔

قائداعظمؒ : آپ نے غلط اندازہ لگایا۔ فیس کی رقم خواہ دو لاکھ ہو یا اس سے زیادہ۔ وہ میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں۔ اصل میں بات کچھ اور ہے۔

موکل : کیا؟

قائداعظمؒ : وہ یہ کہ جس روز یہ اپیل ہے اسی روز مجھے اسمبلی میں ایک بحث میں حصہ لینا ہے۔ یہ مجبوری ہے۔

بقول اس واقعہ کے راوی' بیرسٹر کے ایل گابا کے' وہ تقریر جو انہوں نے مقررہ دن پر اسمبلی میں کی اور جس پر انہوں نے دو لاکھ روپے قربان کر دیئے' صرف دس منٹ کی تھی لیکن بات دو لاکھ کی نہیں اصول کی تھی۔



قراقلی کی قیمت

1943ء میں قائداعظمؒ کوئٹہ میں قاضی عیسیٰ کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ انہوں نے ایک قراقلی ٹوپی خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ قاضی عیسیٰ ان کے ساتھ عوض علی اینڈ سنز کی دکان پر گئے۔ مالک دکان نے ناپ لیا اور دوسرے دن ٹوپی تیار کر کے دے دی۔

قائداعظمؒ : اس کی قیمت کیا ہے؟

عوض علی : آپ کا اس کو قبول کرنا ہی اس کی قیمت ہے۔

قائداعظمؒ : بغیر قیمت ادا کئے تو میں ٹوپی نہ لوں گا۔

عوض علی : یہ تو ہمارے لیے فخر کی بات ہے کہ آپ ہمارے ہاں سے ٹوپی لیں۔

قائداعظمؒ : مجھے یہ منظور نہیں۔

عوض علی : اگر یہ بات ہے تو جو مرضی ہو دے دیجئے۔

قاضی عیسیٰ کہتے ہیں کہ اس پر انہوں نے ڈیڑھ سو روپے کا چیک کاٹ کر دکان کے مالک عوض علی کو دے دیا جو انہوں نے انڈورس کر کے میرے حوالے کر دیا کہ میں اسے مسلم لیگ فنڈ میں جمع کرا دوں۔



صرف جائز معاوضہ

وکالت میں بھی قائداعظمؒ کے کچھ اصول تھے جن سے سرموہ تجاوز نہیں کرتے تھے۔ ایک تاجر ایک مقدمہ لے کر آیا۔

مؤکل : میں چاہتا ہوں کہ آپ اس مقدمہ میں میری وکالت کریں۔ آپ کی فیس کیا ہو گی۔

قائداعظمؒ : میں مقدمے کے حساب سے نہیں' دن کے حساب سے فیس لیتا ہوں۔

مؤکل : کتنی؟

قائداعظمؒ : پانچ سو روپے فی پیشی۔

مؤکل : میرے پاس اس وقت پانچ ہزار روپے ہیں۔ آپ پانچ ہزار میں ہی میرا مقدمہ لڑیں۔

اچھا۔ کیا دوران تعلیم کھیلوں میں کبھی حصہ لیا تھا؟

طالب علم : جی نہیں۔

قائداعظمؒ : کالج یا یونیورسٹی کی ادبی سرگرمیوں میں تمہارا کتنا حصہ ہوتا تھا؟

طالب علم : میں ان مشاغل سے بھی لاتعلق رہا۔

قائداعظمؒ : آپ جائیں۔ میں ایسے نکمے اور فضول آدمی کی سفارش نہیں کر سکتا۔

طالب علم : شکریہ۔ آپ سفارش کریں نہ کریں مجھے اس کی پرواہ نہیں لیکن میں جھوٹ ہرگز نہیں بولوں گا۔

یہ کہہ کر وہ نوجوان تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ قائداعظمؒ نے سیکرٹری سے کہا کہ اس نوجوان کو دوبارہ بلائیں۔ جب وہ نوجوان دوبارہ سامنے آیا تو قائداعظمؒ نے فرمایا

قائداعظمؒ : میں اپنے اصول کے خلاف زندگی میں پہلی بار تمہاری سفارش کروں گا۔ میں سفارش نہیں کیا کرتا۔ یہ میری زندگی کا قیمتی اصول ہے۔ لیکن تم بھی مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ بھی تم کبھی جھوٹ نہیں بولو گے۔ بالکل اسی طرح جس طرح تم نے ابھی کہا تھا۔



آپ کا بے حد شکریہ

قائداعظمؒ کی بڑائی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ ادنیٰ سے ادنیٰ مخلص کارکن کی قدر کرتے تھے اور جو ذرا سا بھی ان کے کام آئے وہ اس کے شکرگزار ہوتے۔

1945ء کے الیکشن سے ذرا پہلے کا واقعہ ہے کہ بمبئی مسلم لیگ نے کچھ ضروری کاغذات ذمہ دار رضاکار حسن رضا کے ہاتھ قائداعظمؒ کی خدمت میں کوئٹہ بھیجے جو وہاں قاضی عیسیٰ کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ رضاکار حسن رضا نے کاغذات کے لانے لے جانے کے فرض کو جس ذمہ داری اور شوق سے ادا کیا قائداعظمؒ اس سے بہت خوش ہوئے۔ پہلے وہیں کوئٹہ میں اس کا شکریہ ادا کیا اور پھر بمبئی واپس پہنچنے کے بعد اپنے سیکرٹری کے ایچ خورشید کے توسط سے حسن رضا کو بلوایا۔

قائداعظمؒ : میں نے شکریہ ادا کرنے کے لیے آپ کو بلایا۔ کیونکہ آپ نے اپنے فرض کو پوری ذمہ داری سے ادا کیا ہے۔ میں اس بات سے بہت خوش ہوں۔

حسن رضا : جیسا کہ میں نے کوئٹہ میں عرض کیا تھا' میں وہی الفاظ دہراؤں گا کہ ایک نیشنل گارڈ کے طور پر میرا فرض تھا کہ جو کام مجھے دیا جائے اسے میں پوری طرح انجام دوں۔ پھر قائداعظمؒ کی خدمت بجا لانا۔ کس کے لیے باعث عزت نہ ہو گا۔

اس گفتگو کے بعد قائداعظمؒ نے حسن رضا سے اس کے ذاتی کوائف پوچھے۔ ان کا ارادہ اسے اپنے سیکرٹریل سٹاف میں لینے کا تھا۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ حسن انشورنس کا کاروبار سیکھ رہا ہے تو یہ کہا۔

قائداعظمؒ : چونکہ آپ نے کاروبار سے منسلک ہونے کا ارادہ ظاہر کیا ہے آپ کو وہ لائن اختیار کر لینی چاہیے۔ میری تو خواہش ہے کہ مسلمان نوجوان بزنس میں داخل ہوں۔ پھر ملازمت میں مستقبل بھی تابناک نہیں ہوتا۔



شیوۂ غم گساری

پاکستان بننے کے فوراً بعد مغربی پنجاب' یو پی' دہلی' راجستھان کے مسلمان مرد عورتیں' بوڑھے بے دردی سے قتل و غارت کا شکار ہوئے۔ جو لوگ اس وحشیانہ ظلم و ستم کے چنگل سے نکل کر پاکستان تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکے ان کے جسم ہی نہیں دل بھی زخموں سے چور تھے۔ ان میں سے بیشتر کے باپ' مائیں' بہنیں' بیٹے ان کے سامنے قتل ہوئے تھے' کوئی کنبہ سلامت نہ تھا۔ مہاجرین کا جو قافلہ آتا وہ قتل و غارت کے اندوہناک واقعات ساتھ لاتا۔ ان تباہ حال مہاجروں کا ایک وفد قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

وفد کا سربراہ : ہم مہاجروں پر جو کچھ بیتی ہے ہم اسے کہہ سکتے ہیں نہ آپ اسے سن سکتے ہیں۔ لیکن یہاں آکر بھی ہم بہت سی مشکلات سے دوچار ہیں۔ آپ قائداعظمؒ ہیں۔ آپ کی ذمہ داریاں بہت ہیں۔ ہم آپ کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتے۔ ہم اپنی معروضات لکھ کر لے آئے ہیں۔ آپ یہ درخواست ملاحظہ کر لیجئے۔

قائداعظمؒ : (درخواست پڑھنے کے بعد)

میں آپ لوگوں کے دلوں کی کیفیت سے آگاہ ہوں۔ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔

میرے باپ کو مرے ہوئے عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن اب بھی جب کبھی ان کی یاد آجاتی ہے تو میں غمگین ہو جاتا ہوں۔ زندگی اداس اداس اور رائیگاں معلوم ہونے لگتی ہے۔

آپ لوگوں کے عزیز و اقارب' ماں باپ' بہن بھائی' بچے اور عورتیں آپ کی آنکھوں کے سامنے اور پس پشت وحشیانہ طور پر قتل ہوئے۔ مجھے اس غم کا اندازہ ہے۔ موت خواہ ایک فرد کی کیوں نہ ہو' ایک بڑا حادثہ ہوتی ہے اور پھر ایسی موت۔

(کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد غم زدہ آواز میں)

مجھے اپنی جان کی کوئی فکر نہیں۔ مجھے ایک دن مرنا ہے۔ مجھے آپ کے دکھ سے بہت دکھ پہنچا ہے۔ لیکن مجھے آپ پر اعتماد ہے کہ آپ اس غم کو برداشت کر لیں گے اور مشکلات پر قابو پا لیں گے۔



بوڑھے ملاقاتی کی دل جوئی

1941ء میں مسلم لیگ کے مدراس اجلاس سے واپسی پر قائداعظمؒ کی طبیعت یکایک ناساز ہو گئی تھی اس لیے وہ ریاست میسور کے مہمان خانے میں قیام پذیر تھے۔ طبیعت اتنی خراب تھی کہ ان کے قریب بلند آواز سے باتیں کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ چہ جائیکہ کسی کو ان سے ملاقات کی اجازت دی جائے۔

ایک روز صبح صبح کچھ لوگ قائداعظمؒ سے ملنے آئے۔ وہ جنوبی ہند کے دیہاتیوں کے مخصوص لباس میں ملبوس تھے۔ بالکل ان پڑھ معلوم ہوتے تھے۔ ان میں سے دو تین خاصے بوڑھے تھے۔ قائداعظمؒ کے سیکرٹری مطلوب الحسن سید کو تعجب تو بہت ہوا کہ یہ لوگ کیسے آئے ہیں۔ بہرحال چونکہ ڈاکٹروں نے ملاقات کا سلسلہ بند کر رکھا تھا اس لیے انہوں نے ان دیہاتیوں کو بتایا کہ قائداعظمؒ کی طبیعت اتنی خراب ہے کہ وہ ان سے بالکل نہیں مل سکتے۔ یہ سن کر ایک بوڑھا زاروقطار رونے لگا۔ اس نے مطلوب الحسن سید کو اپنے پیروں کے چھالے دکھائے اور کہا کہ ہم لوگ بیس میل پیدل چل کر آئے ہیں۔ قائداعظمؒ سے پاکستان سمجھنا چاہتے ہیں پھر کیا خیر کوئی بات نہیں میری قسمت میں قائداعظمؒ کو دیکھنا نہ تھا۔ یہ کہہ کر اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور رو رو کر دعا مانگنے لگا کہ یااللہ میری عمر قائداعظمؒ کو لگا دے۔ یا اللہ میری عمر قائداعظمؒ کو دے دے۔ یہ منظر اتنا دلدوز تھا کہ مطلوب الحسن

سید بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور یہ سوچ کر کہ اتنے خلوص سے مانگی ہوئی دعا رائیگاں نہیں جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ ضرور قائداعظمؒ کو صحت عطا فرمائے گا۔ وہ خلاف اصول قائداعظمؒ کے کمرے میں گئے۔

مطلوب الحسن : جناب میں آپ کے آرام میں ہرگز مخل نہ ہوتا اگر آپ کو بتانا اتنا ضروری نہ ہوتا۔

قائداعظمؒ : کون سی خاص بات ہے؟

مطلوب الحسن : بیس میل پیدل چل کر کچھ دیہاتی آپ سے ملنے آئے ہیں۔ ان میں سے دو ایک تو بہت ہی ضعیف ہیں۔

قائداعظمؒ : پوچھو کہ یہ لوگ کچھ دن انتظار کر سکتے ہیں؟ صرف ملاقات کرنا چاہتے ہیں یا کچھ اور؟

مطلوب الحسن : ان میں سے ایک نے مجھے بتایا ہے کہ جس گاؤں میں وہ رہتے ہیں وہاں کوئی ایسا نہیں جو انہیں مسلم لیگ اور پاکستان کے بارے میں کچھ بتا سکے۔ یہ سادہ لوح دیہاتی آپ سے پاکستان سمجھنا چاہتے ہیں۔

قائداعظمؒ : اچھا' میں آتا ہوں۔

مطلوب الحسن سید لکھتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ سنا کہ یہ لوگ پاکستان کو سمجھنا چاہتے ہیں تو وہ اپنی تکلیف بھول گئے۔ کمرے سے باہر آئے' ان لوگوں سے گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور کافی دیر تک ان سے پاکستان کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔



اچھا' میں گذدر سے بات کروں گا

حکومت وقت نے مرحوم پیر پگاڑو کے لڑکے علی گڑھ میں تعلیم کے لیے بھیجے تھے لیکن حکومت ان کی صحیح دیکھ بھال نہیں کر رہی تھی۔ ایک بار قائداعظمؒ علی گڑھ آئے تو ڈاکٹر سید احمد علی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

احمد علی : سر! جیسا کہ آپ کو علم ہو گا کہ پیر پگاڑو کے لڑکے حکومت نے یہاں تعلیم و تربیت کے لیے بھیجے ہوئے ہیں لیکن نہ ان کو ہمدردانہ رویہ مل رہا ہے اور نہ ان کو ضروری مالی امداد مل رہی ہے۔ ان کا برا حال ہے۔

قائداعظمؒ : یہ تو بہت قابل افسوس بات ہے۔ ذرا مجھے وہ نوٹ بک اٹھا دیجئے۔ شکریہ! میں گنڈور سے بات کروں گا۔

ڈاکٹر عابد احمد علی لکھتے ہیں کہ اس وقت مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ گنڈور کون ہیں اور اس معاملہ میں ان کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ لیکن ہوا یہ کہ کچھ دنوں کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ بگاڑو کے لڑکوں کی خوب دیکھ بھال ہو رہی ہے اور تکالیف دور ہو گئی ہیں۔ اس سے پہلے بھی میرے علم میں یہ تو تھا کہ وہ مسلم لیگی طلباء جو اپنی کٹر لیگیت کی وجہ سے یونیورسٹی کے بعض حکام کے زیرِعتاب آئے تھے ان کی قائداعظمؒ نے بڑی ٹھوس مدد کی تھی۔

(ڈاکٹر سید عابد احمد علی' ص 195)



اس رات تم موٹر توڑ بھی لاتے تو مجھے خوشی ہوتی

ایک بار امیر احمد خان راجہ صاحب محمود آباد اپنی نوجوانی کے زمانہ میں بمبئی میں قائداعظمؒ کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ قائداعظمؒ نے ان سے ایک رئیس زادے کا تعارف کرایا جو گردشِ روزگار سے قلاش ہو چکے تھے۔ انہوں نے انہیں کھانے پر بلایا لیکن کسی وجہ سے یاد نہ رہا اور خود کسی سے ملنے چلے گئے۔ جب واپس آئے تو ملازم نے ان صاحب کا کارڈ پیش کیا۔ کارڈ دیکھ کر امیر احمد خان بہت شرمندہ اور پریشان ہوئے۔ پھر جلدی جلدی باورچی خانے سے کچھ کھانا لیا۔ چپکے سے قائداعظمؒ کی نئی گاڑی نکالی اور ان صاحب کو معذرت کے ساتھ ان کے گھر جا کر کھانا کھلایا۔ صبح کو یہ راز کھلا کہ گیراج سے گاڑی نکالی گئی تھی۔ قائداعظمؒ کے سیکرٹری کو علم تھا کہ قائداعظمؒ راجہ صاحب کو گھر کا فرد سمجھتے ہیں۔

نوجوان راجہ صاحب کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ وہ قائداعظمؒ کو انکل کہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے قائداعظمؒ کے ڈرائیور کو سمجھا بجھا کر بات ختم کر دی۔ بہت دنوں کے بعد راجہ صاحب نے ایک محفل میں خود ہی قائداعظمؒ کے سامنے اس واقعہ کا تذکرہ کیا اور معذرت بھی کی۔

راجہ صاحب : انکل مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کی اجازت کے بغیر اس رات آپ کی گاڑی استعمال کی۔

قائداعظمؒ : امیر! اس رات اگر تم وہ نئی گاڑی توڑ بھی لاتے تو مجھے خوشی ہوتی۔

(قائداعظمؒ میری نظر میں' ص 257)



نہیں، ہم سب کا حصہ برابر ہے

قائداعظمؒ کو الفانسو آم بہت مرغوب تھے۔ جس زمانے میں وہ کراچی میں سر عبداللہ ہارون کی کوٹھی سی فیلڈ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ بمبئی سے ان کا کوئی دوست ان کے لیے روزانہ سیر دو سیر تازہ الفانسو آم بھیجتے تھے۔ کھانے کی میز پر عبداللہ ہارون کی بیگم اور ان کے تینوں بیٹے قائداعظمؒ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ قائداعظمؒ آموں میں انہیں برابر کا شریک کرتے تھے۔ ایک روز سعید ہارون نے کہا۔

ہارون : جناب ہماری تو خواہش ہے کہ ان آموں سے آپ ہی شوق فرمائیں۔ یہ خاص طور پر آپ ہی کے لیے آتے ہیں۔

قائداعظمؒ : نہیں، ان پر ہم سب کا برابر حق ہے۔

اس بظاہر چھوٹے سے واقعہ سے کردار کے ایک رخ پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔



اس نوجوان کا کیا حال ہے؟

قائداعظمؒ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اکثر جاتے رہتے تھے اور صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خان کے ہاں قیام کرتے تھے۔ ایک بار کسی تقریب سے نواب صاحب کی قیام گاہ پر واپس جا رہے تھے کہ ان کی گاڑی کو دیکھ کر ایک نوجوان نے جو ایک دیوار پر بیٹھا تھا۔ وہیں کھڑے ہو کر زور زور سے قائداعظمؒ زندہ باد اور پاکستان زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ جب زیادہ جوش میں آیا تو توازن کھو بیٹھا اور نیچے گر پڑا۔ قائداعظمؒ نے بھی اسے گرتے دیکھا۔ انہوں نے فوراً گاڑی رکوائی۔

قائداعظمؒ : (اپنے طالب علم اے ڈی سی غلام عمر سے) جاؤ، دیکھو، اسے زیادہ چوٹ تو نہیں لگی۔ فوراً ہسپتال لے جاؤ۔

اے ڈی سی : بہت بہتر سر!

غلام عمر محمد (اب میجر جنرل ریٹائرڈ غلام عمر) بتاتے ہیں کہ طلباء اس نوجوان کو فوراً اٹھا کر یونیورسٹی ہسپتال لے گئے اور شام تک قائداعظمؒ بار بار اس کی خیریت پوچھتے رہے اور جب تک ہم نے انہیں یقین نہیں دلایا کہ نوجوان ٹھیک ٹھاک ہے۔ شکر ہے کہ کوئی خاص چوٹ نہیں لگی، وہ برابر بے چین رہے۔

(یہ واقعہ جنرل عمر نے 11 ستمبر 1983ء کے ٹی وی انٹرویو میں بیان کیا)



مجھے خوشی ہے کہ انہوں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا

قائداعظمؒ بے حد مصروف انسان تھے۔ کام کا دباؤ بھی کم نہیں تھا۔ اس کے باوجود جب بھی انہیں ذرا سی فراغت ہوتی تو خوش مزاجی اور برجستہ گوئی کے بڑے دلچسپ مظاہرے دیکھنے میں آتے۔

ایک مرتبہ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے طویل اجلاس سے فارغ ہو کر گھر آئے تو موڈ بڑا اچھا تھا۔

فاطمہ جناح : آج کے اجلاس میں کن مسائل پر بحث ہوئی؟

قائداعظمؒ : (مسکرا کر) تمہاری نمائندہ بیگم محمد علی جوہر ہیں۔ ان سے رپورٹ طلب کرو۔ میں تو مردوں کی نمائندگی کرتا ہوں۔

فاطمہ جناح : لیکن انہوں نے تو کچھ نہیں بتایا۔

قائداعظمؒ یہ تو خیر بری بات ہے۔ انہیں چاہیے تھا کہ تم کو بتائیں۔ لیکن میرے لیے یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کی۔

فاطمہ جناح : وہ کیوں؟

قائداعظمؒ : وہ اس لیے کہ عورت گفتگو شروع کر دے تو پھر اسے خاموش کرانا مشکل ہو جاتا ہے۔

(رضوان احمد، قائداعظمؒ چند یادیں، چند ملاقاتیں، ص 16)



میں جھوٹ کیوں بولوں؟

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر ہندوستان کی برطانوی حکومت نے بمبئی اسمبلی کے اراکین کے لیے کچھ گاڑیاں منگوائیں۔ لیگی رہنما حسین بیگ محمد بھی اسمبلی کے رکن تھے۔ انہیں بھی ایک گاڑی کا پرمٹ ملا۔ انہوں نے گاڑی خریدی اور حسب معمول ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر قائداعظمؒ سے ملاقات کے لیے پہنچے۔

قائداعظمؒ : آپ نے یہ نئی گاڑی خریدی ہے؟

حسین : جی ہاں، گورنمنٹ نے اسمبلی کے ممبروں کو پرمٹ جاری کیے ہیں۔

قائداعظمؒ : میری گاڑی بھی اب خراب رہنے لگی ہے۔ مجھے بھی نئی گاڑی چاہیے۔

حسین : آپ بھی پرمٹ کے لیے درخواست دے دیجئے۔ کل میں پرمٹ فارم لے آؤں گا۔

چنانچہ دوسرے روز وہ فارم لے کر قائداعظمؒ کی کوٹھی پر پہنچے اور قائداعظمؒ سے پوچھ پوچھ کر فارم بھرنے لگے۔

حسین : سر! اگلا کالم ہے' پچھلی گاڑی کتنے میں فروخت کی؟

قائداعظمؒ : گیارہ ہزار میں۔

حسین : فروخت شدہ گاڑی کتنے میں خریدی تھی؟

قائداعظمؒ : دس ہزار میں۔

حسین : سر! یہ تو بلیک مارکیٹنگ ہوئی کہ آپ نے گاڑی دس ہزار میں خریدی۔ اتنے برس چلائی اور پھر گیارہ ہزار میں فروخت بھی کر دی۔

قائداعظمؒ : گاڑی کی فروخت کے لیے میں نے اخبار میں اشتہار دیا' خریدار آیا' اس نے گاڑی کو دیکھا بھالا' ماڈل کو دیکھا اور اپنی خوشی سے سودا کر کے گاڑی لے گیا۔ بلیک مارکیٹنگ تو تب تھی اگر میں گاہک کو دھوکے میں رکھتا۔ پھر جس زمانے میں میں نے گاڑی خریدی تھی اس وقت روپے کی قوت خرید زیادہ تھی۔

حسین : سر! گاڑی کی قیمت فروخت پانچ ہزار کیوں نہ لکھ دی جائے۔

قائداعظمؒ : میں جھوٹ کیوں بولوں۔ جو بات جس طرح ہوئی ہے اسی طرح لکھوں گا۔
(فارم پر دستخط کرنے کے بعد)
حسین! کل پھر ٹیلیفون پر دریافت کر لینا۔ میری اجازت کے بغیر فارم جمع نہ کرانا۔

حسین بیگ محمد لکھتے ہیں کہ جب دوسرے روز میں نے انہیں فون کیا تو انہوں نے بتایا کہ دہلی جا رہا ہوں واپسی پر بات ہو گی۔ پھر یہ بات آئی گئی ہو گئی۔



اصول کے معاملہ میں رعایت بہن کی بھی نہیں

یہ واقعہ جولائی 1948ء کا ہے۔ قائداعظمؒ اپنی علالت کے سلسلہ میں زیارت میں قیام فرما تھے۔ ان کے ایک اے ڈی سی فلائٹ لیفٹننٹ آفتاب احمد خان' گھر کے کمپٹرولر کی ذمہ داریاں بھی سنبھالے ہوئے تھے۔ وہی کھانے کا مینو بھی بناتے تھے۔ کھانا آنے سے پہلے قائداعظمؒ نے ان سے پوچھا کہ آج کیا پکا ہے۔ لیکن جب کھانا آیا تو وہ اس سے مختلف تھا۔

قائداعظمؒ : مسٹر آفتاب! یہ کیا قصہ ہے؟

مس جناح : آفتاب نے آپ کو ٹھیک بتایا تھا۔ میں نے اپنے طور پر کھانے میں تبدیلی کرا دی تھی۔

قائداعظمؒ : فاطمہ! یہ مناسب نہیں۔ مینو' آفتاب کی ذمہ داری ہے۔ وہی اس کے لیے جواب دہ ہے۔ اس کے علم اور مرضی کے بغیر تمہیں اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرنی چاہئے تھی۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد گروپ کیپٹن آفتاب احمد خان لکھتے ہیں:

"تو یہ تھے قائداعظمؒ جن کی دنیا میں قواعد اور اصول کا احترام ہر رشتے' ہر جذبے اور ہر تعلق سے برتر اور بلند تھا۔

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

قائداعظمؒ کی اصول پسندی کی داستانوں سے بعض لوگ یہ تاثر لیتے ہیں کہ جیسے وہ طبعاً" جذبات سے عاری تھے۔ ایسا ہرگز نہیں تھا۔ گو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ دوسروں کے سامنے اپنے جذبات و احساسات کا برملا اظہار پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حساس یا بامروت نہیں تھے۔ اس ضمن میں میں آنکھوں دیکھے دو واقعات بیان کروں گا۔

پہلا واقعہ پاکستان بننے کے فوراً" بعد کا ہے۔ قائداعظمؒ ایک روز صبح صبح مہاجرین کے کیمپ دیکھنے گئے جو کراچی کے مضافات میں دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس دن انہوں نے وہاں خاصا وقت گزارا۔ لٹے پٹے مہاجروں کی حالت زار دیکھی نہیں جاتی تھی۔ ہندوؤں اور سکھوں کے جس ظلم و تشدد کا شکار وہ ہوئے تھے اور پاکستان پہنچتے پہنچتے جو ان پر بیتی تھی اس کی دل ہلا دینے والی داستانیں انہوں نے بظاہر بڑے ضبط و سکون سے سنیں۔ جب ہم لوگ واپس آئے تو دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ وہ کھانے کے لیے بیٹھے اور دو ایک نوالے لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور بغیر کچھ کہے سیدھے اپنے بیڈروم میں چلے گئے۔ یہ غیر معمولی بات تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ مہاجرین کی حالت زار نے ان پر

گہرا اثر کیا ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنے غم و اندوہ کا جذباتی اظہار نہیں کیا۔ اسی طرح مروت اور ہمدردی کے اظہار میں بھی وہ محتاط تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ پانی میں کسی قسم کی مضر ملاوٹ کی وجہ سے ہم تینوں اے ڈی سی بیک وقت پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ (صرف قائداعظمؒ اور فاطمہ جناح اس بیماری سے محفوظ رہے۔ چونکہ وہ عادتاً ابلا ہوا پانی پیتے تھے) اورڈاکٹر نے ہمیں اپنے کمرے میں آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب قائداعظمؒ بہ نفس نفیس مزاج پرسی کے لیے میرے کمرے میں آئے۔ اسی طرح دوسرے دو اے ڈی سیز کی عیادت بھی ان کے کمروں میں جا کر کی۔ لیکن یہ عیادت بھی جذبات سے تو نہیں البتہ جذباتیت سے خالی ضرور تھی۔ ہم بحیثیت قوم جذبات کے اظہار میں شدت بلکہ غلو کے قائل نظر آتے ہیں جبکہ قائداعظمؒ جذبات کے اظہار میں جذباتی کبھی نہیں ہوتے تھے۔ یہی ان کی جیت تھی' یہی ان کی شخصیت کا کمال بلکہ اعجاز تھا۔ اسی مزاج سے انہوں نے پاکستان کی لڑائی لڑی۔ وہ پہلے سیاست دان تھے جنہوں نے سیاست جیسی چیز میں ہمیشہ اصولوں اور اخلاقی قدروں کو ملحوظ رکھا اور کامیاب ہو کر دکھا دیا۔"



بااصول مخالف بھی گوارا

تحریک پاکستان کے شروع ہونے تک قائداعظمؒ کا کوئی ہمہ وقتی سیکرٹری نہیں تھا۔ جب کام کی زیادتی نے انہیں سیکرٹری رکھنے پر مجبور کیا تو انہوں نے اس کا تذکرہ بمبئی مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر اور بمبئی اسمبلی کے ممبر حسین بیگ محمد سے کیا۔ حسین بیگ محمد کے خاندان سے ویسے بھی ان کے قدیم مراسم تھے۔

قائداعظمؒ : مجھے بڑھتے ہوئے کام کو نمٹانے کے لیے مناسب سیکرٹری نہیں مل رہا۔

حسین : سر! ایک آدمی میری نظر میں ہے لیکن وہ تنخواہ زیادہ لے گا۔

قائداعظمؒ : اگر وہ موزوں آدمی ہو تو میں اسے زیادہ تنخواہ بھی دینے کو تیار ہوں۔

حسین : ولایت سے ایک مسلمان نوجوان بہت جلد ہندوستان واپس پہنچنے والا ہے۔ اس میں آپ کا سیکرٹری بننے کے تمام ضروری اوصاف پائے جاتے ہیں۔ صرف ایک قباحت ہے۔

قائداعظمؒ : وہ کیا؟

حسین : بس یہی کہ نیشنلسٹ ہے۔

قائداعظمؒ : (مسکرا کر) اگر وہ نوجوان کانگریسی یا نیشنلسٹ' اصولوں کی بنیاد پر ہے تو میں اسے بھی اپنا سیکرٹری بنانے کے لیے تیار ہوں لیکن اگر اس کا نیشنلزم کسی غرض کا تابع ہے تو خواہ کتنا ہی لائق فائق کیوں نہ ہو میرے کام کا نہیں۔

اے کے سومار اس گفتگو کو نقل کرنے بعد لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ بااصول مخالف کو بھی پسند کرتے تھے اور انہیں اپنے موقف کی صداقت پر اتنا یقین تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ ایک مخلص کانگریسی کو آسانی سے قبول کرلیں گے۔



ضابطے کی پابندی میں کسی کی رعایت نہ کریں

پاکستان کا گورنر جنرل بننے کے بعد قائداعظمؒ نے آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک خصوصی اجلاس دسمبر 1947ء میں طلب کیا۔ خالق دینا ہال کے صدر دروازے پر مندوبین کے داخلے کے ٹکٹوں کی جانچ پڑتال نیشنل گارڈز کے سالار اعلیٰ نواب صدیق علی خان کر رہے تھے۔

وقت مقررہ پر قائداعظمؒ حسب ضابطہ اپنے داخلے کا پاس جیب میں ڈالے اپنے اے ڈی سی کے ہمراہ تشریف لائے تو سالار اعلیٰ نے ان کا ٹکٹ چیک کرنا سوئے ادب سمجھا اور سلام کر کے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ قائداعظمؒ اندر داخل ہوئے' دو قدم چلے' پھر ٹھہرے اور صدیق علی خان کو اشارہ سے بلایا۔

قائداعظمؒ : آپ نے میرا ٹکٹ کیوں نہیں مانگا؟

صدیق خان : معذرت چاہتا ہوں۔

نظم و ضبط کے پابند قائداعظمؒ خود بھی تھے اور اسی کی تلقین وہ دوسروں کو بھی کرتے تھے۔



ضابطے اور قاعدے کا لحاظ

1944ء میں پنجاب صوبائی لیگ کا اجلاس سیالکوٹ میں ہونا تھا۔ اس مقصد کے لیے استقبالیہ کمیٹی

کے جنرل سیکرٹری سید مرید حسین لاہور جا کر قائداعظمؒ سے جو ان دنوں ممدوٹ ولا میں ٹھہرے ہوئے تھے، ملے اور انہیں سیالکوٹ آکر اجلاس میں شرکت کرنے کی دعوت دی۔ جو انہوں نے قبول کر لی۔ جب قائداعظمؒ کا سیالکوٹ آنا طے ہو گیا تو مرے کالج کی اسٹوڈنٹس یونین کے صدر مسٹر عظمت اللہ خان بھی ممدوٹ ولا جا کر قائداعظمؒ سے ملے۔

عظمت اللہ : سر! اب جبکہ آپ سیالکوٹ تشریف لا ہی رہے ہیں۔ میں مرے کالج کی یونین کی طرف سے آپ سے کچھ وقت لینے حاضر ہوا ہوں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ کالج میں بھی خطاب فرمائیں۔

قائداعظمؒ : مجھے وہاں تقریر کرنے سے انکار نہیں لیکن میں سیالکوٹ میں جنرل سیکرٹری استقبالیہ کمیٹی کے ڈسپوزل پر ہو گا۔ اگر وہ آپ کو وقت دے دیں تو میں ضرور آجاؤں گا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد سید مرید حسین لکھتے ہیں کہ قاعدے اور دستور کے مطابق عظمت اللہ خان نے سیالکوٹ آکر مجھ سے اجازت لی اور اس کے بعد مرے کالج میں قائداعظمؒ کی تقریر بھی پروگرام میں شامل کر دی گئی۔



دیانت داری کی قدر

ایک دفعہ قائداعظمؒ نے دروازے کی چوکھٹوں کا آرڈر دیا۔ دکاندار کے ساتھ ٹیک وڈ کا استعمال طے ہوا۔ جب ان کی تیاری کا وقت قریب آیا اور ٹیک وڈ بازار میں دستیاب نہ ہو سکی تو وہ قائداعظمؒ کے پاس آیا۔

دکاندار : جناب! ٹیک وڈ چونکہ مل نہیں رہی۔ اس لیے آپ اجازت دیں تو اس کی جگہ شیشم کی لکڑی استعمال کر لی جائے۔

قائداعظمؒ : لیکن جب شیشم لگاؤ گے تو پیسے بھی پھر شیشم کے ملیں گے۔

دکاندار : جناب! دونوں کی قیمت میں کوئی خاص فرق نہیں۔ اس لیے پیسوں کی کمی بیشی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

قائداعظمؒ : یہ میں کیسے مان لوں کہ شیشم کا بھاؤ ٹیک وڈ کے برابر ہو چکا ہے۔

دکاندار : جناب ! اگر میں ٹیک وڈ کی جگہ شیشم کی لکڑی لگا دیتا تو آپ کو پتہ بھی نہ چلتا۔ میں نے دیانت داری سے بتا دیا اور آپ تسلیم ہی نہیں کر رہے۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد قائداعظمؒ کے سیکرٹری مطلوب الحسن سید کہتے ہیں کہ دکاندار کی اس دلیل پر وہ فوراً مان گئے اور اس بار ہی نہیں بلکہ آئندہ بھی ہمیشہ اسی کو آرڈر دیا۔



احتیاط کرنا اچھا ہوتا ہے

قائداعظمؒ کی اپیل پر بمبئی کے ٹمبر مرچنٹس نے بھی ایک لاکھ روپیہ جمع کیا اور خواہش کی کہ وہ یہ رقم قائداعظمؒ کی موجودگی میں مسلم لیگ فنڈ میں جمع کرانا چاہتے ہیں۔ قائداعظمؒ نے ان کا مطالبہ مان لیا۔ قیصرباغ میں بہت بڑا جلسہ عام ہوا۔ قائداعظمؒ کے سامنے ایک بڑا بکس رکھا گیا۔ لوگ آتے اور اپنے اپنے پرس اس میں ڈالتے جاتے۔ جلسہ کے اختتام پر قائداعظمؒ نے بمبئی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن اور ان کے حفاظتی دستے کے نگران حسین بیگ محمد کو بکس اٹھانے کا حکم دیا۔ وہ بکس اٹھا کر احتراماً ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے تو قائداعظمؒ نے فرمایا۔

"میرے آگے چلو۔"

وہ آگے چلنے لگے لیکن دل میں سوچنے لگے کہ قائداعظمؒ مجھ پر شک کرتے ہیں۔ دوسرے دن قائداعظمؒ نے فون کر کے انہیں بلایا۔

قائداعظمؒ : حسین ! سچ سچ بتانا جب میں نے کہا کہ میرے آگے چلو تو آپ نے میرے کہے کا برا مانا تھا؟

حسین : سر! بات ہی ایسی تھی۔

قائداعظمؒ : نہیں' یہ بات نہیں۔ اگر آپ میرے پیچھے پیچھے چلتے تو کوئی بھی شخص آپ سے یہ بکس چھین سکتا تھا جبکہ میرے سامنے کوئی ایسی جرات نہ کر پاتا۔ جلسے جلوسوں میں ہر قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ اس لیے احتیاط کرنا اچھا ہوتا ہے۔



خدمت گزاری کی قدر

صوبہ بمبئی مسلم لیگ کو 1945ء کے عام انتخابات سے پہلے چند اہم اور ضروری کاغذات قائداعظمؒ کی خدمت میں کوئٹہ بھیجنا تھے۔ اس خدمت کے لیے ایک نیشنل گارڈ حسن رضا کو چنا گیا جنھوں نے یہ کاغذات قائداعظمؒ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ ان کاغذات میں قائداعظمؒ کا نامزدگی فارم بھی تھا۔ اس فارم کو قائداعظمؒ نے حسن رضا کی موجودگی میں بھرنا شروع کیا۔ جب وہ الیکشن ایجنٹ کے نام پر آئے تو انہوں نے صوبائی مسلم لیگ کا وہ پرچہ پڑھا جو ان کے نامزدگی فارم کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ اس میں محمد علی چائے والا اور حاجی حسین علی پی ابراہیم کے نام ان کے الیکشن ایجنٹ کے طور پر تجویز کئے گئے تھے۔

قائداعظمؒ : نوجوان! ان دو کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

حسن رضا : جناب! بحیثیت نیشنل گارڈ میرے لیے کسی مسلم لیگی کارکن کے متعلق رائے دینا مناسب نہیں۔ پھر ایک ادنیٰ رضاکار کے طور پر میری رائے کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔

قائداعظمؒ : چونکہ آپ رضاکار ہیں اور عملی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس لیے میں آپ کی بے لاگ رائے جاننا چاہتا ہوں۔

حسن رضا : اگر آپ اصرار کرتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا کہ محمد علی چائے والا پراونشل مسلم لیگ کے خزانچی ضرور ہیں مگر عملاً" ان کی خدمات قابل ذکر نہیں اور نہ عوام انہیں جانتے ہیں۔ برخلاف اس کے حاجی حسین علی پی ابراہیم عوام میں بہت مقبول ہیں اور عوام کے خدمت گزار ہیں۔

قائداعظمؒ : ان کی خدمت گزاری کی کوئی ٹھوس مثال۔

حسن رضا : مثلاً یہ کہ وہ حالیہ فسادات میں ہندو محلوں سے گزر کر زخمی ہوئے۔ مسلمانوں کی عیادت کو جاتے رہے ہیں۔ حالانکہ فسادات کے دنوں میں ہندو محلوں سے گزرنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ وہ فسادات کی ریلیف کمیٹی کے چیئرمین بھی ہیں۔

حسن رضا اس گفتگو کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ سن کر قائداعظمؒ نے بلاتامل حاجی صاحب کا نام اپنے الیکشن ایجنٹ کے طور پر نامزدگی کے فارم پر لکھ دیا۔

حسن رضا مزید لکھتے ہیں کہ مجھے معلوم تھا کہ محمد علی چائے والا قائداعظمؒ کے مختار قانونی ہیں اور

ان سے ان کے پرانے خاندانی مراسم ہیں۔ لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ صاف گو ہیں اور صاف گوئی پسند کرتے ہیں اور یہ کہ وہ کوئی فیصلہ کرنے میں ذاتی تعلقات کا لحاظ نہیں کرتے۔ اس لیے میں نے بلا جھجک اپنی رائے بیان کر دی۔



بیماری میں بھی وضع داری

اواخر جولائی 1948ء سے زیارت کی آب و ہوا قائداعظمؒ کی صحت یابی کے لیے سودمند ثابت نہیں ہو رہی تھی۔ ایک روز ان کے معالجوں نے کہا۔

ڈاکٹر شاہ : جناب! اب ہم محسوس کرتے ہیں کہ زیارت کی سرد آب و ہوا آپ کی صحت کے لیے مفید ثابت نہیں ہو رہی ہے۔

قائداعظمؒ : تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟

ڈاکٹر شاہ : پھر کہاں جانا ہے؟

ڈاکٹر شاہ : ہم نے کئی مقامات کے بارے میں سوچا ہے۔ ہر کسی میں کوئی نہ کوئی قباحت ہے۔ اس لیے ہمارا خیال ہے کہ کوئٹہ کئی لحاظ سے بہتر رہے گا۔

قائداعظمؒ : ٹھیک ہے۔ جو آپ ضروری سمجھیں۔

ڈاکٹر شاہ : دوسرے یہ درخواست ہے کہ سفر کے دوران آپ اپنے جسم سے کمبل لپیٹ لیں۔ لباس بدلنے کی ضرورت نہیں۔

قائداعظمؒ : کیوں؟

ڈاکٹر شاہ : کیونکہ آپ ابھی کمزور ہیں۔ اس تکلف سے تکان ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

قائداعظمؒ : نہیں ڈاکٹر! ایسا نہیں ہو سکتا۔ جس طرح آپ کہتے ہیں اس طرح سفر کرنا میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔

ڈاکٹر ریاض علی شاہ اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ نے اصرار کر کے سفر کا پورا اہتمام کیا۔ سر کے بال ترشوائے، شیو بنایا، شلوار شیروانی، پمپ شوز، غرض پورا لباس پہنا، پھر موٹر میں بیٹھ کر زیارت سے کوئٹہ تک کا سفر کیا۔

اصل میں بیماری کی مجبوری اور معذوری کو قبول کرنے کے لیے وہ ذہنی طور پر تیار نہیں تھے۔

جھک جانا ان کی سرشت ہی میں نہیں تھا۔ جب تک جان میں جان رہی وہ اپنی مہلک بیماری کے سامنے بھی جھکے نہیں۔



صحت سے بھی بڑھ کر

زیارت میں اپنی شدید علالت کے زمانے میں بھی قائداعظمؒ نے اپنے معمولات میں فرق نہیں آنے دیا تھا۔ ہر روز صبح شیو بنواتے اور حسب عادت ڈھائی بجے چائے پیتے۔ ایک روز ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے عرض کیا۔

ڈاکٹر ریاض علی : مقررہ وقت پر چائے پیش کرنے کے لیے آپ کو کبھی کبھی جگانا پڑتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ اگر سوئے ہوئے ہوں تو بہتر یہ ہو گا کہ آپ کو جگایا نہ جائے۔

قائداعظمؒ : کیوں؟

ڈاکٹر ریاض : کیونکہ آپ کے لیے نیند اور آرام اشد ضروری ہے۔

قائداعظمؒ : (مسکرا کر) صحت کے لیے زندگی بھر کے اصول ترک نہیں کیے جا سکتے۔

ڈاکٹر ریاض علی شاہ اپنے روزنامچہ میں یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ آخرکار کافی بحث و تمحیص کے بعد ہم نے انہیں طبی ضرورت کے تحت اس بات پر رضامند کر لیا کہ اگر وہ سو رہے ہوں تو محض چائے کے لیے انہیں نہ جگایا جائے۔

قائداعظمؒ کے کردار کی یہ ایک خصوصیت تھی کہ وہ معقول و مدلل رائے کا احترام کرتے تھے۔



پابندئ وقت ہر جگہ، ہر ایک کے لیے

یکم جولائی 1948ء کو اسٹیٹ بنک آف پاکستان کا باقاعدہ افتتاح ہونا تھا۔ قائداعظمؒ ان دنوں بیمار تھے اور زیارت میں زیرعلاج تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے زیارت سے کراچی تک سفر کا دباؤ برداشت کیا اور مقررہ وقت پر تقریب کی صدارت کے لیے اسٹیٹ بنک پہنچ گئے لیکن وزیراعظمؒ سمیت کئی وزراء اور اعلیٰ سرکاری افسر ابھی تک تقریب گاہ میں نہیں آئے تھے۔ ان کی مخصوص کرسیاں جو اگلی قطار میں تھیں خالی پڑی تھیں۔ یہ دیکھ کر قائداعظمؒ کے چہرے پر سرخی سی دوڑ گئی۔

انہوں نے وقت مقررہ پر کارروائی شروع کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی فرمایا۔

"یہ خالی کرسیاں فورا" اٹھالی جائیں۔"

چنانچہ حسب حکم خالی کرسیاں تقریب گاہ سے اٹھالی گئیں۔ تھوڑی دیر بعد جب یہ مقتدر حضرات آئے تو کسی شخص کو ان کے لیے کرسی لانے یا انہیں اپنی کرسی پیش کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔ اس صورت حال سے ارباب اقتدار بھی بہت شرمندہ ہوئے اور تقریب کے اختتام پر قائداعظمؒ سے بڑی معذرت کی۔



جھنڈے کا احترام' خواہ وہ غیر ملکی ہی کیوں نہ ہو

14 اگست 1947ء کو پاکستان کے قیام کے لیے حکومت کی طرف سے رسمی آئینی اعلان کے لیے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کراچی آئے تھے۔ ان کی آمد پر گورنر جنرل ہاؤس پر یونین جیک اور پاکستانی پرچم ساتھ ساتھ لہرائے گئے تھے۔ افتتاحی اجلاس کے بعد ماؤنٹ بیٹن دلی روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد کسی نے کہا۔

یکے ازحاضرین : جناب والا! کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے چلے جانے کے بعد گورنر ہاؤس سے یونین جیک اتار دیا جائے۔

قائداعظمؒ : (قدرے برہمی کے ساتھ) جھنڈے کو اتارنے کا صحیح وقت غروب آفتاب ہے۔ اس وقت ایسا کرنا ملک معظم کی توہین ہو گی جنہوں نے اس فرمان پر دستخط کئے ہیں جس کی رو سے پاکستان وجود میں آیا ہے۔



بااصول' لیکن شفقت کے ساتھ

یہ واقعہ 1940ء کی قرارداد پاکستان کے بعد کا ہے۔ جب قائداعظمؒ بمبئی میں مالا بار ہلز پر اپنی کوٹھی میں رہتے تھے۔ ان کے سیکرٹری مطلوب الحسن سید کا قیام مالا بار ہلز کے دامن میں ایک فلیٹ میں تھا۔ قائداعظمؒ کی کوٹھی اور مطلوب الحسن سید کے فلیٹ کا درمیانی فاصلہ ایک آدھ میل کے قریب تھا۔ اس راستے پر نہ کوئی بس چلتی تھی اور نہ ہی کوئی ٹیکسی والا کم فاصلے پر وہاں جانے کے لیے تیار ہوتا

تھا۔ اس لیے مطلوب الحسن (قائداعظمؒ کی کوٹھی میں) اپنے دفتر عموماً پیدل ہی جاتے تھے۔ دفتر کا وقت تو نو بجے تھا لیکن وہ اکثر آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک اپنے دفتر پہنچ جایا کرتے تھے۔

ایک روز معمول کے مطابق وہ دفتر جانے کے لیے فلیٹ سے نکلنے لگے تو بارش آگئی۔ بمبئی کی بارشیں جتنی تیزی سے آتی ہیں اور جتنی تیز ہوتی ہیں اتنی تیزی سے گزر بھی جاتی ہیں۔ انہوں نے سوچا کہ تھوڑی دیر کی تو بات ہے جوں ہی بارش رکے گی جلدی سے قدم بڑھا کر وقت پر دفتر پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ وہ بارش رکنے کا انتظار کرنے لگے۔ اتفاق سے اس روز بارش گھنٹہ سوا گھنٹہ ہوتی رہی۔ بارش رکنے پر وہ جلدی سے دفتر روانہ ہوئے۔ لاکھ تیز چلے لیکن جو دیر ہونا تھی وہ تو ہو چکی تھی۔ جب وہ دفتر پہنچے تو تقریباً پونے دس ہو چکے تھے۔ قائداعظمؒ کے مطالعہ کے کمرے سے کوٹھی کا صدر دروازہ نظر آتا تھا۔ انہوں نے مطلوب الحسن سید کو آتے دیکھ لیا۔ انہوں نے ابھی پوری طرح اپنی کرسی سنبھالی بھی نہ تھی کہ قائداعظمؒ ان کے کمرے میں تشریف لے آئے۔

قائداعظمؒ : سید! دیر کیسے ہو گئی؟

مطلوب الحسن : بارش کی وجہ سے بروقت نہ پہنچ سکا۔

قائداعظمؒ : جہاں تک ذمہ داری کا تعلق ہے بارش ہو یا نہ ہو ذمہ داری بہرطور پوری کرنی چاہیے۔ یہ کوئی معقول عذر نہیں کہ بارش کی وجہ سے دیر ہو گئی۔

مطلوب الحسن : جناب! معذرت خواہ ہوں۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہو گی۔

قائداعظمؒ : تو ٹھیک ہے۔

اتفاق سے پندرہ بیس روز کے بعد پھر یہی صورت حال پیش آئی۔ جوں ہی مطلوب الحسن سید دفتر جانے کے لیے تیار ہوئے موسلادھار بارش شروع ہو گئی۔ چونکہ یہ قائد سے وعدہ کر چکے تھے کہ خواہ کچھ ہو جائے آئندہ دفتر پہنچنے میں دیر نہیں ہو گی۔ انہوں نے چھتری اٹھائی اور اسی تیز بارش میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور قائداعظمؒ کی کوٹھی تک پہنچتے پہنچتے بری طرح بھیگ گئے لیکن دل میں خوش اور مطمئن تھے کہ کپڑے بھیگے تو بھیگے دفتر تو وقت پر پہنچ گئے۔ قائد سے کیا ہوا وعدہ تو پورا ہو سکا۔ لیکن اس بار قائداعظمؒ نے پھر اپنے کمرے کی کھڑکی سے انہیں بھیگے ہوئے آتے دیکھ لیا۔ جوں ہی انہوں نے اپنے کمرے میں قدم رکھا اوپر سے قائداعظمؒ آ ئے۔

قائداعظمؒ : سید! یہ کیا حالت ہے؟ تمہارے سارے کپڑے بھیگ گئے ہیں۔

مطلوب الحسن : بارش کی وجہ سے کوئی سواری نہیں ملی۔ بارش تیز تھی اس لیے چھتری سے بھی بچاؤ نہ ہو سکا۔

قائداعظمؒ : احتیاط کرنی چاہیے۔ نمونیہ ہو سکتا ہے۔ میں گاڑی نکلواتا ہوں۔ جاؤ کپڑے بدل کر آؤ۔

11 ستمبر1981ء کے جسارت میں یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے جناب مطلوب الحسن سید لکھتے ہیں :

"کسی فروگذاشت یا غلطی پر تنبیہ کرنے کے بعد قائداعظمؒ اس بازپرس کی وضاحت بھی کرتے تھے۔ فرمایا کرتے "یہ میں تمہاری تربیت کے لیے کر رہا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کی اصول پسندی شفقت سے خالی نہیں تھی۔ بحیثیت رہنما جس چیز نے انہیں دوسروں سے ممتاز کیا وہ ان کی بے لاگ دیانت داری اور انصاف پسندی تھی۔ یہ دیانت داری ایک رہنما کی حیثیت سے صرف مسلمانوں کے حقوق کے سلسلہ ہی میں نہیں تھی بلکہ ایک انسان کی حیثیت سے ان کی طبیعت میں جاری اور ساری تھی۔ اس کا مظاہرہ ہر جگہ ہوتا تھا۔ دوسرے انسانوں کے ساتھ' ملازمین کے ساتھ'رشتہ داروں کے ساتھ' دوستوں کے ساتھ غرض ہر جگہ وہ خلوص' اصول اور دیانت کا مظاہرہ کرتے تھے۔"

قائداعظمؒ کے سیکرٹری مطلوب الحسن سید کے اس بیان کی تائید کہ ان کی اصول پرستی اپنے' غیر' سب کے لیے تھی اور شفقت سے خالی نہیں تھی' اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو قائد اعظمیات کے معروف محقق رضوان احمد نے جسارت ہی میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

"قائداعظمؒ کا ایک ذاتی ملازم وسنت نامی تھا۔ وہ ذات کا اچھوت اور ہند کے فرانسیسی مقبوضہ علاقے ڈیو کا رہنے والا تھا اور کم عمری ہی میں قائد کے ہاں ملازم ہو گیا تھا۔ 65 سال کی عمر میں جب وہ ریٹائر ہوا تو قائد نے اسے اس کے آبائی علاقے میں ایک مکان بنوا کر دیا۔ قائد اس کا اتنا لحاظ کرتے تھے کہ آخر زمانے میں اس کی حیثیت گھر کے ایک بزرگ کی سی ہو گئی تھی۔ وسنت کے سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ بھی تھی کہ وہ قائد کی خدمت کرتے کرتے اتنا سمجھ دار اور ان کا اتنا مزاج شناس ہو گیا تھا کہ باوجود ان پڑھ ہونے کے قائداعظمؒ کی طلب کردہ فائل یا کتاب فوراً" لا کر حاضر کر دیتا۔ قائداعظمؒ کے قریبی ملاقاتی کہا کرتے تھے کہ وسنت ہپناٹائز ہو گیا ہے۔"

--○--

جس کے نام خط' جواب بھی اسی کے ہاتھ سے

ایک شام واجد علی' قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت بھی انہیں مصروف پایا۔

واجد علی : ان دنوں کچھ مصروفیت زیادہ ہے؟

قائداعظمؒ : کیا بتاؤں ڈاک میں اتنے زیادہ خطوط آتے ہیں کہ ان کا جواب دینے میں خاصا وقت صرف ہو جاتا ہے۔

واجد علی : آپ ارشاد فرمائیں تو میں حاضر ہو جایا کروں اور خطوط کا جواب آپ کی ہدایات کے مطابق لکھ دیا کروں۔

قائداعظمؒ : پیش کش کا شکریہ! لیکن تم یہ بات بھول رہے ہو کہ یہ خط جناح کے نام آتے ہیں' کسی اور کے نام نہیں۔

یہ قائداعظمؒ کی انتہا درجے کی اصول پسندی تھی کہ وہ ہر خط لکھنے والے کے اس حق اور اعتماد کا احترام کرنا چاہتے تھے کہ وہ خود اس کا جواب دیں۔



خط کھولنے اور پڑھنے کا فرض

1947ء کے اوائل میں آزادی پاکستان کے مذاکرات آخری مراحل میں داخل ہو چکے تھے۔ قائداعظمؒ کی مصروفیات جو پہلے سے بہت زیادہ تھیں۔ اب ان سیاسی مذاکرات کی وجہ سے ناقابل برداشت حد تک بڑھ چکی تھی۔ اس زمانے میں ایک روز انہوں نے ڈان کے ایڈیٹر الطاف حسین کو بلایا۔

الطاف حسین : آپ نے مجھے یاد فرمایا۔

قائداعظمؒ : جی ہاں' میں نے آج تک آپ سے کوئی چیز لکھنے کے لیے نہیں کہا۔ لیکن آج اس کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔

الطاف حسین : فرمائیے میں حاضر ہوں۔

قائداعظمؒ : میں چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے خط لکھنا کم کر دیں۔ کیونکہ ان دنوں میں ان سب کا جواب دینے سے قاصر ہوں۔ اس سلسلہ میں آپ کچھ کیجئے۔
(خطوط کے انبار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)

یہ ڈھیر صرف آج صبح کی ڈاک سے آئے ہوئے خطوط کا ہے۔ جب کوئی خط میرے پاس آجاتا ہے تو اسے کھولنا اور پڑھنا میرا فرض ہو جاتا ہے۔



مجھے افسوس ہے کہ آپ کا دیا ہوا وقت ختم ہو گیا ہے

کچھ طلباء نے قائداعظمؒ سے اپنے ساتھ تصویر کھنچوانے کی درخواست کی جو انہوں نے منظور کر لی۔ طلباء کو وقت دے دیا گیا اور وہ گورنر جنرل ہاؤس پہنچ گئے۔ لیکن دفتری کارروائی میں کچھ دیر لگی۔ جب وہ اندر پہنچے تو ذرا دیر ہو چکی تھی۔ فوٹوگرافر نے گروپ ترتیب دے لیا تو قائداعظمؒ اندر سے مسکراتے ہوئے تشریف لائے۔ طلبہ بہت خوش ہوئے۔

طلباء : جناب! ہم آپ کے ممنون ہیں۔

قائداعظمؒ : (مسکرا کر گھڑی دیکھتے ہوئے) مجھے افسوس ہے کہ آپ کو دیا ہوا وقت ختم ہو گیا ہے۔

اس واقعہ کے شاہد فوٹوگرافر شیخ حامد محمود لکھتے ہیں کہ یہ کہہ کر قائداعظمؒ الٹے پاؤں واپس چلے گئے۔ وہ ناراض نہیں تھے لیکن طلباء کو ایک سبق ضرور دینا چاہتے تھے۔

(چند یادیں' چند ملاقاتیں)



میرے بچے' آپ صحیح تھے!

ایک دفعہ قائداعظمؒ اسلامیہ کالج کی کسی تقریب میں شرکت کرنے لاہور تشریف لائے اور ممدوٹ ولا میں ٹھہرے۔ چونکہ کالج کے صدر دروازے پر بہت زیادہ ہجوم ہو جانے کا امکان تھا۔ اس لیے پرنسپل نے نواب ممدوٹ کے بھائی ذوالفقار علی خان کو جنہیں قائداعظمؒ کو اسلامیہ کالج کار میں لانا تھا بلوایا اور انہیں سمجھایا کہ ہم صدر دروازے پر ریڈ کارپٹ بچھائیں گے تاکہ عوام کو یہ تاثر دیا جائے کہ قائداعظمؒ کا استقبال یہیں ہو رہا ہے۔ لیکن ان کی گاڑی پورچ میں نہ روکیں بلکہ بلڈنگ کے عقب میں لے آئیں۔ ہم وہیں کھڑے ہوں گے۔ اس پروگرام کے مطابق ذوالفقار' قائد کو لے کر اسلامیہ کالج پہنچے۔ وہاں حسب توقع بے پناہ ہجوم تھا۔ جوں ہی گاڑی پورچ کے قریب پہنچی لوگ یہی سمجھے کہ

گاڑی یہیں رکے گی۔ جم غفیر میں آگے بڑھنے کی لہریں اٹھنے لگیں۔ لیکن یہ رکے نہیں۔ راستہ بناتے ہارن بجاتے آگے بڑھے تو قائداعظمؒ نے ڈانٹ پلائی۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

ذوالفقار چپ رہے۔ چند سیکنڈ کے بعد کار اس جگہ پہنچ گئی جہاں پرنسپل ڈاکٹر ملک عمر حیات اور دوسرے اساتذہ کھڑے تھے۔ قائداعظمؒ معاملہ فوراً سمجھ گئے اور اترتے وقت ذوالفقار کو تھپکی دی اور کہا۔

قائداعظمؒ : میرے بچے! میں معذرت خواہ ہوں۔ آپ صحیح تھے۔



میرے بارے میں چنداں تردد کرنے کی ضرورت نہیں

قیام پاکستان سے چند سال پہلے قائداعظمؒ بذریعہ ہوائی جہاز حیدر آباد تشریف لے جا رہے تھے۔ ناگ پور کے ہوائی اڈہ پر نواب صدیق علی خان سالار مسلم لیگ نیشنل گارڈ نے ان کا خیرمقدم کیا۔ جب قائداعظمؒ باتیں کرتے ہوئے ریفرےشمنٹ روم گئے تو ان کے ساتھ طیارے کے پائلٹ آغا تراب بھی تھے۔

صدیق : سر! سفر کیسا رہا؟

قائداعظمؒ : موسم نہایت خوشگوار تھا۔ کیوں تراب ٹھیک ہے نا؟

آغا تراب : سر! واقعہ یہ ہے کہ دہلی اور گوالیار کے درمیان فضا بہت ابر آلود اور تکلیف دہ تھی۔ لیکن میں نے وہ راستہ اختیار کیا جو صاف تھا۔

قائداعظمؒ : (مسکرا کر) شکریہ تراب۔

صدیق علی : سر! میں بھی اسی جہاز سے حیدر آباد جا رہا ہوں۔

قائداعظمؒ : کیوں، میری وجہ سے؟

صدیق علی خان : مجھے بھی نظام نے دعوت دی ہے۔

قائداعظمؒ : صدیق! صرف میری خاطر تمہیں حیدر آباد جانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ میرے لیے حفاظتی اقدامات کی چنداں حاجت۔

صدیق : آپ کا فرمانا بجا۔ لیکن بحیثیت سالار اعلیٰ میری بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ مجھے مسلم لیگ کے صدر دفتر سے یہی احکامات ملے ہیں۔

(قائداعظمؒ میری نظر میں' ص 30)



کچھ مسلمان سپاہی ملاقات کے متمنی ہیں

30 نومبر 1946ء کو قائداعظمؒ اور لیاقت علی خان وائسرائے لارڈ ویول اور ہند کے دوسرے لیڈروں کے ساتھ برطانوی حکومت سے مذاکرات کے لیے کراچی کے ہوائی اڈہ سے لندن روانہ ہوئے تو راستہ میں جہاز قاہرہ کے ہوائی اڈہ پر آٹھ دس گھنٹوں کے لیے رکا۔ قاہرہ میں مصریوں نے قائداعظمؒ کا پرجوش استقبال کیا۔ اخوان المسلمین کے قائد شیخ حسن البنا کی طرف سے قائداعظمؒ کی خدمت میں ایک مصری قرآن شریف بھی پیش کیاگیا۔ قائداعظمؒ کو درمیانی وقفہ کے لیے قاہرہ کے شیپرڈ ہوٹل میں ٹھہرایا گیا تھا جہاں وہ بیشتر وقت پریس یا ملاقاتیوں سے ملتے رہے یہاں تک کہ رات کا ایک بجنے لگا۔

قائداعظمؒ : (سیکرٹری کے ایچ خورشید سے) کوئی اور ملاقاتی تو نہیں؟

خورشید : سر! قاہرہ میں مقیم کچھ مسلمان سپاہی آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ کافی دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔

قائداعظمؒ : میں ان سے ضرور ملوں گا۔

اس واقعہ کے راوی ممتاز حسن لکھتے ہیں کہ حالانکہ خاصی رات گزر چکی تھی۔ ساڑھے تین بجے پھر ہوائی اڈے پر پہنچنا تھا اور قائداعظمؒ کو آرام بھی کرنا تھا۔ لیکن جب انہوں نے مسلمان سپاہیوں کے بارے میں سنا تو فوراً کمرے سے باہر گئے۔ ان سپاہیوں کو وردی میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک سے فرداً فرداً ہاتھ ملایا۔ ان کا حال احوال پوچھا۔ اطمینان سے انہیں رخصت کر کے کمرے میں آرام کرنے آئے تو ہمیں چھٹی ملی۔ واقعہ یہ ہے کہ خورشید کی اور میری آنکھیں نیند سے بند ہو چکی تحیں۔ مجھے سب سے زیادہ حیرت اس بات کی تھی کہ اس روز قائداعظمؒ نے کم و بیش بیس اکیس گھنٹے کام کیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک دبلے پتلے بظاہر کمزور ستر برس کے آدمی کے لیے یہ کیونکر ممکن ہے۔

(قائداعظمؒ میری نظر میں' ص 101)



تم نے وعدہ خلافی کی ہے

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب 46-1945ء کے صوبائی اور مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے سلسلے میں قائداعظمؒ پشاور تشریف لے گئے تھے اور صوبائی مسلم لیگ کے نوجوان صدر خان فدا محمد خان کے یہاں قیام پذیر تھے۔ چونکہ تحریک پاکستان زور پکڑ چکی تھی اور مسلم لیگ کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ اس لیے بہت سے لوگ مسلم لیگ کے ٹکٹ کے طلبگار ہو گئے تھے جن میں سے مخلص تھوڑے ہی تھے۔ بہرحال قائداعظمؒ ملاقات سب سے کر رہے تھے۔

کئی دن اسی طرح گزر گئے لیکن امیداروں کی قطار اسی طرح لگی رہی تو ایک شام فدا محمد خان کو بلایا۔

قائداعظمؒ : فدا! میں انٹرویوز سے تنگ آچکا ہوں۔ دو ایک دن بعد کہیں چلو جہاں میں تھوڑا سا آرام کر سکوں۔

فدا : سر! میرے والد طورخم میں تعینات ہیں۔ وہاں چلتے ہیں۔

قائداعظمؒ : ہاں! ٹھیک ہے۔ لیکن وہاں کسی کو مدعو نہ کریں۔

فدا : بہت بہتر۔

(طورخم جانے سے ایک روز پہلے قائداعظمؒ نے فدا محمد خان کو پھر بلایا)

قائداعظمؒ : تم نے طورخم جانے کے لیے کسی کو مدعو کیا ہے؟

فدا : جی ہاں۔ دو اصحاب کو دعوت دی ہے۔

قائداعظمؒ : کون؟

فدا : سردار نشتر اور خان عبدالقیوم خان۔ تاکہ یہ آپ سے تبادلہ خیالات کر سکیں۔

قائداعظمؒ : بہرحال تم نے وعدہ خلافی کی ہے۔

فدا محمد خان یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ تمام دن قائداعظمؒ کی خدمت میں اکیلے رہنا ایک بہت بڑی عزت تو تھی لیکن اس میں ایک پہلو ذمہ داری کا بھی تھا۔ مجھے خیال آیا کہ میں نوجوان سیاست کی دنیا میں مقابلتاً" نووارد ہوں۔ تمام دن میں ان سے کیا بات کر سکوں گا۔ اس جذبہ سے ان سینئر حضرات کو اپنے طور پر دعوت دے دی۔ لیکن چونکہ ان کے ارشاد کی خلاف ورزی تھی، انہوں نے ٹوک دیا۔

--○--

ٹھیک ہے' میں تمہاری بات مانتا ہوں

مئی 1948ء میں قائداعظمؒ کو پاکستان ملٹری اکیڈمی کا افتتاح کرنے جانا تھا۔ مقررہ دن سے چند روز پہلے وہ یکایک علیل ہو گئے۔

فرخ امین : سر! اب آپ کی حالت سفر کرنے کی نہیں۔

قائداعظمؒ : نہیں' میں سفر کر سکتا ہوں۔ میرا وہاں جانا ضروری ہے۔ اپنی سرکاری مصروفیات میں تبدیلی سے مجھے کوفت ہوتی ہے۔

فرخ امین : بجا' سر! لیکن آپ کی صحت ہر مصروفیت پر فوقیت رکھتی ہے۔ سارا سٹاف سنجیدگی سے محسوس کرتا ہے اور میں ان سے متفق ہوں کہ آپ ہرگز زحمت نہ کریں۔ ڈاکٹر کا مشورہ بھی یہی ہے۔

قائداعظمؒ : تو پھر میں آپ کی بات مانتا ہوں۔

(قائداعظمؒ کے آخری ایام' فرخ امین' ص 150)



اگر آپ میرا مشورہ قبول کرنا مناسب سمجھیں!

کشمیر میں جہاد جاری تھا کہ ایک غیرملکی صحافی نے قائداعظمؒ کا انٹرویو لیا۔ جس میں مسئلہ کشمیر زیربحث آیا۔ کشمیر کے بارے میں ان کا موقف بے لاگ اور واضح تھا جس کو دو ٹوک لفظوں میں بیان کرتے تھے۔ اس موقع پر قائداعظمؒ کے سیکرٹری ایس ایم یوسف کی ان سے یہ گفتگو ہوئی۔

ایس ایم یوسف : جناب اگر آپ اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔

قائداعظمؒ : جی کہئے۔

یوسف : کشمیر کے مسئلے پر ہمارے وزیراعظم کی بھارتی وزیراعظم سے ملاقات ہونے والی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس موقع پر آپ کے بیان کی اشاعت مذاکرات کے لیے شاید معاون نہ ہو۔

قائداعظمؒ : تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ میں اپنے بیان سے کشمیر کا حوالہ حذف کئے دیتا ہوں۔

ایس ایم یوسف لکھتے ہیں کہ میرا تجربہ تو یہ ہے کہ وہ ہرمدلل بات کو بہت توجہ سے سنتے تھے اور معقول مشورہ کو قبول بھی کر لیتے تھے۔



لکڑی کا فانوس

نفاست اور خوش ذوقی قائداعظمؒ پر ختم تھی۔ جس طرح وہ کسی کا حق نہیں مارتے تھے اسی طرح اپنا حق لینے میں بھی کسی قسم کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ 10 اورنگ زیب روڈ دہلی کی کوٹھی قائداعظمؒ نے دہلی کے ایک سکھ ٹھیکیدار سے خریدی تھی۔ سودا طے پا گیا۔ رجسٹری ہونا ابھی باقی تھی کہ انہیں یکایک واپس بمبئی جانا پڑ گیا۔ جانے سے پہلے انہوں نے حسین ملک کو طلب کیا۔

قائداعظمؒ : آج میں نے آپ کو اپنے ایک خاص کام کے لیے بلوایا ہے۔

حسین : فرمائیے! آپ کے ارشاد کی بجا آوری میرے لیے باعث عزت ہوگی۔

قائداعظمؒ : آپ کو میرے پیچھے اس کوٹھی کی رجسٹری کرانا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی لائبریری میں لکڑی کا ایک فانوس لٹک رہا ہے۔ سودے میں وہ شامل ہے۔ اس کو ہرگز نہ اتارنے دینا۔

اس واقعہ کے راوی حسین ملک لکھتے ہیں کہ واقعی یہ فانوس آرٹ کا ایک نایاب نمونہ تھا۔ اس کو لائبریری سے نہ اتارنے دینے پر اصرار صرف اس کی فنی قدر و قیمت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ان کی شخصیت کی اس خصوصیت کی وجہ سے بھی تھا کہ جس طرح وہ کسی کا حق مارنا نہیں چاہتے تھے، اسی طرح وہ اپنا حق لینے میں کسی قسم کی رعایت برتنے کے قائل بھی نہیں تھے۔



اس غلطی پر ٹوکنے کا شکریہ

تحریک پاکستان کی قیادت سنبھالنے کے بعد قائداعظمؒ اردو میں تقریر کرنے کو ترجیح دیتے تھے لیکن بچپن میں اردو کی تعلیم سے محروم رہنے کی وجہ سے روانی سے اردو بولنے سے قاصر تھے۔ تلفظ بھی ٹکسالی نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنے تمام رفقاء کار کو ہدایت دے رکھی تھی کہ میں جہاں بھی کوئی غلط لفظ بولوں تو مجھے فوراً ٹوک دو۔ خواہ وہ کوئی پرائیویٹ محفل ہو یا جلسہ عام۔ نواب بہادر یار جنگ قائداعظمؒ کی اس ہدایت کی سختی سے تعمیل کرتے تھے۔ چنانچہ اکثر اوقات وہ بھرے جلسہ میں انہیں ٹوک دیا کرتے تھے۔ قائداعظمؒ فوراً اپنے جملے کی اصلاح کرتے اور نواب صاحب کا شکریہ ادا کرتے۔ قائد ملت بھی انہیں اکثر ٹوکتے۔ ان کے سیکرٹری مطلوب الحسن سید کی تو یہ باقاعدہ ڈیوٹی لگی تھی۔ یہ لوگ تو خیر ان کے رفقاء کار تھے لیکن اگر ان کا کوئی ذاتی ملازم بھی انہیں اردو غلط بولنے پر ٹوکتا، خواہ بے

موقع ہی کیوں نہ ہو تو بھی اس کا شکریہ ادا کرتے۔ بمبئی میں قائداعظمؒ کا ایک ڈرائیور تھا۔ محمد حنیف' جس نے کوئی حماقت کی۔ سخت ناراض ہونے کے بعد۔۔۔

قائداعظمؒ : (درشت لہجے میں) گدا۔

حنیف : نو سر' گدا نہیں' گدھا۔

قائداعظمؒ : (ہنس کر) اس غلطی پر ٹوکنے کا شکریہ۔

(چند یادیں چند ملاقاتیں ص 15)



یہاں سے نکلا تو اسے کون رکھے گا

قائداعظمؒ کا ایک ڈرائیور تھا۔ اس کے خلاف شکایات آئیں کہ غیرذمہ دار ہے' اوچھی حرکتیں کرتا ہے' قائداعظمؒ بدکرداری کسی صورت میں برداشت نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے اسے بلایا اور اس کا حساب کر کے اسے چلتا کیا۔ جب اس کو یہ ٹھوکر لگی تو قائداعظمؒ کے پولیٹکل سیکرٹری محمد شریف طوسی کے پاس آیا کہ جناب آپ کچھ کریں۔ میں تو مارا گیا۔ ان کا دل پسیجا اور انہوں نے قائداعظمؒ سے سفارش کی۔

طوسی : سر! ڈرائیور آیا تھا۔ بہت معافی مانگ رہا تھا۔

قائداعظمؒ : مسٹر طوسی! کیا آپ کو اس کی حرکتوں کی خبر نہیں۔

طوسی : ہے سر لیکن اسے زندہ بھی رہنا ہے۔ اگر یہاں سے اس طرح نکالا گیا تو اسے کون رکھے گا۔

قائداعظمؒ : اگر یہ بات ہے تو چٹ لکھ دیتا ہوں کہ اچھا ڈرائیور ہے۔ مگر مشکوک کردار کے آدمی کو میں اپنے عملہ میں نہیں رکھ سکتا۔

(قائداعظمؒ چند یادیں' چند ملاقاتیں ص 20)



کفایت و احتیاط' لفظوں کے استعمال میں بھی

گورنر جنرل کے زمانے میں قائداعظمؒ اکثر شام کو گاڑی میں سیر کے لئے جایا کرتے تھے۔ان کے

اے ڈی سی آفتاب احمد خان گورنر جنرل ہاؤس کی ٹرانسپورٹ کے انچارج بھی تھے۔

قائداعظمؒ : آفتاب! گاڑی میں کیا چیز کم ہے؟

آفتاب : سر! ایک لائٹر اور ایک شیشہ کم ہے۔

قائداعظمؒ : کتنے ہونے چاہئیں؟

آفتاب احمد : دو لائٹر اور ایک شیشہ

قائداعظمؒ : تمہارا جواب یہ ہونا چاہئے تھا کہ دو لائٹروں میں سے ایک لائٹر اور واحد شیشہ کم ہے۔اس صورت میں مجھے دوسرا سوال نہ پوچھنا پڑتا۔

تو گویا قائداعظمؒ لفظوں کے استعمال میں بھی احتیاط اور کفایت کے قائل تھے۔اس مکالمے کو نقل کرنے کے بعد آفتاب احمد خان لکھتے ہیں:

"قائداعظمؒ کے ساتھ کام کرنا خاصا مشکل تھا۔ وہ ہر بات کی تہ تک پہنچنے کے لیے ہم سے ہر طرح کے سوال کرتے رہتے تھے۔ اس لیے ہمیں ہر وقت اور ہر معاملے میں چوکنا رہنا پڑتا تھا کہ پتہ نہیں کس وقت کیا بات پوچھ لی جائے۔ اس کے علاوہ ان کی پابندی وقت کی عادت کی وجہ سے بھی بہت چوکس رہنا پڑتا تھا۔ کیونکہ وہ ہر تقریب میں عین وقت پر پہنچنا چاہتے تھے۔ اس لیے ہمیں لمحے لمحے کا حساب رکھنا پڑتا تھا۔ اسی طرح وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ملاقاتی ضرورت سے زیادہ ان کا انتظار کرے۔ شروع میں جب بعض ملاقاتیوں نے مقررہ وقت سے زیادہ وقت لیا جس سے دوسرے ملاقاتیوں کو زیادہ انتظار کرنا پڑا تو انہوں نے ہمیں مستقل ہدایت کر دی کہ اگر کوئی ملاقاتی اپنے مقررہ وقت سے زیادہ ٹھہرے اور کوئی دوسرا انتظار میں بھی ہو تو اندر آکر بتا دو کہ آپ کا وقت ختم ہو چکا ہے اور دوسرا ملاقاتی انتظار کر رہا ہے۔
بحیثیت اے ڈی سی میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ہے۔ میرا تاثر یہ ہے کہ وہ چھوٹے بڑے ہر ایک کی انا' عزت نفس اور جذبات کے بارے میں حد درجہ حساس تھے۔ دنیا انہیں صرف ایک عظیم سیاست دان کی حیثیت سے جانتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ بحیثیت انسان عظیم تر تھے۔"

(گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان)

آ نہیں رہے' جا رہے ہیں

جس زمانے میں قائداعظمؒ زیارت میں زیرِعلاج تھے۔ تو لیاقت علی خان نے پنڈی سے یو این او کے ملٹری مشن سے ملاقات کرنے کے بعد قائداعظمؒ کے نیول اے ڈی سی لیفٹیننٹ مظہر احمد کو فون کیا۔ میں ہوائی جہاز سے کوئٹہ آرہا ہوں۔ قائداعظمؒ سے پوچھ کر بتائیں کہ آیا یہ مناسب ہو گا کہ میں کوئٹہ پہنچتے ہی موٹر سے زیارت آؤں اور رات ان کے ساتھ ٹھہروں۔ یا پھر کوئٹہ میں رات گزار کر دوسرے روز زیارت آؤں۔ مظہر احمد یہ پیغام لے کر قائداعظمؒ میں حاضر ہوئے۔

مظہر : سر! پنڈی سے پی ایم کا فون آیا ہے کہ وہ ہوائی جہاز سے کوئٹہ آرہے ہیں اور وہ یہ ......

قائداعظمؒ : (ٹوکتے ہوئے) پی ایم کوئٹہ جا رہے ہیں۔

مظہر : پنڈی سے پی ایم کوئٹہ آرہے ہیں اور وہ یہ جاننا ......

قائداعظمؒ : (پھر ٹوکتے ہوئے) پنڈی سے پی ایم کوئٹہ جا رہے ہیں۔

مظہر : (نکتہ سمجھتے ہوئے) معاف کیجئے۔ پنڈی سے پی ایم کوئٹہ جا رہے ہیں اور یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ اسی روز شام ہی کار سے زیارت آجائیں یا رات کوئٹہ میں گزار کر دوسرے دن صبح یہاں آئیں۔

قائداعظمؒ : ان سے کہیں کہ جس میں انہیں آسانی ہو وہ کریں۔ لیکن براہ کرم وہ اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لیفٹیننٹ مظہر احمد لکھتے ہیں:

"قائداعظمؒ کے جواب سے نہ صرف وہ قلبی تعلق ظاہر ہوتا ہے جو انہیں لیاقت علی خان سے تھا کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو غیرضروری طور پر تکلیف پہنچائیں۔ بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لفظوں کے استعمال میں بھی کتنے محتاط تھے اور دوسروں سے اس معاملہ میں بھی احتیاط کی توقع رکھتے تھے۔"

(محمد علی جناح' معمارِ پاکستان' ص 147)



اگر نام مشکل ہے تو رہنے دو

قائداعظمؒ گورنر جنرل ہاؤس کے وسیع لان میں سیر کرتے ہوئے اکثر آفتاب احمد خان سے پودوں اور پھولوں کے نام پوچھ لیا کرتے تھے۔ ایک روز ٹہلتے ٹہلتے وہ ہلکے زرد رنگ کے پھولوں کے ایک پودے کے پاس کھڑے ہو گئے۔

قائداعظمؒ ! : آفتاب اس کا کیا نام ہے؟

آفتاب احمد : (بے ساختگی سے) سر! یہ مشکل سا غیرملکی لاطینی نام ہے جو اس وقت میرے ذہن سے اتر گیا ہے۔

قائداعظمؒ : (مسکرا کر) ٹھیک ہے۔

اس واقعہ کے راوی آفتاب احمد خان لکھتے ہیں کہ بات آئی گئی ہوئی۔ کچھ دنوں کے بعد جب وہ زیارت میں شام کو اسی طرح سیر کر رہے تھے تو ایک خوبصورت جھاڑی نما پودے پر ان کی نظر پڑی۔ اتفاق سے پھر میں ان کے ساتھ تھا۔ فرمایا۔

"آفتاب! اس کا نام کیا ہے؟"

پھر ساتھ ہی کہا

"خیر' اگر اس کا کوئی مشکل سا غیرملکی لاطینی نام ہے تو رہنے دو۔"

یہ ان کی خوش مزاجی اور حس مزاح کی ایک مثال ہے۔ چھوٹی موٹی فروگذاشتوں کو وہ اکثر نظرانداز کر جاتے یا اس طرح کے پُرمزاح فقروں سے ٹال دیتے۔ میں نے دیکھا کہ ان کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ ان کے سٹاف کے لوگ بغیر کسی کھچاؤ ٹینشن کے کام کریں۔ بس ڈھیلا پن' بے اصولی' بے ضابطگی' غیرذمہ داری' یہ چیزیں تھیں جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔



میں تو اپنا راستہ خود نکالتا

1941ء میں قائداعظمؒ کراچی تشریف لائے تو عبداللہ ہارون کے ہاں قیام کیا۔ پھر یکایک طبیعت ناساز ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے مکمل آرام کا مشورہ دیا۔ ملاقاتیوں کو بھی باریاب ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ کراچی مسلم لیگ کے صدر جی الانہ ملاقات کے لیے آئے تو ان کے کام کی اہمیت کے پیش نظر محترمہ فاطمہ جناح نے انہیں پانچ منٹ دیئے۔ بات چیت شروع ہوئی۔ جی الانہ نے انہی دنوں غیرملکی

صحافیوں سے گفتگو کی تھی۔ ان کے سوال و جواب کو پرکھنا شروع کیا اور کئی جگہ اختلاف کیا۔جی الانہ کا اپنا نقطہ نظر تھا۔ انہوں نے ادب ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے دلائل پیش کئے۔ بات طویل ہوتی گئی۔ اس عرصہ میں کئی بار محترمہ فاطمہ جناح اندر آئیں اور جی الانہ سے اشارے سے کہا کہ آپ زیادہ وقت لے رہے ہیں۔ آخر میں قائداعظمؒ نے کہہ دیا میں ٹھیک ہوں۔ یہ گفتگو ضروری ہے۔ مختصر یہ کہ اس طرح تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا تو آخر میں قائداعظمؒ نے فرمایا۔

قائداعظمؒ : نوجوان! سیکھنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ یا تو بزرگوں کی بات مانو کہ ان کا تجربہ اور شعور زیادہ ہوتا ہے۔ یا پھر خود تجربے کرو اور ٹھوکریں کھاؤ اور پھر منزل پاؤ۔

جی الانہ : جناب! اگر گستاخی نہ ہو تو یہ پوچھوں کہ آپ خود میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے۔

قائداعظمؒ : میں تو تجربہ کرتا۔ اپنی راہ خود نکالتا۔

یہ مکالمہ جی الانہ صاحب کے اس انٹرویو پر مبنی ہے جو 23 دسمبر1982ء کو قومی نشریاتی رابطہ پر نشر ہوا۔ اسی انٹرویو میں جی الانہ نے یہ بات زور دے کر کہی کہ قائداعظمؒ اپنی رائے کسی پر تھوپنے کے خلاف تھے۔ ان کا ذہن منطقی تھا۔ اپنی بات دلیل سے سمجھاتے اور دوسروں کے مدلل اختلاف کی قدر کرتے تھے۔

الانہ صاحب نے یہ بھی کہا کہ وہ نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ اس ضمن میں انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ 1940ء میں جب قائداعظمؒ کراچی میں تشریف لائے تو ان کے اعزاز میں سندھ مسلم لیگ کی طرف سے ایک شاندار گارڈن پارٹی کا اہتمام کیا گیا جس میں کراچی کے ہر مذہب اور قومیت کے سربرآوردہ اصحاب کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ قرارداد پاکستان کے پس منظر میں اس پارٹی اور اس کے بعد کی تقریروں کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی۔ قائداعظمؒ کی خدمت میں سپاسنامہ کراچی مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے جی الانہ ہی کو پیش کرنا تھا۔ تقریب سے پہلے قائداعظمؒ نے سپاسنامہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ تاکہ وہ اس کے مندرجات کو اپنی جوابی تقریر میں ملحوظ رکھیں۔ لیکن جب جی الانہ نے انہیں بتایا کہ میں فی البدیہہ تقریر کروں گا تو وہ خوش ہوئے اور کہا ٹھیک ہے میں بھی فی البدیہہ جواب دوں گا۔ یہ بھی ایک مخلص باصلاحیت کارکن کی حوصلہ افزائی ہی تھی۔ ورنہ اصولاً الانہ کو لکھ کر سپاسنامہ پیش کرنا تھا اور پہلے دکھا لینا پروٹوکول کے عین مطابق تھا۔



باب سوم

تبصرے
اور
تاثرات

قومی کردار

این ایم کوتوال کو قائداعظمؒ نے پاکستان بننے سے ذرا پہلے اپنا قانونی مشیر مقرر کیا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد بھی وہ ذاتی حیثیت میں یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ این ایم کوتوال گو مذہبا" پارسی تھے لیکن قائداعظمؒ کو ان پر ان کی صلاحیت اور دیانت کی وجہ سے بڑا اعتماد تھا۔

پاکستان بننے کے بعد کا قصہ ہے۔ این ایم کوتوال قائد کی خدمت میں حاضر تھے اور قومی کردار زیر بحث تھا۔

قائداعظم : جن برائیوں اور خامیوں میں ہماری قوم مبتلا ہے ان میں سے بیشتر کردار کی کمزوری سے پیدا ہو رہی ہیں۔

کوتوال : میرا خیال ہے کہ صحیح قومی کردار کو پیدا ہونے میں مزید بیس سال لگیں گے۔

قائداعظمؒ : نہیں، سو سال۔



کٹا پھٹا پاکستان کیوں؟

حسن علی پی ابراہیم قائداعظمؒ کے معتمد ساتھیوں میں سے تھے۔ ان ہی کے اصرار پر انہوں نے آئی آئی چند ریگر کے بعد صوبہ بمبئی مسلم لیگ کی صدارت قبول کی تھی۔ قیام پاکستان کے فورا" بعد وہ کسی کام سے کراچی آئے تو قائداعظمؒ سے بھی ملے۔ چونکہ جو پاکستان معرض وجود میں آیا تھا وہ قرارداد پاکستان کے پاکستان سے بہت مختلف تھا۔ اس لیے جب گفتگو کا رخ پاکستان کی طرف ہوا تو یہ مکالمہ ہوا۔

حسن : آپ نے یہ ٹوٹا پھوٹا پاکستان کیسے قبول کر لیا؟

قائداعظمؒ : میں نے مجوزہ پاکستان لینے کی پوری کوشش کی۔ مخالفین نے اس کی شدید مخالفت کی اور جب یہ کٹا پھٹا پاکستان لینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تو میں نے تین وجوہ کی بنا پر اسے ہی قبول کر لیا۔

حسن : وہ تین وجوہ کون سی تھیں؟

قائداعظمؒ : سیاست کا انحصار معیشت پر ہوتا ہے۔ جس گروہ کا معاشی زندگی پر کنٹرول ہو گا وہی حکومت کرے گا۔ صورت یہ تھی کہ قیام پاکستان کے وقت بھی ہندو معیشت

پر چھائے ہوئے تھے۔ دوسرے یہ کہ پنجاب اور بنگال میں ہماری اکثریت بہت تھوڑی تھی۔ تیسرے یہ کہ کانگریس چند مسلمان خرید لیتی تو ہماری اکثریت اقلیت میں بدل سکتی تھی۔ اس کے برعکس کوئی ہندو اپنی قوم سے دغا نہیں کرتا۔

قائداعظمؒ سے اپنی اس گفتگو کو حسن علی پی ابراہیم نے اپنے انٹرویو میں بیان کیا ہے۔



اسلامی سوشلزم سے مراد

1941ء میں قائداعظمؒ علی گڑھ یونیورسٹی آئے تو یونیورسٹی یونین کے اراکین ان کے کیبنٹ روم میں ملے۔ یونیورسٹی میں کچھ کمیونسٹ خیالات کے طلباء بھی تھے۔ ان ہی میں سے ایک' کوکب زریں سے قائداعظمؒ کی یہ گفتگو ہوئی۔

کوکب : آپ کے ذہن میں پاکستان کا معاشی ڈھانچہ کیا ہے؟

قائداعظمؒ : وہ اسلامی سوشلزم پر مبنی ہو گا۔

کوکب : آپ سیدھے سوشلزم کی بات کیوں نہیں کرتے۔ ساتھ اسلام کا نام کیوں لیتے ہیں۔

قائداعظمؒ : اسلامی سوشلزم سے میری مراد اسلامک سوشل جسٹس ہے۔

اپنے سامنے کی یہ گفتگو نقل کرنے کے بعد اس وقت کی یونین کی کابینہ کے رکن ہمایوں مرزا لکھتے ہیں :

> "جہاں تک فیوڈل سسٹم کا تعلق ہے' قائداعظمؒ اس کے سخت مخالف تھے۔
> جب لوگ ان سے پوچھتے کہ پاکستان میں انگریز کا جاگیرداری نظام جاری رہے گا تو فرماتے۔
> "فیوڈل سسٹم ایک لعنت ہے۔ زمین اسی کی ہو گی جو اس کو کاشت کرے گا۔"



ہم پاکستان بنا رہے ہیں' وہ حکومت الٰہیہ بنائیں

قیام پاکستان سے قبل مجلس احرار نے حکومت الٰہیہ کا نعرہ بلند کیا تھا۔ اس سلسلہ میں رانا نصراللہ

خان نے قائداعظمؒ سے گفتگو کی۔

رانا نصراللہ : احراریوں نے ایک اور نعرہ بلند کیا ہے جس میں مسلم عوام کے لیے بڑی کشش ہے۔

قائداعظمؒ : وہ کیا؟

رانا نصراللہ : اپنے جلسے اور تقریروں میں کہہ رہے ہیں کہ ہم حکومت الٰہیہ چاہتے ہیں۔ یہ بڑا موثر نعرہ ہے۔

قائداعظمؒ : اس کا توڑ بہت آسان ہے۔ ان سے کہو کہ ہم مسلم لیگی پاکستان بنا رہے ہیں وہ اس میں حکومت الٰہیہ بنائیں بسروچشم!

اس گفتگو کے راوی رانا نصراللہ کہتے ہیں کہ قائداعظمؒ کے اشارے پر سردار شوکت حیات خان نے اپنے جلسوں میں باربار اعلان کیا۔ ہم احرار کی حکومت الٰہیہ کا خیرمقدم کرتے ہیں۔ تاکہ ہم مل جل کر پاکستان بنائیں۔ پھر مل جل کر اس میں حکومت الٰہیہ قائم کریں۔ اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اپنا پروپیگنڈا بند کر دیا۔ جب قائد کو اس صورت حال کا علم ہوا تو فرمایا کہ اگر یہ لوگ اپنے دعوے میں مخلص ہوتے تو ایسا نہ کرتے۔



پاکستان تمام مسلمانوں کا قومی وطن ہو گا

اپریل 1944ء میں قائداعظمؒ یونینسٹ پارٹی کے لیڈر سر خضر حیات خان سے مذاکرات کیلئے لاہور تشریف لائے۔ اس دوران ایک روز ملک برکت علی نے قائداعظمؒ کو اپنے ہاں چائے کی دعوت دی۔ اس موقع پر دوسرے سربرآوردہ اصحاب کے علاوہ ملک اللہ دین بیرسٹر نے بھی قائداعظمؒ سے نیاز حاصل کیا۔

اللہ دین : جناب عالی! اگر پاکستان بن گیا تو اس میں اعوان قوم کی کیا پوزیشن ہو گی؟

قائداعظمؒ : اعوان کیا؟

اللہ دین : اعوان مسلمانوں کی ایک مشہور قوم ہے۔

قائداعظمؒ : پاکستان تمام مسلمانوں کا قومی وطن ہو گا۔

(اقبال کے آخری دو سال' از ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی)



یہاں رہنے والوں کا کیا ہو گا؟

1940ء کی قرارداد پاکستان کے بعد مسلم لیگ کے رضاکار مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اراکین ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔ اور لوگوں کو قرارداد پاکستان سے متعارف کرانے لگے۔ یہ لوگ پھر اپنے کام کی رپورٹ قائداعظمؒ کو دیتے تھے اور اپنے دورے کے مسائل پر ان کی رہنمائی چاہتے تھے۔ ایسے بے شمار کارکنوں میں سے ایک کارکن مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن الہ آباد کے سیکرٹری ابوالخیر بھی تھے۔ وہ اپنے گروپ کی رپورٹ لے کر قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خاص طور پر ایک مسئلہ کا تذکرہ کیا۔

ابوالخیر : سر! لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ پاکستان کیسا ہو گا؟ اقلیتی صوبوں میں آباد تمام مسلمان تو ہجرت نہیں کر سکتے۔ یہاں رہ جانے والوں کا کیا ہو گا۔

قائداعظمؒ : پاکستان بننے کے بعد جو بھی یہاں آئے گا اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہ ہو گی۔ چونکہ یہ ملک ہم اسلام کے نام پر بنا رہے ہیں۔ لیکن جو نہ آسکیں گے ہمارے اوپر ان کی حفاظت کی اخلاقی ذمہ داری ہو گی۔



ایسے میں ہمارا کیا بنے گا؟

اپریل 1942ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس تھا۔ قائداعظمؒ نواب سر محمد یوسف کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ مختلف وفود قائداعظمؒ سے ملنے آتے رہتے تھے۔ چنانچہ مقامی مسلمانوں کا ایک وفد قائداعظمؒ سے ملنے آیا۔

ارکان وفد : ہم پاکستان کے لیے کوشش تو بہت کر رہے ہیں حالانکہ ہمارے علاقے پاکستان کی سرحد سے بہت دور ہوں گے۔ ایسے میں ہمارا کیا بنے گا؟

قائداعظمؒ : اگر پاکستان مستحکم ہو گیا تو آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکے گا۔



میرے پاس کوئی کنسنٹریشن کیمپ نہیں ہے

1946ء میں بیس پچیس مسلمان فوجی وردیوں میں قائداعظمؒ سے نیاز حاصل کرنے کے لیے دس اورنگ زیب روڈ پر حاضر ہوئے۔ ان ملاقاتیوں میں یوسف جبرئیل کے علاوہ ایک بنگالی افسر بھی شامل تھے۔ اپنی شدید مصروفیت کے باوجود قائداعظمؒ نے ان لوگوں کو وردی میں دیکھ کر انہیں کچھ وقت دینا منظور کر لیا اور اپنے قیمتی سگریٹوں سے ان کی تواضع بھی کی۔

یوسف : جناب والا! قوم کو اور ہمیں آپ پر پورا اعتماد ہے۔ اور ہم مکمل طور پر آپ کے ساتھ ہیں۔ اور کوئی قربانی دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔

قائداعظمؒ : میں نے بیس برس تک کانگریس کی خدمت کی ہے۔ میں اس وقت تک کانگریس سے علیحدہ نہ ہوا جب تک مجھے یقین نہیں ہو گیا کہ اکھنڈ بھارت میں مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہیں۔ مجھ پر مسلمانوں نے اعتماد کیا ہے میں انہیں کبھی مایوس نہیں کروں گا۔

میں نے آپ لوگوں کو آزادی کے دروازے پر کھڑا کیا ہے۔ اب آگے آپ کو اختیار رہے' چاہے تو اسے برباد کریں یا آباد کریں۔

میری قوم میں کثرت سے غدار اور پٹھو ہیں۔ میرے پاس کوئی کسنٹریشن کیمپ نہیں کہ میں ان کو وہاں بند کر دوں۔ میری ساری طاقت آپ لوگ ہیں۔ اگر آپ سب میرے ساتھ ہیں تو میں طاقت ور ہوں۔

بنگالی افسر (پرجوش انداز میں) جناب ہم بندوق بھی چلا سکتے ہیں۔

قائداعظمؒ : (متفکر لب و لہجہ میں) سخت ضرورت کے بغیر ہم کبھی تشدد نہیں کریں گے۔

(یوسف جبرئیل' نوائے وقت' 31 دسمبر 1983)



تجربہ نہیں' وفاداری چاہیئے

1941ء میں قائداعظمؒ مخلص مسلم لیگی طلباء کی دعوت پر لاہور تشریف لائے۔ جلسہ ہوا جس میں ہنگامہ کروانے کی کوشش کی گئی' بے وقت اذان دلوائی گئی۔ جلسہ کے خاتمہ پر طلباء نے قائداعظمؒ سے درخواست کی۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن بنا دی جائے۔ چنانچہ فیڈریشن کا قیام عمل میں آیا۔ میاں بشیر احمد کو اس کا صدر مقرر کیا گیا۔ انہیں اس طرح کے کام کا تجربہ نہیں تھا۔

میاں بشیر : جناب! مجھے اس طرح کے کام کا کوئی تجربہ نہیں۔

قائداعظمؒ : تم ہم سے غداری تو نہیں کرو گے؟

میاں بشیر : ہرگز نہیں۔

قائداعظمؒ : مجھے تجربہ نہیں چاہیے۔ ذہانت و فطانت نہیں چاہیے۔ مجھے خلوص چاہیے اور وفاداری۔

(چند یادیں' ص 238)



کم از کم تم قابل اعتماد تو ہو

جولائی 1942ء کو قائداعظمؒ نے میاں بشیر احمد کو آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر نامزد کیا۔ اس وقت وہ سری نگر کشمیر میں تھے۔ انہوں نے وہیں سے شکریے کا خط لکھا۔ لیکن جب نومبر 1942ء میں دہلی میں ان کی خدمت میں باریاب ہوئے تو یہ گفتگو ہوئی۔

میاں بشیر : آپ کا مجھے نامزد کرنا میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ آپ کی سیادت میں کام کرنے سے بڑھ کر اور سعادت کیا ہو گی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی جیسے دقیق ادارے کی رکنیت کا میں اپنے آپ کو اہل نہیں پاتا۔

قائداعظمؒ : کیوں کیا بات ہے؟

میاں بشیر : سر! مجھے اس ذمہ داری کا تجربہ نہیں۔

قائداعظمؒ : کیا تم پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر نہیں رہے ہو؟

میاں بشیر : سر! اس کام کی نوعیت اور تھی۔ یہ کام تو کسی تجربہ کار منجھے ہوئے سیاست دان کا ہے۔

قائداعظمؒ : (چمک کر) کیا تم چاہتے ہو کہ میں لیگ ایسے سیاستدانوں کے سپرد کر دوں جن پر میں اعتماد نہیں کر سکتا۔ تمہیں تجربہ ہو یا نہ ہو۔ کم از کم مجھے یہ تو یقین ہے کہ تم ہمارے نصب العین کے وفادار ہو گے۔ میرے لیے یہ کافی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کرو گے اور اپنے صوبے کی سیاسی

صورت حال سے مجھے باخبر رکھو گے۔

(میاں بشیر احمد' قائداعظمؒ عظمت کی چند جھلکیاں)



جو کل برا تھا' ضروری نہیں کہ ہمیشہ برا رہے

قیام پاکستان کے فوراً بعد کی بات ہے کہ ایک روز "ڈان" اخبار کے ایڈیٹر الطاف حسین قائداعظمؒ سے ملاقات کے لیے آئے۔ باتوں باتوں میں ایک صاحب کا ذکر چھڑ گیا' جن کا تقرر اسی زمانے میں ایک کلیدی اسامی پر کیا گیا تھا۔

الطاف حسین : سر! اس اہم جگہ پر ان صاحب کی تقرری کے میں خلاف ہوں۔

قائداعظمؒ : کیوں؟

الطاف حسین : دنیا جانتی ہے کہ یہ صاحب تحریک پاکستان کے زمانے میں پاکستان کے خلاف تھے۔

قائداعظمؒ : اگر ایک آدمی کبھی ایک برا مسلم رہا ہے (سیاسی معنوں میں) تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ ہمیشہ ایک برا مسلم رہے گا۔

یہ واقعہ الطاف حسین کے حوالے سے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی کتاب "اسلام اور پاکستان کا پس منظر" میں نقل کیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ مزید لکھتے ہیں کہ انتقامی کارروائی تو وہ کیا کرتے۔ قائداعظمؒ نے پاکستان بننے کے بعد عفو و درگزر سے کام لیا۔ اور بہت سے سیاسی مخالفوں کو تائب ہو کر پاکستان کی خدمت کرنے کا موقع دیا۔ اور ان کا یہ رویہ اور اعتماد ضائع نہیں گیا۔

(صفحہ نمبر 137)



ملٹن کا وہ مصرع تمہیں یاد ہے؟

جنوری 1939ء کا واقعہ ہے کہ ایک شام ایک مسلم لیگی کارکن سید عارف شاہ گیلانی قائداعظمؒ کی خدمت میں ان کی ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ کی کوٹھی پر حاضر ہوئے۔

قائداعظمؒ : کیا تم وہی لڑکے نہیں ہو جس کو میں نے کراچی کے ایک کالج کے استقبالیے میں دیکھا تھا۔

عارف شاہ : جی ہاں' میں اس زمانے میں ڈی جے کالج کی یونین کا جنرل سیکرٹری تھا۔ اس شام ہار میں نے ہی آپ کے گلے میں ڈالا تھا۔ اور دوسری صبح شاہانی کا معافی نامہ ڈیلی گزٹ میں آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

قائداعظمؒ : ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ اب کیسے آئے ہو؟

عارف شاہ : سر! میں چاہتا ہوں کہ ملازمت کا جوا اتار کر لیگ میں شامل ہو جاؤں اور ملک کے طول و عرض میں تقریریں کرتا پھروں۔

قائداعظمؒ : اچھا جذبہ ہے' میں خوش ہوں کہ ہمارے نوجوانوں میں اتنا قوی احساس ہے۔ لیکن تم نے ملٹن کی وہ نظم ضرور پڑھی ہو گی جو اس نے اپنی آنکھوں کی بینائی ضائع ہو جانے کے بعد لکھی تھی۔

عارف شاہ : جی ہاں۔

قائداعظمؒ : اور اس کی آخری سطر بھی یاد ہو گی۔

عارف شاہ : جی ہاں! وہ یوں ہے۔

They also serve who only stand and wait.

قائداعظمؒ : ماشاء اللہ' عارف!

تم بھی صبر و تحمل سے کام لو۔ اپنے منصب پر ڈٹے رہو۔ تم محکمہ تعلیم میں رہ کر قوم کی بہت خدمت کر سکتے ہو۔ یاد رکھو' اگر تم نے سال بھر میں ایک بھی غیرلیگی مسلمان کو لیگی بنا دیا تو تم بہت بڑا کام کرو گے۔ میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ تم واپس جاؤ اور دل لگا کر کام کرو۔ تم اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو گے۔

اس واقعہ کو ڈاکٹر عارف شاہ گیلانی نے اپنے مضمون "قائداعظمؒ سے تین یادگار ملاقاتیں" میں بیان کیا ہے۔

(چند یادیں' چند ملاقاتیں' ص 170)



اکبر اس دھن کو بدلوائیے

قیام پاکستان کے بعد جب پہلی بار قائداعظمؒ کی سالگرہ منائی گئی تو اس موقع پر ملیر میں ایک پریڈ کا اہتمام کیا گیا۔ میجر جنرل اکبر خان گیریزن کمانڈر تھے۔ پریڈ کے موقع پر فوجی بینڈ نے مروجہ دھن "گاڈ سیو دی کنگ" بجائی۔ خدا بادشاہ کو سلامت رکھے۔

قائداعظمؒ : یہ تو وہی پرانی دھن ہے۔ یہ تو مناسب نہیں۔

جنرل اکبر : سر!

قائداعظمؒ : اکبر! آپ دس دن کے اندر اندر نئے ترانوں کی دھنیں ترتیب دلوائیے۔

میجر اکبر خان کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد مجیب الرحمٰن شاہ لکھتے ہیں کہ جنرل اکبر نے اس کام کے لیے فوراً صوبیدار میجر مظفر خان کو مامور کیا۔ جنہوں نے بڑی مہارت سے اقبالؒ کے اشعار کی دھنیں تیار کیں۔ ایک ترانے میں ٹیپ کے الفاظ تھے "پاکستان زندہ باد' پاکستان زندہ باد" ایک خصوصی پریڈ میں یہ ترانہ قائداعظمؒ کی خدمت میں پیش کیا جسے انہوں نے پسند فرمایا اور نغمہ کار مظفر خان کو شرف پذیرائی بخشا۔

(قائداعظمؒ چند یادیں چند ملاقاتیں' ص 63)



کیا تم پریشان ہو؟

سردار شوکت حیات خان' ملک خضر حیات خان ٹوانہ کی یونینسٹ وزارت میں وزیر تھے۔ چونکہ وہ کابینہ میں کھل کر مسلم لیگ کے موقف اور پاکستان کی حمایت کرتے تھے' یہ بات یونینسٹ پارٹی کے ہندو اور انگریز آقاؤں کو پسند نہیں آئی۔ اور بالکل لغو اور بے بنیاد الزامات لگا کر انہیں اپریل 1944ء میں وزارت سے برطرف کر دیا گیا۔ یہ وہ دن تھے جب پنجاب اسمبلی کے مسلم لیگی اراکین اور مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کی حیثیت کے سوال پر جناح خضر مذاکرات ناکام ہوئے تھے۔ قائداعظمؒ پنجاب مسلم لیگ کانفرنس میں شرکت کرنے سیالکوٹ جا رہے تھے کہ انہیں پتہ چلا کہ سردار شوکت حیات کو بخار ہو گیا ہے اور وہ بیمار ہیں۔ انہوں نے اپنے پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کی اور شوکت حیات کے گھر عیادت کے لیے جا پہنچے۔

قائداعظمؒ : کیا تم پریشان ہو؟

شوکت حیات : نہیں سر! میں پریشان قطعاً" نہیں ہوں۔ کسی اور وجہ سے مجھے تیز بخار ہو گیا ہے۔

قائداعظمؒ : (بیگم شوکت حیات سے) یاد رکھو! تمہارے شوہر نے قوم کے لیے ایک قربانی دی ہے۔ یہ اکارت نہیں جائے گی۔

یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے سردار شوکت حیات لکھتے ہیں۔

"قائد کے یوں یکایک آجانے سے ہم دونوں کو حیرت آمیز خوشی ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظمؒ کی محبت اور نفرت قوم کے حوالے سے تھی۔ جو قوم کا ہو وہ بھی اس پر جان دیتے تھے۔"

(قائداعظمؒ اپنے معاصرین کی نظر میں، ص 144)



فی الحال سیاست چھوڑ دو

جنوری 1946ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ کی زبردست کامیابی کے بعد جو دراصل قائداعظمؒ کی کامیابی تھی۔ سردار شوکت حیات خان دہلی میں قائداعظمؒ سے ملنے گئے۔

قائداعظمؒ : آج میں تمہیں ایک انوکھا مشورہ دینا چاہتا ہوں۔

شوکت حیات : سر!

قائداعظمؒ : وہ مشورہ یہ ہے کہ فی الحال کچھ عرصہ کے لیے سیاست چھوڑ دو اور کچھ پیسے بناؤ۔

شوکت حیات : (حیرت میں ڈوب کر) سیاست چھوڑ دوں؟ اس وقت جب پاکستان کے لیے جدوجہد اپنے فیصلہ کن مرحلہ میں ہے۔

قائداعظمؒ : میری بات سنو! میں تمہیں اپنے بیٹے کی طرح سمجھتا ہوں، پہلے پیسہ پیدا کر لو، پھر قوم کی خدمت کرنا۔

(قائداعظمؒ اپنے معاصرین کی نظر میں، ص 44)



دو آنے کا چندہ

بیگم جہاں آرا شاہنواز کی ذہین اور فطین بیٹی ممتاز (تازی) شروع شروع میں سوشلسٹ خیالات رکھتی تھی۔ اس لیے اس کا جھکاؤ کانگریس کے سوشلسٹ ونگ کی طرف تھا۔ بیگم جہاں آراء کو اس صورت حال سے پریشانی تھی۔ 1944ء میں کرپس مشن آنے سے ذرا پہلے جہاں آرا شاہنواز نے قائداعظمؒ سے اس مسئلہ پر تبادلہ خیالات کیا تو آخر میں بات یہاں ختم ہوئی۔

جہاں آراء : میں مسلم لیگ کو ایک ہزار روپے چندہ دوں اگر تازی لیگ میں شامل ہو جائے۔

قائداعظمؒ : مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد سے متفق ہو کر وہ رکنیت کا جو دو آنے چندہ دے گی میرے لیے اس کی قیمت آپ کے عطیہ سے زیادہ ہو گی۔

جہاں آرا شاہنواز لکھتی ہیں کہ سر سٹیفورڈ کرپس اور دوسرے ہندو لیڈروں سے مل کر ہندو پرستی پر تازی کا ایمان ٹوٹ پھوٹ گیا۔ وہ خود قائداعظمؒ سے ملنے گئی اور نہ صرف مسلم لیگ میں شامل ہوئی بلکہ دہلی خواتین مسلم لیگ میں جان ڈال دی۔



اگر آپ لوگ مجھ سے زیادہ کام کریں تو یہ میری صحت کے لیے بہتر ہو گا

قائداعظمؒ جب بھی لاہور آتے تو عموماً ممدوٹ ولا میں ٹھہرتے تھے۔ اکثر خواتین کے وفد بھی حاضر خدمت ہوتے۔ تحریک پاکستان کی مشہور کارکن خاتون بیگم سلمیٰ تصدق حسین لکھتی ہیں کہ ایک بار ممدوٹ ولا میں مسلم خواتین کا جو وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا' ان میں ایک معمر سماجی و سیاسی کارکن خاتون بھی تھی۔

خاتون : سر! براہ کرم آپ اپنی صحت کو نظرانداز نہ کیجئے۔ آپ کی صحت ہر چیز سے زیادہ اہم ہے۔ آپ ضرور کوئی ٹانک لیا کیجئے۔

قائداعظمؒ : (تبسم کے ساتھ) آپ کا بے حد شکریہ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ میری صحت خراب نہیں ہے۔ بس یہ ہے کہ مجھے کام بہت زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر آپ مجھ سے زیادہ کام کرنا شروع کر دیں تو وہی میرا ٹانک ہو گا۔



آپ تھوڑا سا انتظار کیجئے

قائداعظمؒ کو اپنے ہی نہیں دوسروں کے وقار کا بھی خیال رہتا تھا۔ 1945ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے بیگم شائستہ اکرام اللہ کو پیسفک ریلیشنز کانفرنس میں شرکت کے لیے نامزد کیا تو انہوں نے قائداعظمؒ سے رجوع کیا۔

شائستہ : سر! تو پھر جاؤں یا نہ جاؤں؟

قائداعظمؒ : میرا تو خیال ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے نامزد ہو کر آپ نہ جائیں تو بہتر ہو گا۔ جانے نہ جانے کے حق میں دلائل میں پہلے دے چکا ہوں۔ انشاء اللہ ایک دن آپ پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت سے جائیں گی اور اس کی ترجمانی کریں گی۔ وہ بات اور ہو گی۔

ڈاکٹر شائستہ اکرام اللہ لکھتی ہیں کہ یہ واقعہ 1945ء کا ہے۔ 1947ء میں پاکستان بننے کے چھ ماہ بعد ہی انہوں نے مجھے یو این او کے پاکستانی وفد میں شامل کیا۔ اس بار میں خرابی صحت کی وجہ سے نہیں جا سکی تو اگلے سال مجھے بھیجا۔ یہ ایک وعدہ تھا۔

قائداعظمؒ عورتوں کے حقوق کے بڑے علمبردار تھے۔ اپنے اسی مضمون میں بیگم شائستہ اکرام اللہ نے 14 ستمبر 1948ء کو کیکسٹن ہال' لندن میں مس اگا تھا ہیریس کی تقریر کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ انیسویں صدی کے اواخر میں جس زمانے میں جناح لندن میں زیر تعلیم تھے' عورتوں کو ووٹ کا حق دلانے کی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔ لیکن ہمدرد اور تعاون کار نہیں ملتے تھے۔ تاہم نوجوان جناح ہمیشہ ہمارے جلسوں میں آتے اور ہماری تحریک کی حمایت میں بولتے تھے۔ اس نوجوانی کے زمانے میں بھی ایک غیرمقبول تحریک کی جس کو وہ صحیح سمجھتے تھے' حمایت کرنے سے وہ نہیں ہچکچائے۔



دو آنے کا چندہ

بیگم جہاں آرا شاہنواز کی ذہین اور فطین بیٹی ممتاز (تازی) شروع شروع میں سوشلسٹ خیالات رکھتی تھی۔ اس لیے اس کا جھکاؤ کانگریس کے سوشلسٹ ونگ کی طرف تھا۔ بیگم جہاں آراء کو اس صورت حال سے پریشانی تھی۔ 1944ء میں کرپس مشن آنے سے ذرا پہلے جہاں آرا شاہنواز نے قائداعظمؒ سے اس مسئلہ پر تبادلہ خیالات کیا تو آخر میں بات یہاں ختم ہوئی۔

جہاں آراء : میں مسلم لیگ کو ایک ہزار روپے چندہ دوں اگر تازی لیگ میں شامل ہو جائے۔

قائداعظمؒ : مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد سے متفق ہو کر وہ رکنیت کا جو دو آنے چندہ دے گی میرے لیے اس کی قیمت آپ کے عطیہ سے زیادہ ہو گی۔

جہاں آرا شاہنواز لکھتی ہیں کہ سر سٹیفورڈ کرپس اور دوسرے ہندو لیڈروں سے مل کر ہندو پرستی پر تازی کا ایمان ٹوٹ پھوٹ گیا۔ وہ خود قائداعظمؒ سے ملنے گئی اور نہ صرف مسلم لیگ میں شامل ہوئی بلکہ دہلی خواتین مسلم لیگ میں جان ڈال دی۔



اگر آپ لوگ مجھ سے زیادہ کام کریں تو یہ میری صحت کے لیے بہتر ہو گا

قائداعظمؒ جب بھی لاہور آتے تو عموماً ممدوٹ ولا میں ٹھہرتے تھے۔ اکثر خواتین کے وفد بھی حاضر خدمت ہوتے۔ تحریک پاکستان کی مشہور کارکن خاتون بیگم سلمیٰ تصدق حسین لکھتی ہیں کہ ایک بار ممدوٹ ولا میں مسلم خواتین کا جو وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا' ان میں ایک معمر سماجی و سیاسی کارکن خاتون بھی تھی۔

خاتون : سر! براہ کرم آپ اپنی صحت کو نظرانداز نہ کیجئے۔ آپ کی صحت ہر چیز سے زیادہ اہم ہے۔ آپ ضرور کوئی ٹانک لیا کیجئے۔

قائداعظمؒ : (تبسم کے ساتھ) آپ کا بے حد شکریہ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ میری صحت خراب نہیں ہے۔ بس یہ ہے کہ مجھے کام بہت زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر آپ مجھ سے زیادہ کام کرنا شروع کر دیں تو وہی میرا ٹانک ہو گا۔



آپ تھوڑا سا انتظار کیجئے

قائداعظمؒ کو اپنے ہی نہیں دوسروں کے وقار کا بھی خیال رہتا تھا۔ 1945ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے بیگم شائستہ اکرام اللہ کو پیسفک ریلیشنز کانفرنس میں شرکت کے لیے نامزد کیا تو انہوں نے قائداعظمؒ سے رجوع کیا۔

شائستہ : سر! تو پھر جاؤں یا نہ جاؤں؟

قائداعظمؒ : میرا تو خیال ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے نامزد ہو کر آپ نہ جائیں تو بہتر ہو گا۔ جانے نہ جانے کے حق میں دلائل میں پہلے دے چکا ہوں۔ انشاء اللہ ایک دن آپ پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت سے جائیں گی اور اس کی ترجمانی کریں گی۔ وہ بات اور ہو گی۔

ڈاکٹر شائستہ اکرام اللہ لکھتی ہیں کہ یہ واقعہ 1945ء کا ہے۔ 1947ء میں پاکستان بننے کے چھ ماہ بعد ہی انہوں نے مجھے یو این او کے پاکستانی وفد میں شامل کیا۔ اس بار میں خرابی صحت کی وجہ سے نہیں جا سکی تو اگلے سال مجھے بھیجا۔ یہ ایک وعدہ تھا۔

قائداعظمؒ عورتوں کے حقوق کے بڑے علمبردار تھے۔ اپنے اسی مضمون میں بیگم شائستہ اکرام اللہ نے 14 ستمبر 1948ء کو کیکسٹن ہال، لندن میں مس اگا تھا ہیریس کی تقریر کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ انیسویں صدی کے اواخر میں جس زمانے میں جناح لندن میں زیر تعلیم تھے، عورتوں کو ووٹ کا حق دلانے کی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔ لیکن ہمدرد اور تعاون کار نہیں ملتے تھے۔ تاہم نوجوان جناح ہمیشہ ہمارے جلسوں میں آتے اور ہماری تحریک کی حمایت میں بولتے تھے۔ اس نوجوانی کے زمانے میں بھی ایک غیرمقبول تحریک کی جس کو وہ صحیح سمجھتے تھے، حمایت کرنے سے وہ نہیں ہچکچائے۔



میری حقیقی مسرت غریبوں کے اخلاص میں ہے

قیام پاکستان سے قبل کا واقعہ ہے' قائداعظمؒ کی مصروفیات میں سیاسی مذاکرات کی وجہ سے بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اہم ملاقاتیوں سے ملنے کے لیے بھی وقت نہیں نکال سکتے تھے کہ ایک روز نواب صاحب چھتاری ملاقات کے لیے آئے۔ قائداعظمؒ نے سخت مصروفیت کا عذر کر کے پھر ملنے کو کہا۔ نواب صاحب نے جب تیسری بار اصرار کیا اور صرف دو منٹ کے لیے کھڑے کھڑے بات کرنے کی اجازت مانگی تو قائداعظمؒ نے انہیں اندر بلا لیا۔ نواب چھتاری نے واقعی دو منٹ کھڑے کھڑے بات کی۔ لیکن چلتے چلتے یہ فقرہ ان کے منہ سے نکل گیا۔

نواب صاحب : مہاراجہ صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ آپ کی مخلصانہ مساعی اور دانش مندانہ قیادت کی بہت تعریف کر رہے تھے۔

قائداعظمؒ : نواب صاحب! آپ تشریف رکھیے۔ میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ ایک دفعہ میں ایک بہت بڑے سیٹھ کے ہاں مہمان تھا۔ صبح کو رخصت ہوتے وقت میں نے حسب دستور اس کے ملازم کو جو میری خدمت پر مامور رہا تھا' انعام کے طور پر ایک معقول رقم دینا چاہی' جو اس بوڑھے ملازم نے واپس کر دی۔ میں نے اس خیال سے کہ بہت بڑے آدمی کا ملازم ہے' شاید یہ رقم اپنی پوزیشن میں کم سمجھتا ہے' رقم کو دوگنا کر دیا۔ ملازم نے پھر رقم واپس کر دی۔ تین چار مرتبہ ایسا ہوا۔ میں ہر دفعہ اضافہ کرتا اور وہ واپس کر دیتا۔ میں حیران تھا کہ کہاں تک بڑھاتا جاؤں۔

آخر میں میں نے اس سے انکار کی وجہ پوچھی تو بوڑھے خدمت گار کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے نہایت موثر اور رقت انگیز لہجے میں کہا۔

"قائداعظمؒ! آپ مجھے روپے دے کر خوش کرنا چاہتے ہیں۔ میرا تو بال بال آپ کے لیے دعا کرتا ہے۔ خدا میری باقی عمر بھی آپ کو بخش دے تاکہ قوم کے لیے جو کچھ آپ کر رہے ہیں' اسے پورا کر سکیں۔ یہ رقم جو آپ مجھے دینا چاہتے ہیں اسی کام میں صرف فرمائیں۔"

نواب صاحب! بڑے بڑے راجے مہاراجے جو میری تعریف کرتے ہیں' مجھے اس سے کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ میں ان کی نیتوں اور اعمال سے خوب واقف ہوں۔ میری حقیقی مسرت غریبوں کے اخلاص میں ہے۔

--○--

آپ کشمیری بھی سیکھئے

1944ء میں قائداعظمؒ کشمیر میں مقیم تھے۔ مسلم کانفرنس جموں و کشمیر کے لیڈر چوہدری غلام عباس ان سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ دوران گفتگو قائداعظمؒ نے فرمایا۔

قائداعظمؒ : چوہدری صاحب! آپ جموں کے ضرور ہیں لیکن مسلم کانفرنس لیڈر کی حیثیت سے آپ کا واسطہ جموں اور کشمیر دونوں علاقوں کے لوگوں سے ہو گا۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد تو وادی کشمیر میں رہتی ہے۔ ان کی مادری زبان کشمیری آپ ضرور سیکھئے۔

غلام عباس : جناب! بوڑھے طوطے بھی کہیں پڑھتے ہیں؟۔ میں چالیس کا ہو چکا ہوں۔ اب اس عمر میں کیا سیکھوں گا؟۔

قائداعظمؒ : عمر سے کیا ہوتا ہے۔ مجھے دیکھئے۔ جب میں ایک ضمنی انتخاب کے سلسلے میں بنگال گیا تو میری عمر 66 برس کی تھی۔ سر عزیزالحق امیدوار تھے۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہاں کے لیڈروں نے کہا:

"آپ تو انگریزی میں تقریر کریں گے اور یہاں کے لوگ اس کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکتے۔ لہٰذا ہو سکے تو آپ اردو میں تقریر کریں۔"

میں نے کہا' ٹھیک ہے۔ اور میں نے اردو میں ہی تقریر کی۔ میری اردو ٹوٹی پھوٹی ضرور تھی۔ لیکن کوشش کر کے میں نے اپنا مافی الضمیر ادا ضرور کر دیا۔ وہ دن اور آج کا دن' جب کبھی ضرورت ہوتی ہے' میں اردو میں ہی تقریر کرتا ہوں۔ اس مشق سے میری اردو بہتر ہی ہوتی ہے۔

میرے مقابلے میں تو آپ نوجوان ہیں۔ آپ کو کشمیری زبان ضرور سیکھنی چاہیئے۔ آپ ہائی کورٹ میں پریکٹس کرتے ہیں جس کا اجلاس چھ ماہ جموں میں اور چھ ماہ کشمیر میں ہوتا ہے۔ آپ تو آسانی سے کشمیری سیکھ سکتے ہیں۔



قومی اداروں میں قومی خدمت کا جذبہ لے کر آنا چاہیئے

اپریل میں پنجاب مسلم لیگ کے معاملات کو سلجھانے کے لیے ایک کمیٹی منتخب کرنے کے لیے اجلاس مسٹر اصفہانی کے یہاں ہو رہا تھا۔ پنجاب مسلم لیگ کے دونوں دھڑوں کے لیڈر ملک برکت علی اور سر سکندر حیات موجود تھے۔ قائداعظمؒ میٹنگ کی صدارت کر رہے تھے۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کی

رکنیت پر سرسکندر نے اعتراض کیا۔ ڈاکٹر بٹالوی نے اس کا سختی سے جواب دیا۔ بحث ختم کرنے کے بعد قائداعظمؒ نے سرسکندر کے ہاتھ سے کاغذ لیا اور ڈاکٹر بٹالوی کے نام کے آگے نشان لگا کر کہا۔

قائداعظمؒ : تم کو آرگنائزنگ کمیٹی کا رکن بنا دیا گیا ہے۔

بٹالوی : (قدرے تیزی سے) میں اپنی رکنیت اہلیت کی بناء پر مانگتا ہوں۔ خیرات کے طور پر لینا مجھے منظور نہیں۔

قائداعظمؒ : (ڈانٹ کر) قومی اداروں میں ایثار و قربانی کا جذبہ لے کر آنا چاہیئے۔ خیرات مانگنا یا سودے بازی کرنا نہایت مذموم فعل ہے۔ ایسے الفاظ ہرگز استعمال نہ کرو۔



کبھی قربانی کے بغیر بھی کچھ حاصل ہوا ہے؟

مسلم لیگ کی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی برانچ نے مارچ 1944ء میں قائداعظمؒ کے اعزاز میں ایک پارٹی کا اہتمام کیا۔ برانچ کے بیشتر عہدے دار بھی علی گڑھ کے طلباء ہی تھے۔ قائداعظمؒ اس تنظیم کو پیار سے لیگ کا بچہ کہتے تھے اور اس کے کام سے بہت خوش تھے۔ طلباء اساتذہ کی نگرانی میں تحریک پاکستان کو آگے بڑھانے میں سرگرم تھے۔ ان اساتذہ میں سے ایک جمیل الدین احمد بھی تھے جو اس تنظیم سے وابستہ تھے۔ اس موقع پر ان سے تقریر کرنے کے کو کہا گیا۔

جمیل الدین : (دوران تقریر) 1937ء کی کمزور' بے یارومددگار مسلم لیگ کو یاد کیجئے اور آج وہی لیگ قومی امنگوں کا مرکز کتنی طاقت ور بن چکی ہے۔ لیکن بڑے دکھ سے وہ دن بھی یاد آتے ہیں۔ جب لیگ کے کارکنوں کو بے توجہی' لاتعلقی' حوصلہ شکنی' ڈرانے دھکانے اور دبانے کا سامنا تھا اور یہ سب کچھ ایک ایسے ادارہ میں ہو رہا تھا جس کے نام میں "مسلم" کا لفظ بھی شامل تھا۔ طلباء نے ان مشکلات کا سامنا کرنے اور مصائب کو جھیلنے میں جس حوصلہ اور عزم اور ہمت کا ثبوت دیا وہ یقیناً قابل تعریف ہے۔ جب سے تحریک شروع ہوئی اس تمام عرصہ میں صرف ایک آواز جس نے ہمیشہ سہارا دیا ہے اور ہمیں کبھی مایوس نہیں کیا' وہ قائداعظمؒ کی ذات تھی۔

قائداعظمؒ : (اپنی جوابی تقریر میں) شروع شروع میں علی گڑھ میں بھی آپ لوگوں کو جن مشکلات و مسائل کا سامنا کرنا پڑا' میں ان سے بے خبر نہیں ہوں۔ میں آپ سے

پوچھتا ہوں کہ کیا کبھی کسی قوم نے مصائب جھیلے اور قربانی دیئے بغیر بھی کچھ حاصل کیا ہے؟ ماضی میں جن تکلیف دہ مرحلوں سے آپ لوگ گزرے ہیں ان کو یاد کر کے افسردہ ہونے سے کیا حاصل۔ یہ بھی تو دیکھئے کہ آپ ہی سب لوگوں کی کاوشوں اور کوششوں سے کتنے تھوڑے عرصہ میں مسلمان ایک متحد' منظم اور مستحکم قوت بن کر ابھرے ہیں۔ کیا یہ حقیقت قابل فخر اور قابل اطمینان نہیں کہ آج کی قوم بحیثیت مجموعی اپنے عظیم مقصد کے حصول کے لیے پہلے سے بہت زیادہ تیار ہے۔ آپ کی محنتوں کا اس سے بہتر صلہ کیا ہو سکتا ہے؟

ہمیشہ آگے دیکھئے امید و عزم کے ساتھ۔ اور کبھی کسی حالت میں بھی مایوسی کا شکار نہ ہو جایئے۔

قائداعظمؒ نے جس اعتماد سے یہ نصیحت کی تھی' طلباء اور نوجوان ان توقعات پر پورا اترے۔ 1945-46ء کے تاریخ ساز انتخابات میں مسلم طلباء نے اپنا کردار جس طرح ادا کیا' وہ اب تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ قائداعظمؒ نے اپنی فراست سے نوجوانوں پر جو اعتماد کیا تھا' وہ صحیح ثابت ہوا۔



میں اپنی قوم کو بہتر طور پر جانتا ہوں

قیام پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے قائداعظمؒ حیدر آباد تشریف لے گئے۔ ان دنوں حیدر آباد کے وزیر مالیات زاہد حسین تھے۔ اور چیف ٹیکنیکل اینڈ انڈسٹریل ایڈوائزر ایک نہایت ہی لائق فائق اور جہاندیدہ شخص تھے۔ وہ کم از کم 28 سال تک امریکہ میں رہ چکے تھے۔ صنعتی منصوبہ بندی اور صنعتوں کے قیام کے بارے میں ان کا تجربہ بہت زیادہ تھا۔ حکومت حیدر آباد میں انہوں نے زاہد حسین اور غلام محمد کے اصرار پر تین سال کے معاہدہ پر یہ عہدہ قبول کر لیا تھا۔ جب قائداعظمؒ سے ان کا تعارف کرایا گیا تو یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : زاہد حسین صاحب نے آپ کی صلاحیتوں کی بڑی تعریف کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ پاکستان بنتے ہی وہاں آجائیں اور صنعتوں کی منصوبہ بندی اور ان کے قیام میں ہماری مدد کریں۔

چیف ایڈوائزر : مگر اس کے لیے بڑا سرمایہ چاہیے۔ وہ کہاں سے آئے گا؟

قائداعظمؒ : یہ بات آپ زاہد حسین اور غلام محمد سے پوچھیئے۔

چیف ایڈوائزر : اس کے لیے بڑے ایثار کی ضرورت ہو گی۔ سیاسی معاملات میں تو لوگ جوش کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن معاشی معاملات میں پیٹ پر پتھر باندھنے کے لیے مشکل ہی سے تیار ہوتے ہیں۔

قائداعظمؒ : میں اپنی قوم کو بہتر طور پر جانتا ہوں۔ آپ سرمایہ کی فکر نہ کریں۔ یہ کام ہم پر چھوڑ دیں۔

اس واقعہ کے راوی سید بادشاہ حسین "قائداعظمؒ چند یادیں چند ملاقاتیں" میں لکھتے ہیں کہ جب چیف ایڈوائزر صاحب نے پاکستانی قوم کی سرمایہ کی صلاحیت پر چوٹ کی تو قائداعظمؒ کے چہرے پر ناراضی کے آثار ظاہر ہوئے اور فضا قدرے مکدر ہو گئی۔ وہ پاکستانی قوم کے خلاف کوئی بات سننے پر تیار نہ تھے۔ انہیں اپنی قوم پر اور اس کے مستقبل پر پورا اعتماد تھا۔



پھر یہ ذمہ داری بھی قبول کیجئے

1947ء کے اواخر کی بات ہے' قائداعظمؒ کی صدارت میں کابینہ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ وزیراعظم لیاقت علی خان اور وزیر خارجہ سرظفراللہ خان بھی موجود تھے۔ کسی اہم مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی۔

قائداعظمؒ : اگر کسی معاملے میں میرے اور آپ کے درمیان اتفاق رائے نہ ہو سکے تو کیا کرنا چاہیئے۔

ارکان کابینہ : آپ ہی بتائیں کہ کیا کرنا چاہیئے؟

قائداعظمؒ : اگر آپ لوگ اپنی بات کو صحیح سمجھتے ہوں تو اس کی آپ کو ذمہ داری قبول کرنا ہو گی۔ اور اس کا برملا اعتراف کرنا ہو گا کہ فلاں فیصلہ آپ کا ہے۔

اس گفتگو کے راوی سر ظفراللہ خان لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ ہر قول و فعل کی ذمہ داری قبول کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔



تخریبی تنقید کو برداشت کرنا سیکھو

پاکستان بننے سے کچھ عرصہ پہلے کا واقعہ ہے کہ لیگ کی پرجوش حمایت کرنے کی وجہ سے ایک

کانگریسی اخبار "ہندوستان ٹائمز" نے بیگم شائستہ اکرام اللہ کے خلاف ایک سخت مضمون چھاپا۔ اس کو پڑھ کر وہ بے حد پریشان ہوئیں اور دل برداشتہ ہو کر قائداعظمؒ کے پاس پہنچیں۔

بیگم اکرام اللہ : سر! ہندوستان ٹائمز نے بڑی ذلالت کی ہے۔ میرے خلاف آج کے اخبار میں بڑا زہر اگلا ہے۔

قائداعظمؒ : (پرسکون لب و لہجہ میں) جب آپ نے سیاست میں قدم رکھا ہے تو اس طرح کی تنقید کے لیے آپ کو تیار رہنا چاہیئے۔ اس طرح کی تنقید کی توقع بھی آپ کو رکھنی چاہیئے۔ یہ تنقید بالواسطہ طور پر اس امر کا بھی ثبوت ہے کہ آپ کا کام کچھ کارگر ہو رہا ہے۔ تبھی تو دشمن نے بھی اس کا نوٹس لیا ہے (ہندوستان ٹائمز کے متذکرہ پرچے کو ایک نظر دیکھ کر اور بہت احتیاط سے تہ کرنے کے بعد) ہر روز ہندو اخبارات اس سے بدتر چیزیں میرے خلاف لکھتے ہیں۔ اگر میں اپنے آپ کو اس سے اتنا متاثر ہونے دوں تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے اپنے آپ کو متاثر نہ ہونے دیجئے۔ ابھی آپ کو بہت کچھ کرنا ہے۔

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد ڈاکٹر شائستہ اکرام اللہ لکھتی ہیں کہ ان کا یہ ردعمل صرف مجھ ہی سے متعلق توہین آمیز تنقید پر نہیں تھا۔ ایک بار ایک محفل میں جب کسی نے قائداعظمؒ پر ایک ذاتی حملہ کیا تو میں بھڑک اٹھی اور کافی ہنگامہ کیا۔ جب دوسرے روز میں نے اس حادثہ کا ذکر قائداعظمؒ سے کیا تو انہوں نے بغیر کسی جذباتی تاثر کے صرف اتنا کہا:

"اتنی چھوٹی سی بات کے لیے آپ نے اپنے آپ کو ناحق پریشان کیا۔"



روشن دماغ فوجی افسروں کی ضرورت

ایک مرتبہ قائداعظمؒ بھوپال تشریف لے گئے۔ ایک اونچے مسلم لیگی کارکن نے ان کی دعوت کا اہتمام اپنے سسرال میں کیا۔ میزبان کے ایک صاحبزادے فوج میں کیپٹن تھے۔ اتفاق سے وہ چھٹی پر آئے ہوئے تھے۔ کھانے کے بعد کی گفتگو کے دوران ان صاحب نے یہ بات شروع کی۔

کیپٹن : سر! فوج میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پاکستان معاشی اعتبار سے خودکفیل نہیں ہو گا۔

قائداعظمؒ : آپ کی کیا رائے ہے؟

کیپٹن : سر! معاشی اعتبار سے یہ بالکل قابل عمل ہو گا۔

قائداعظمؒ : کیسے؟

کیپٹن : اس لیے کہ آپ ایسا کہتے ہیں۔

قائداعظمؒ : دوسروں کی سوچ پر انحصار نہ کریں۔ جو آپ خود سوچتے ہیں وہ کہیں۔

کیپٹن : سر! میں سپاہی ہوں۔ میرا کام اپنے کمانڈر کے حکم کی تعمیل ہے۔ آپ میرے کمانڈر ہیں۔ آپ کا فرمان میرے سر آنکھوں پر۔

قائداعظمؒ : اگر آپ میری فوج میں ہوں تو میں فوج سے نکال دوں۔ جو شخص اپنے دماغ سے سوچتا ہی نہ ہو' اسے فوج میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔



فوج کے لیے سب سے اہم چیز

اپریل 1948ء میں قائداعظمؒ 15 پنجاب رجمنٹ کو پرچم عطا کرنے پشاور تشریف لائے اور بریگیڈ آفیسر میس میں انہوں نے ان ہتھیاروں کی نمائش بھی دیکھی جو دوسری جنگ عظیم کے دوران اس رجمنٹ نے جرمنوں سے چھینے تھے۔ انہوں نے ہتھیاروں کی سائنس اور تکنیک اور تاریخ میں بہت دلچسپی لی۔ بریگیڈ کے افسروں سے وہ جرمن اور برٹش آرمی کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کرتے رہے۔ ان افسروں میں ایک افسر لیفٹننٹ کرنل بعد کو (لیفٹننٹ جنرل) بختیار رانا بھی تھے۔ ان سے قائداعظمؒ کی یہ گفتگو ہوئی۔

بختیار رانا : فوج کے لیے سب سے اہم چیز کونسی ہے؟

قائداعظمؒ : سب سے اہم آرمی کا ڈسپلن ہے۔ جس فوج میں نظم و ضبط ہو گا وہ ہمیشہ کامیاب رہے گی۔ ہمارے ملک میں بہترین لڑاکا افرادی قوت موجود ہے۔ اگر اس کی تربیت بہتر انداز میں کی جائے اور اسے منظم رکھا جائے تو اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا۔

جس قوم میں ڈسپلن نہ ہو وہ کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ ہر شعبہ زندگی میں ڈسپلن انتہائی ضروری چیز ہے۔



فوج کے مفاد سے دلچسپی

لیفٹیننٹ جنرل بختیار رانا کو 1936ء میں انڈین آرمی کمیشن ملا تھا۔ اس وقت انڈین اور برٹش آفیسرز کی تنخواہ اور مراعات میں خاصا تفاوت تھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے لکھنؤ میں راجہ صاحب محمود آباد کے توسل سے قائداعظمؒ سے ملاقات کی۔

قائداعظمؒ : آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں؟

بختیار رانا : میں نے حال ہی میں انڈین آرمی میں کمیشن لیا ہے۔ میں اس ناانصافی کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں جو برطانوی حکومت انڈین آرمی کے انڈین افسروں کے ساتھ روا رکھ رہی ہے۔

قائداعظمؒ : مثلاً کیا؟

بختیار رانا : انڈین آرمی کے برٹش افسروں کو بنیادی تنخواہ کے علاوہ انڈین آرمی الاؤنس بھی ملتا ہے۔ جبکہ ہندوستانی افسروں کو صرف تین سو روپے تنخواہ ملتی ہے جو انگریز افسروں سے بہت کم ہے۔ ہمیں مکان کا کرایہ بھی نہیں ملتا۔ دوسری اضافی مراعات بھی بہت کم ہیں۔

قائداعظمؒ : تو آپ کیا چاہتے ہیں؟

بختیار رانا : ہماری بنیادی تنخواہ کم از کم برٹش آفیسرز کے برابر ہونی چاہیے۔

قائداعظمؒ : ٹھیک ہے۔ اچھا یہ بتایئے کہ آرمی میں ہندوستانیوں کے ساتھ سلوک کیسا کیا جاتا ہے؟

جنرل ریٹائرڈ بختیار رانا لکھتے ہیں کہ میری گزارشات کی روشنی میں انہوں نے مرکزی قانون ساز اسمبلی میں انڈین آرمی آفیسرز کی تنخواہ اور مراعات کا سوال اٹھایا اور ہمیں ہمارے حقوق دلوائے۔



جنگی سازوسامان اور قوت ایمانی

اپریل 1948ء میں قائداعظمؒ پشاور گئے۔ 14 پنجاب کی دوسری بٹالین کو قائداعظمؒ کے سامنے گورنر ہاؤس میں گارڈ آف آنر پیش کرنا تھا۔ وقت مقررہ سے پانچ منٹ پہلے پریڈ کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل سرفراز خان نے قائداعظمؒ کو گورنر ہاؤس جا کر سلیوٹ کیا اور ان سے گارڈ آف آنر کے چبوترے کی طرف

چلنے کی درخواست کی۔ پھر یہ گفتگو ہوئی۔

کرنل سرفراز : پاکستان کا وجود آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے۔

قائداعظمؒ : آپ کا شکریہ! ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ مسلمانوں کی قوت ایمانی کا رہین منت ہے۔ اس کی حفاظت کرنا اب آپ لوگوں کا کام ہے۔

کرنل سرفراز ہمت و حوصلے میں ہم کسی سے کم نہیں۔ بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ پاکستانی سپاہی دنیا کا بہترین سپاہی ہے۔ لیکن جنگی سازوسامان کے لحاظ سے ہم کمزور ہیں۔

قائداعظمؒ : (قدرے چونک کر) میں آپ کو یہ بات بتاؤں کہ جنگی سازوسامان اور افرادی قوت اہم چیزیں نہیں۔ حقیقتاً" جو چیز اہم ہے وہ قوت ایمانی ہے۔ اگر آپ میں قوت ایمانی ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کی تسخیر نہیں کر سکتی۔

لیفٹنٹ کرنل سرفراز خان (جو بعد کو میجر جنرل ہو کر ریٹائر ہوئے) لکھتے ہیں کہ یہ آخری جملہ۔ " دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کو تسخیر نہیں کر سکتی۔" قائداعظمؒ نے تین بار دہرایا۔



تعلیم کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنایئے

پاکستان بننے کے کچھ دنوں بعد کا واقعہ ہے کہ وزیراعظمؒ لیاقت علی خان کے ہاں ایک بڑی دعوت میں قائداعظمؒ مہمان خصوصی تھے۔ ڈاکٹر عمر حیات ملک وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی' ڈھاکہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمود حسین اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی بھی مدعوئین میں شامل تھے اور ایک طرف کو کھڑے کچھ تبادلہ خیال کر رہے تھے کہ قائداعظمؒ میزبان لیاقت علی خان کے ساتھ مہمانوں سے علیک سلیک کرتے ان کی طرف آ گئے۔

قائداعظمؒ : (تبسم کے ساتھ) ہم مشرب جمع ہیں۔

ڈاکٹر اشتیاق : جی ہاں! تعلیم ہمارا موضوع ہے۔

قائداعظمؒ : آپ لوگوں کو چاہئے کہ پاکستان میں تعلیم کو اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر لے جانے کی کوشش کریں اور حکومت کا فرض ہے کہ آپ کی ہر طرح اعانت کرے۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی قائداعظمؒ کا یہ قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کو تعلیم سے بہت دلچسپی تھی اور انہوں نے ہمیشہ اس امر پر زور دیا کہ تعلیم کے بغیر مسلمان کوئی ترقی نہیں کر سکتے۔اس مضمون میں آگے چل کر ڈاکٹر قریشی نے یہ بھی لکھا کہ ایک مرتبہ جب دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا' قائداعظمؒ نے ظہرانے پر کچھ لوگوں کو دعوت دی جن میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور خان عبدالغفار خان بھی شامل تھے۔ میز پر قائداعظمؒ سب کے ساتھ بہت سے سیاسی امور پر بحث فرماتے رہے۔کھانے کے بعد انہوں نے خان عبدالغفار خان سے تخلیہ میں کافی دیر تک گفتگو کی۔ مس فاطمہ جناح نے بھی ان سے تبادلہ خیالات کیا۔ لیکن افسوس ہے کہ خان موصوف نے اپنا رویہ نہیں بدلا۔

(قائداعظمؒ میری نظر میں' ص 33)



کیا مغربی طرز کی جمہوریت پر تمہارا ایمان ہے؟

مغربی طرز کے جمہوری نظام کے تحت اپنی اکثریت کے بل پر کانگریسی وزارتوں نے 39-1938ء میں اقلیتوں' خاص طور پر مسلمانوں کی تہذیبی روایتوں کو جس طرح اپنی چیرہ دستیوں کا نشانہ بنایا تھا۔ اس سے قائداعظمؒ بہت بددل تھے۔ اس پس منظر میں اس زمانے میں بیگم جہاں آرا شاہنواز سے قائداعظمؒ کی یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : کیا آپ مغربی جمہوریت پر ایمان رکھتی ہیں۔

جہاں آرا : نہیں۔ مجھے ایمان نہیں۔

قائداعظمؒ : نہ ہی مجھے ہے۔

(قائداعظمؒ اور مسلم خواتین)



میں نہرو سے بڑھ کر آزادی کی جنگ میں شریک ہوں

جولائی 1937ء میں قائداعظمؒ آل انڈیا سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے لکھنؤ آئے ہوئے تھے اور راجہ صاحب سلیم آباد کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ لکھنؤ یونیورسٹی کے چند مسلمان اور ہندو طلباء عاصم ملک' انور جمال' پریم ناتھ بھارگو اور بلرام سنگھ سری ڈستوا ان سے ملنے

سلیم پور ہاؤس گئے۔ یہ طلباء کانگریسی خیالات کے تھے۔

عاصم ملک : نہرو کا کلکتہ کا وہ حالیہ بیان آپ کی نظر سے گزرا ہو گا کہ ہزاروں جناح مل کر بھی ملک کی ترقی کو نہیں روک سکتے۔

بھارگو : کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ دونوں مل کر برطانوی سامراج کے خلاف لڑیں۔ آخر آپ یہ اختلافات دور کیوں نہیں کر لیتے۔

قائداعظمؒ : میں جواہر لال نہرو سے بڑھ کر آزادی کی جنگ میں شریک ہوں۔ ان کے پاس جیل یاترا کے سرٹیفکیٹ ہوں گے۔ لیکن سامراج کے خلاف جنگ کے لیے میں یہ ضروری نہیں سمجھتا۔

اس نکتے کی مزید وضاحت انہوں نے دوسرے روز فیڈریشن کے اجلاس میں اپنی افتتاحی تقریر میں کی:

"میں جواہر لال نہرو سے آزادی کی جنگ میں آگے ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ میں جذباتی نہیں ہوں۔ میرا موقف یہ ہے کہ انگریزوں کے یہاں سے چلے جانے سے پہلے نو کروڑ مسلمانوں کے حقوق بحال کرا لوں۔ مسلمان ایک اقلیت نہیں ایک قوم ہیں۔ یہ میں اس لیے چاہتا ہوں کہ ہندو تاریخ شاہد ہے کہ ہندو جب بھی حکمران ہوئے انہوں نے کبھی وسعت نظری کا ثبوت نہیں دیا اور دوسروں کو اچھوت بنا کے رکھ دیا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ آج بھی سات کروڑ اچھوت یہاں موجود ہیں۔ میں مسلمانوں کو کسی صورت اچھوت نہیں دیکھنا چاہتا۔ وہ ایک الگ قوم ہیں۔"

اس واقعہ کے راوی عاصم ملک ایڈووکیٹ مزید لکھتے ہیں کہ یہ قائداعظمؒ ہی کا ظرف تھا کہ انہوں نے نیشنلسٹ مسلم طلباء اور کانگریسی ہندو طلباء کے اشتعال انگیز سوالات کا سامنا بڑے تحمل سے کیا اور یہ ان کی عظمت تھی کہ ہندو اور نیشنلسٹ طلباء سے بھری ہوئی یونیورسٹی میں مسلم نکتہ کو واشگاف الفاظ میں پیش کیا۔



ہندو کی ذہنیت

1946ء کی عبوری حکومت کے دور کا واقعہ ہے' لیاقت علی خان بجٹ تیار کر کے قائداعظمؒ کے پاس گئے تو قائداعظمؒ پیڈسٹل لیمپ کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے قائد کو بجٹ سنانا شروع کیا۔ جب ٹیکس کی مدوں کا تذکرہ آیا تو رک گئے اور کہا۔

لیاقت علی : اس کے ذریعے ہم ہندو سرمایہ دار کو ضرب لگانا چاہتے ہیں۔

قائداعظمؒ : لیاقت ! آپ نے ہندو کا ذہن نہیں پڑھا۔ شرح ٹیکس تین گنا کرو، تب ہندو اس شرح پر راضی ہو گا۔ جو آپ مجھے بتا رہے ہیں۔



ہمارا مطالبہ برحق ہے

جولائی 1945ء کی شملہ کانفرنس میں وائسرائے وقت لارڈ ویول نے سرتوڑ کوشش کی کہ مسلم لیگ وائسرائے کاؤنسل میں ساری مسلم نشستیں لینے پر اصرار نہ کرے۔ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے بعض اراکین کا بھی خیال تھا کہ اس نکتہ پر مفاہمت کر لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ انہوں نے لیاقت علی خان سے تذکرہ کیا کہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اگر آپ شدت سے محسوس کرتے ہیں تو آپ خود قائداعظمؒ سے بات کیوں نہیں کر لیتے۔ چنانچہ ان لوگوں کی طرف سے میاں بشیر احمد نے ملاقات کی۔

بشیراحمد : سر! وائسرائے کی کاؤنسل میں مسلمانوں کی نمائندگی کے مسئلہ پر ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس نکتہ پر کچھ مفاہمت کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

قائداعظمؒ : آپ کی دلیل کیا ہے؟

بشیراحمد : ابھی مسلم لیگ اتنی مضبوط نہیں ہوئی کہ ہم سارے مسلم نمائندوں کی نامزدگی کے اختیار پر حق جتا سکیں۔

قائداعظمؒ : (شانے تھپتھپاتے ہوئے) میرے بچے ! گھبراؤ نہیں۔ ہمارا مطالبہ برحق ہے، ہمیں اس پر جما رہنا چاہیے۔

یہ گفتگو نقل کرنے کے بعد میاں بشیر احمد لکھتے ہیں کہ اس وقت قائداعظمؒ کا نقطہ نظر سخت معلوم ہوتا تھا۔ لیکن کچھ ماہ بعد ہی جنوری 1946ء کے ملک گیر انتخابات کے نتائج نے ثابت کر دیا کہ قائداعظمؒ کا موقف صائب تھا۔

(قائداعظمؒ معاصرین کی نظر میں، ص 26)



آپ چاہتے ہیں کہ میں قلم پھینک دوں

فروری 1936ء میں قائداعظمؒ مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں لاہور تشریف لائے تو سیاسی مصروفیات بھی تھیں۔ پنجاب یونیورسٹی کے طلباء نے انہیں سینٹ ہال میں ڈنر کے بعد کافی کی دعوت دی۔ دعوت میں پنجاب کے وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ گوکل چند نارنگ سے اس دعوت کے موقع پر ان کی یہ گفتگو ہوئی۔

گوکل چند : آپ جداگانہ انتخاب کیوں چاہتے ہیں۔ جبکہ ہم آپ کو تیس سے زیادہ' چالیس فیصد نمائندگی دینے کو تیار ہیں۔

قائداعظمؒ : آپ کے پاس تار پیڈو اور بم شیل ہیں تو میرے پاس دفاع کے لیے قلم ہے۔ آپ توقع کرتے ہیں کہ میں اپنا قلم تو پھینک دوں لیکن تار پیڈو اور بم شیل بدستور آپ کے پاس رہیں۔
مزید یہ کہ آپ کسی جاہل کو ہمارا نمائندہ مقرر کر دیں جو دراصل ہمارا نمائندہ نہیں ہو گا۔



یہ تو سیاست میں روزانہ کا کھیل ہے

تحریک پاکستان اپنی کامیابی کے آخری مرحلوں میں تھی۔ جہاں مسلمان مرد و زن پاکستان کے لیے تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ وہاں پاکستان دشمن قوتیں' خاص طور پر ہندو پریس' پاکستان اور سربرآوردہ مسلم رہنماؤں کے خلاف مسلسل زہر اگل رہا تھا۔

اس زمانے میں بیگم شائستہ اکرام اللہ کسی بڑی دعوت میں مدعو تھیں۔ وہاں پاکستان کا ذکر چھڑ گیا۔ کسی نے پاکستان کے خلاف کچھ کہا۔ انہوں نے اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ بات بڑھ گئی اور دعوت میں بدمزگی پیدا ہو گئی۔ بات ہی کچھ ایسی تھی کہ بیگم صاحبہ کو سخت رویہ اختیار کرنا پڑا۔

دوسرے روز اس واقعہ کو ہندوستان ٹائمز نے اپنے کالموں میں خوب اچھالا اور شائستہ اکرام اللہ کو ہدف تنقید و تعریض بنایا۔

اس معاندانہ رپورٹ سے فطری طور پر انہیں تکلیف پہنچی۔ اسی روز وہ قائد کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

شائستہ : ٹائمز میں جو کچھ چھپا ہے آپ کی نظر سے گزرا ہے؟

قائداعظمؒ : ہاں میں نے دیکھا ہے۔

شائستہ : یہ بڑی زیادتی ہے۔ نہ صرف اس چھوٹے سے واقعہ کو غلط رنگ دیا گیا ہے بلکہ ہمارے نقطہ نظر کو بھی توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔

قائداعظمؒ : آپ اس تبصرہ و تنقید کو زیادہ اہمیت نہ دیں۔ سیاست میں تو یہ روز کا کھیل ہے۔ جب آپ سیاست میں آئی ہیں تو اس طرح کی باتوں کو برداشت اور نظرانداز کرنے کا حوصلہ بھی پیدا کریں۔

مجھے دیکھئے، میرے خلاف ہر ہندو اخبار میں ہر روز کچھ نہ کچھ ضرور چھپتا ہے۔ میں کبھی اس کا نوٹس نہیں لیتا۔ بلکہ اگر میرے کسی بیان یا اقدام پر زیادہ تنقید ہوتی ہے تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ میرا نقطہ نظر ٹھیک ہے اور یہ یقیناً مسلمانوں کے مفاد میں ہے۔



ایک کارکن کے لیے سو وزارتیں قربان

1938ء میں پنجاب میں سکندر و جناح پیکٹ ہوا تھا۔ جس کے تحت چند کو چھوڑ کر پنجاب اسمبلی کے تمام مسلمان اراکین کم از کم آئینی طور پر مسلم لیگ میں شامل ہو چکے تھے۔ 1942ء میں سر سکندر حیات کے انتقال کے بعد جب سر خضر حیات خان ٹوانہ پنجاب کے وزیراعلیٰ کے منصب پر فائز ہوئے تو انہوں نے پرانے معاہدے کا پاس نہیں کیا۔ سکندر حیات کی مانی ہوئی اس شرط کہ مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ الیکشن کے لیے ٹکٹ جاری کرے گا، اس کو بھی انہوں نے نظرانداز کر دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے فیصلوں پر عمل درآمد کرنے سے بھی عمداً گریز کیا۔ اور جب انہیں نوٹس دیا گیا کہ وہ اپنے رویہ کی وضاحت کریں تو انہوں نے کچھ مہلت مانگی۔ اس عرصہ میں انہوں نے یونینسٹ کانگریس گروپ کی حمایت سے ایک اور چال چلی اور وہ یہ کہ سر سکندر حیات کے صاحبزادے سردار شوکت حیات خان کو جو ان کی کابینہ میں وزیر ترقیات تھے، انہوں نے بلاجواز یکایک برطرف کر دیا۔ یہ ایک طرح کا مسلم لیگ کو چیلنج تھا، اپنی طاقت کا کھلا مظاہرہ، غالباً مقصد یہ تھا کہ مسلم لیگ اور قائداعظمؒ پر دباؤ ڈالا جا سکے اور سودے بازی کی جا سکے۔ قائداعظمؒ نے اس اقدام کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔

چونکہ لدھیانہ رانا نصراللہ خان کے دائرہ کار میں تھا اور وہی اس علاقہ کی مسلم لیگ کے آرگنائزنگ سیکرٹری تھے، انہوں نے ان دونوں کا استقبال کیا اور دورے میں ان کے ساتھ رہے۔ جب

یہ تینوں دورے سے امرتسر واپس آئے تو میر مقبول کے یہاں رات کو قیام کیا۔ میر مقبول نے دوسرے روز دوپہر ان کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا جس میں پنجاب کے مشہور کانگریسی لیڈر سیف الدین کچلو اور شیخ صادق حسین کو بھی مدعو کیا۔

سیاسی لیڈر اکٹھے ہوں خواہ مختلف الخیال ہی سہی اور سیاست پر بات نہ ہو! چنانچہ کھانے کے بعد جو محفل جمی اس میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے کہا کہ آپ کا جناح بزدل ہے۔ شوکت کی برطرفی پر اگر آپ لوگ گولی چلوا کر سو پچاس کٹوا دیتے تو مسلم لیگ کا بازار گرم ہو جاتا۔ یہ سن کر یہ لوگ اس وقت تو خاموش رہے لیکن بات دل میں چبھ سی گئی۔ اتفاق سے ان دنوں قائداعظمؒ لاہور آئے ہوئے تھے اور حسب معمول نواب ممدوٹ کے ممدوٹ ولا میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ رات کے کھانے کے بعد رانا نصراللہ خان نے سردار شوکت حیات خان کی غلط برطرفی کا ذکر چھیڑا۔ اور کہا۔

رانا نصراللہ : سر! شوکت حیات کی ناجائز برطرفی پر آپ ہم جیسے کچھ کارکن شہید کروا دیتے تو مسلم لیگ کی شان بڑھ جاتی۔

قائداعظمؒ : (غصے سے) یہ کون شخص ہے جس نے تمہیں یہ خیال سجھایا ہے؟

رانا نصراللہ : نہیں جناب! کوئی خاص نہیں۔

قائداعظمؒ : یہ مسلم لیگ کا کوئی بڑا دشمن ہے جس نے یہ بات کہی ہے۔ اس سے کہہ دو۔ میں! اور ایک منسٹری کے لیے اپنے کارکن ہلاک کراؤں؟ میں ایک ورکر کے لیے سو منسٹریاں قربان کرنے کو تیار ہوں۔ یہ شخص خاکساروں جیسا معاملہ کر کے مسلم لیگ کو ختم کروانا چاہتا ہے۔

یہ تھے قائداعظمؒ اور یہ تھی ان کی سیاسی فراست۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ خیال کسی شاطر دشمن کا ہے جو دوہری چال چل رہا ہے۔



بددیانت عمل داری باقی نہیں رہ سکتی

دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں ایک فوجی ٹھیکیدار نے قائداعظمؒ سے اپنے مقدمے کے سلسلہ میں مشورہ کیا۔

ٹھیکیدار : آپ نے مقدمے کے کاغذات دیکھ لیے ہوں گے۔

قائداعظمؒ : کاغذات میں نے دیکھے ہیں۔ آپ سے تفصیلات بھی سنی ہیں۔

ٹھیکیدار : انگریز حکام سے ٹکر کا معاملہ ہے۔

قائداعظمؒ : حکام کا موقف درست ہے۔ آپ کی کامیابی کا امکان نہیں۔ بہتر ہے کہ آپ مقدمہ نہ لڑیں۔ کیس میں جان نہیں۔

ٹھیکیدار : کیس میں جان تو وکیل ہی ڈالتا ہے۔ میرے لیے اس کیس کو جیتنا بے حد اہم ہے۔

قائداعظمؒ : کم از کم میں اس کی پیروی کے لیے تیار نہیں۔

جو پیسے کے بندے ہوتے ہیں وہ کسی خانے بند نہیں ہوتے۔ وہ اپنے مطلب کی برآری کے لیے جائز ناجائز ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ ٹھیکیدار نے بھی یہی کیا اور ہیر پھیر کر کے مقدمے کو اپنے حق میں فیصل کرا لیا اور فیصلہ کی نقل لے کر قائداعظمؒ کے پاس پہنچا۔

ٹھیکیدار : آپ کے قانون میں تو میری کامیابی کی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن میرے اثر و رسوخ نے یہ گنجائش پیدا کر دی۔ ملاحظہ کیجئے میرے حق میں فیصلے کی یہ نقل۔

قائداعظمؒ : (فیصلہ دیکھ کر) اگر انگریزی عملداری میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو پامال کر کے اثر و رسوخ اور رشوت کارگر ہونے لگی ہے تو یقین رکھو کہ انگریزی حکومت اس ملک میں زیادہ دیر نہیں چل سکے گی۔



اب انگریز یہاں نہیں رہ سکتا

دوسری جنگ عظیم کے ابتدائی دور کا قصہ ہے کہ بمبئی کا ایک ٹھیکیدار ان کے پاس اپنا کیس لے کر آیا۔ کیس حکومت کے خلاف تھا۔ آپ نے مثل کا معائنہ کیااور کہا کہ تمہارا کیس کمزور ہے۔ تم یہ مقدمہ نہیں جیت سکتے۔ اس لیے یہ خیال چھوڑ دو کچھ عرصہ کے بعد وہ ٹھیکدار آیا۔

ٹھیکیدار : جناب وہ کام ہو گیا ہے۔

قائداعظمؒ : (سخت حیرت سے) کیا تم نے کیس دائر کیا تھا؟

ٹھیکیدار : وہ تو آپ کے مشورے کے بعد میں کر ہی نہیں سکتا تھا لیکن جب میں نے دیکھا کہ قانونی طور پر میری پوزیشن کمزور ہے تو دوسرے طریقوں سے میں نے اپنا کام

کروا لیا۔

قائداعظمؒ : تمہارا طریقہ کار تو بہرحال غلط تھا۔ لیکن میرے لیے یہ خبر بہت اچھی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آزادی کے دن قریب آگئے ہیں۔ جس حکومت کے کارندے رشوت اور سفارش سے اتنے ناجائز کام کرنے لگے ہوں تو سمجھو کہ اس کے دن پورے ہو چکے۔ اس کی بنیادیں ہل گئیں۔ اب انگریز یہاں نہیں رہ سکتا۔

(رضوان احمد' چند یادیں چند ملاقاتیں' صفحہ 132)



اگر وہ اپنے ضمیر کے مطابق ووٹ دیتے تو مجھے گلہ نہ ہوتا

1924ء کی بات ہے کہ قائداعظمؒ علی گڑھ سے دہلی جا رہے تھے کہ اسی ڈبے میں علی گڑھ کا بی اے کا ایک طالب علم سعید الدین نلسی سوار ہوا۔ اسے بھی دہلی جانا تھا۔ طالب علم نے ادب سے اپنا تعارف کرایا۔

قائداعظمؒ : بی اے میں تمہارا کون سا خاص مضمون ہے؟

سعید الدین : اکنامکس۔

قائداعظمؒ : پھر ڈاکٹر ایل کے حیدر تمہارے استاد ہوں گے۔

سعید الدین : جی ہاں۔

قائداعظمؒ : ڈاکٹر حیدر میں جو تبدیلی آئی ہے اس پر مجھے حیرت ہے۔ ڈاکٹر حیدر کو ای اے او کالج کے عمائدین نے اعلیٰ تعلیم کے لیے جرمنی بھیجا تھا۔ جب وہ جرمنی میں تھے تو وہ حکومت کے اتنے خلاف تھے کہ حکومت نے پہلی جنگ عظیم کے دوران ان کے ہندوستان آنے پر پابندی لگا دی تھی۔ اس زمانے میں کالج کے ٹرسٹیز کا ایک وفد لے کر میں وائسرائے سے ملا کہ ڈاکٹر حیدر کی واپسی کی اجازت حاصل کی جائے۔ تاکہ کالج نے ان کی تعلیم پر جو روپیہ صرف کیا ہے وہ ضائع نہ ہو جائے۔ اور پھر جب وہ آگئے اور کالج کے سٹاف سے منسلک ہو کر طلباء کی مدد سے مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے تو وہ

قلابازی کھا چکے ہیں۔ وہاں چند منتخب اراکین میں سے ہیں جو ہمیشہ گورنمنٹ کے خلاف ووٹ دیتے ہیں خواہ مسئلہ کوئی ہو۔ مجھے قطعاً" گلہ نہ ہوتا اگر کسی مسئلہ پر انہیں یقین ہوتا کہ حکومت برحق ہے اور وہ حکومت کے خلاف ووٹ دیتے۔



دوررس نگاہیں

قائداعظمؒ کی فراست کس درجہ کی تھی' ان کی نگاہیں کتنی دور تک دیکھتی تھیں۔ مسلمانوں کی ایک علیحدہ مملکت وجود میں آسکنے کے امکان پر انہیں کس حد تک یقین تھا اور کن حالات میں اور کس وقت یقین تھا' اس کا اندازہ اس گفتگو سے ہوتا ہے جو قائداعظمؒ نے ایک نجی دعوت میں کی۔

محترمہ خورشید خانم کا تعلق بمبئی کے ایک اعلیٰ آغا خانی گھرانے سے تھا۔ قائداعظمؒ سے بھی ان کے مراسم تھے۔ ان کے چاروں بچے ولایت میں زیر تعلیم تھے۔ جب وہ چھٹی پر بمبئی آئے ہوئے تھے تو انہوں نے ایک روز قائداعظمؒ کو رات کے کھانے پر بلایا۔ کھانے کے دوران ان بچوں کے مستقبل کی بات چھڑ گئی۔

قائداعظمؒ : میرا خیال ہے کہ اس کو نیوی میں جانا چاہیے۔ اور یہ ملٹری سروس کے لیے زیادہ موزوں نظر آتا ہے اور یہ تیسرا' میں سمجھتا ہوں کہ انڈین سول سروس میں جائے تو اچھا رہے گا۔

خورشید خانم : ہم انگریز کی نوکری کیوں کریں۔ مجھے تو ان سے نفرت ہے۔

قائداعظمؒ : ایک زمانہ آئے گا جب ہمیں اپنی حکومت بنانا ہوگی۔ یہ تربیت اس وقت کام آئے گی۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ مسلمان بچے سروسز میں بھی آئیں۔

یہ واقعہ 1937ء کا ہے۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قائداعظمؒ کی فراست کس درجہ کی تھی۔ ان کی نگاہیں دور تک دیکھتی تھیں۔ مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مملکت کے وجود میں آنے کے امکان پر انہیں کتنا یقین تھا اور بڑی بات یہ کہ کب اور کن حالات میں یہ یقین تھا۔

اس وقت جبکہ بڑے بڑے سیاسی رہنما پاکستان کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے وہ اس کے بننے کے بعد کی ضروریات کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔



یونیورسٹی کے وقار کا سودا

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر تھے اور ساتھ ہی ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے ممبر بھی۔ ایک روز وہ قائداعظمؒ سے ملے تو یہ باتیں ہوئیں۔

ڈاکٹرضیاء الدین : جناب! مجھے آپ سے ایک اہم معاملہ میں مشورہ کرنا تھا جس سے یونیورسٹی کا ایک لحاظ سے فائدہ بھی ہے۔

قائداعظمؒ : کیا بات ہے؟

ڈاکٹرضیاء الدین : جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ مرکزی اسمبلی میں انشورنس بل پر بحث ہو رہی ہے۔

قائداعظمؒ : جی

ڈاکٹرضیاء الدین : اس سلسلہ میں ایک بہت بڑا صنعت کار مجھ سے ملا تھا۔

قائداعظمؒ : کس لیے؟

ڈاکٹرضیاء الدین : وہ چاہتا تھا کہ میں اس میں ایک ترمیم اٹھاؤں اور اسے منظور کرانے کی کوشش کروں۔

قائداعظمؒ : پھر؟

ڈاکٹرضیاء الدین : اس نے یہ بھی کہا کہ وہ مسلم یونیورسٹی کو ایک لاکھ روپے کا عطیہ دینے کو تیار ہے۔

قائداعظمؒ : تو آپ نے کیا جواب دیا؟

ڈاکٹر ضیاء الدین : میں نے اس سے کہا کہ میں قائداعظمؒ سے مشورہ کے بعد اس پیش کش کا جواب دوں گا۔

قائداعظمؒ : ڈاکٹر صاحب! آپ یونیورسٹی کے وقار کو ایک لاکھ روپے میں نہ بیچئے۔ یہ سودا گھاٹے کا ہے۔

چنانچہ ڈاکٹر ضیاء الدین نے صنعت کار کی پیش کش مسترد کر دی اور وہ ترمیم بھی نہیں اٹھائی۔

--◯--

اس سے یونیورسٹی کے وقار پر حرف آئے گا

مرکزی اسمبلی میں بیمہ سے متعلق ایک مسودہ قانون زیرِ بحث تھا۔ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین بھی اس اسمبلی کے ممبر تھے۔ ایک بڑی بیمہ کمپنی نے اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں قائداعظمؒ سے مشورہ کر کے بتاؤں گا۔ پھر قائد کے پاس گئے۔

ضیاء الدین : سر! اس بیمہ کمپنی نے مجھے پیش کش کی ہے کہ اگر میں بل میں ترمیم پیش کر دوں تو کمپنی مسلم یونیورسٹی کو ایک لاکھ روپے عطیہ کے طور پر دے گی۔

قائداعظمؒ : اگر آپ نے ایک بیمہ کمپنی کے مالکوں کے مفاد میں کوئی ترمیم پیش کی اور اس کے بدلے میں عطیہ لیا تو اس سے یونیورسٹی کے وقار پر حرف آئے گا۔ اس لیے میں آپ کو یہ پیش کش قبول کرنے کا مشورہ ہرگز نہیں دے سکتا۔

(چند یادیں' چند ملاقاتیں' صفحہ 99)



خوشامد' پستی کی انتہا!

جولائی 1948ء میں قائداعظمؒ زیارت میں زیرِ علاج تھے۔ صحت جب بھی قدرے بہتر ہوتی تو قومی و ملکی معاملات پر اظہار خیال کرتے۔ ان کی فکر کا موضوع پاکستان اور پاکستانی ہی ہوتے تھے۔

ایک روز ملازمت میں ترقی کے مسئلہ پر گفتگو فرما رہے تھے۔ قائداعظمؒ کے سیکرٹری فرخ امین بھی حاضر خدمت تھے۔

فرخ امین : جنگ عظیم کے زمانے میں ایسے مسلمان بھی تھے جو محض اپنے انگریز افسروں کو خوش کرنے کے لیے شراب پینے لگے اور پھر اس کے عادی ہو گئے۔

قائداعظمؒ : یہ انسانی کردار کی انتہائی پستی ہے کہ وہ ایسی حرکتوں سے دوسروں کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ جو کام ان کے سپرد کیا جائے خواہ وہ کتنا معمولی کیوں نہ ہو' اسے قابلیت کے ساتھ اور اچھی طرح انجام دیں۔ جلد یا بدیر محنت کا انعام ضرور ملتا ہے۔ کوئی اعلیٰ افسر یا حکومت کسی مستحق ملازم کو ترقی کرنے سے ہرگز نہیں روک سکتی۔ اگر سرکاری ملازم اس کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اپنے اونچے مرتبے یا ترقی حاصل کرنے کے لیے سفارشوں یا سازشوں سے کام لینا چھوڑ دیں تو اقربا پروری اور دوست نوازی کا خاتمہ ہو جائے اور ہماری زندگی کہیں زیادہ صحت مند عناصر سے معمور ہو جائے۔



اس شخص کو ذمہ داری کا احساس نہیں ہے

قائداعظمؒ کا اپنا ایک لائف سٹائل تھا جس میں ذمہ داری کے احساس کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ اپنے ملازموں کے کردار اور رویوں پر بھی ان کی نظر رہتی تھی۔ غیر ذمہ داری اور فضول خرچی سے انہیں بہت تکلیف ہوتی تھی۔ ان کا ایک ذاتی محافظ ایک پٹھان گل محمد نامی تھا۔ جو ان کی ماؤنٹ پلیزنٹ کی کوٹھی پر پہرہ دیا کرتا تھا۔ وفادار تھا' لیکن سمجھ دار نہیں تھا۔

اس روز قائداعظمؒ کے پولیٹکل سیکرٹری محمد شریف طوسی قائد کی خدمت میں حاضر کچھ نوٹس لے رہے تھے کہ کسی طرح غیرذمہ داری اور فضول خرچی کے سلسلہ میں گل محمد کا ذکر آگیا۔

قائداعظمؒ : طوسی! اب تم اس گل محمد کو جانتے ہو؟

طوسی : جی ہاں مستعد آدمی ہے' فرض شناس ہے۔

قائداعظمؒ : لیکن غیرذمہ دار ہے' سمجھ دار بالکل نہیں۔

طوسی : وہ کیا واقعہ ہے؟

قائداعظمؒ : عید سے پہلے اسے اس کی درخواست پر پیشگی تنخواہ دی گئی تھی تاکہ وہ یہ رقم اپنے بیوی بچوں کو پشاور بھیج سکے۔ مزید برآں' فاطمہ نے اسے اچھی خاصی پیشگی عیدی بھی دی تھی۔ ابھی چند روز ہوئے فاطمہ نے مجھے بتایا کہ گل محمد نے بجائے اس کے کہ اپنی تنخواہ اپنے بیوی بچوں کو بھیجتا اسے فضول چیزیں خریدنے میں صرف کر دیا ہے۔ اس نے قیمتی زری جوتا' ایک مہنگی کلاہ اور پگڑی خریدی ہے۔ نصف تنخواہ اس نے اس طرح ختم کر دی ہے۔ گھر کیا بھیجے گا۔

اس شخص کو ان چیزوں کے خریدنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ یہ میرے پرانے بوٹ اور ٹوپیاں بوقت ضرورت استعمال کرتا رہتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس شخص کو یہ احساس نہیں ہے کہ اس پر بیوی بچوں کی ذمہ داریاں ہیں اور اسے آمدنی کی حدود کے اندر خرچ کرنا ہے۔

اس کے مقابلہ میں میرا گجراتی ہندو ملازم ہے۔ اس نے ہمیں کسی الجھن میں نہیں ڈالا' نہ کبھی کوئی فرمائش کی اور نہ ادھار مانگا۔ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ نہایت کفایت شعاری سے زندگی بسر کرتا ہے۔ اپنے مکان کو صاف ستھرا رکھتا ہے' اس کے بچے بھی صاف ستھرے رہتے ہیں۔ وہ سمجھ داری سے قناعت سے زندگی گزار رہا ہے۔ وہ بھی خوش ہے۔ ہم بھی خوش ہیں۔ کاش مسلمان بھی عمومی طور پر یہ رویہ اختیار کریں۔

طوسی صاحب کے قول کے مطابق یہ واقعہ 1942ء کی عیدالفطر سے پہلے کا ہے۔
(قائداعظمؒ چند یادیں' چند ملاقاتیں' صفحہ 22)



ٹیکس کی چھوٹ سے ضرور فائدہ اٹھائیے

سید شمس الحسن دہلی میں مسلم لیگ کے آفس سیکرٹری تھے اور مسلم لیگ کے مالی اور انتظامی معاملات کی دیکھ بھال کرتے تھے۔

قائداعظمؒ : مولوی صاحب! میونسپل ٹیکس کب ادا کرنا واجب ہے؟

شمس الحسن : یکم اگست کو' لیکن اس تاریخ سے پہلے ٹیکس دے دیا جائے تو ایک روپیہ پندرہ آنے کی چھوٹ ملے گی۔

قائداعظمؒ : تو آپ لیگ کے لیے رقم ضرور بچائیے۔

1945ء کی مالا بار ہل کی کوٹھی کی بجلی کی معمولی مرمت کا جو بل کمپنی نے بھیجا وہ دس روپے کا تھا۔ اس کی تفصیل میں تین آئیٹم لکھے تھے۔ پینڈنٹ ہولڈر ایک شارٹ سرکٹ کی مرمت اور تمام بجلی کا معائنہ' قائداعظمؒ نے حسب عادت اس بل کو چیک کیا تو پتہ چلا کہ ایک ہولڈر ضرور لگا ہے لیکن باقی دو کام نہیں ہوئے۔ آپ نے یہ لکھ کر بل واپس کر دیا کہ یہ دو کام تو ہوئے ہی نہیں۔ جب بل واپس آیا بقایا تو اس میں سے یہ دو آئیٹم کٹے ہوئے تھے لیکن رقم دس روپے جوں کی توں تھی۔ انہوں نے کمپنی کو پھر لکھا'' پینڈنٹ ہولڈر کی قیمت بازار میں بارہ آنے ہے۔ ایک دو روپے' لگانے کی مزدوری' کے لگا لیجئے۔ باقی کام تو ہوئے ہی نہیں۔ یہ رقم کا نہیں اصول کا سوال تھا۔

لین دین میں قائداعظمؒ کی جزرسی کے سلسلہ میں سید شمس الحسن مزید لکھتے ہیں:

''ان کے پاس دو کاریں تھیں' پی ایم ڈبلیو 8802 اور 4132 ' ایک بار بمبئی کے محکمہ ٹیکس نے انہیں 25 روپے کا بل بھیجا۔ اس کے ساتھ ٹیکس سے دو گنا جرمانہ بھی ادا کرنے کو کہا گیا تھا۔ اس سے پہلے ٹیکس کی ادائیگی کا کوئی نوٹس نہیں آیا۔ انہیں حیرت ہوئی۔ چونکہ وہ سارے بل وقت سے پہلے بہت احتیاط سے ادا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے کار صرف گیارہ دن' یکم اپریل سے گیارہ اپریل تک استعمال کی تھی اور اس امر کی اطلاع بھی محکمہ کو کر دی تھی کہ کار مزید بہت دنوں تک استعمال نہیں ہو گی۔ انہوں نے محکمہ کی غلطی کا سختی سے نوٹس لیا اور اس کی باقاعدہ شکایت کی۔

ان کے مالا بار ہل کے بنگلہ پر انفانسو آموں کے پیڑ تھے۔ محمد علی چاولہ کے ذمے یہ خدمت بھی تھی کہ ان کی جائیداد کے علاوہ ان پیڑوں کی بھی مناسب دیکھ بھال کرتے رہیں۔ دہلی میں ان کی کوٹھی کی نگہداشت سید شمس الحسن کے ذمہ تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک بار انہوں نے مجھے خط لکھا کہ میں ان کی کوٹھی پر جا کر ملازم سے کہوں کہ وہ کوٹھی کے گریپ فروٹ اتارے اور ان کی تعداد لکھوں۔ چنانچہ میں نے انہیں لکھا کہ 46 گریپ فروٹ اترے ہیں۔

1942ء میں آگ اور دھماکہ سے ان کے بمبئی کے بنگلہ کو کچھ نقصان پہنچا تھا۔ 39 شیشے ٹوٹ گئے تھے اور ایک چھت کی مرمت کی ضرورت تھی۔ بمبئی کے مشہور کنٹریکٹر خان بہادر محمد دین نے پیش کش کی کہ میں کم داموں میں ٹھیک کروائے دیتا ہوں۔ لیکن قائداعظمؒ نے دو تین ٹھیکداروں سے ٹینڈر طلب کرنا مناسب سمجھا اور آخر کار 150 روپے پر کام کروایا۔"



وقت آگیا ہے کہ ہم ہر شخص کو پرکھیں

منافق اور مفاد پرست ہر ادارے میں ہوتے ہیں۔ بمبئی مسلم لیگ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے۔ 1936-37ء کے انتخابات کے بعد بمبئی اسمبلی کی مسلم لیگ پارٹی اپنی میٹنگوں میں جو بھی فیصلہ کرتی اگلے روز وہ خبر کانگریسی حلقوں میں پھیلی ہوتی۔ اس صورت حال سے پریشان ہو کر مسلم لیگ کے ایک مخلص کارکن حسین بیگ محمد نے اس منافق کا کھوج لگایا اور موقع کی نزاکت کے پیش نظر فوراً قائداعظمؒ کو مطلع کرنا ضروری سمجھا اور بمبئی ہائی کورٹ میں ان کے آفس میں پہنچ گئے۔ جو قدرے غیر معمولی اقدام تھا۔ قائداعظمؒ اس وقت ہائی کورٹ بار کے چند سینئر وکیلوں کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے۔

حسین : جناب! مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟

قائداعظمؒ : آؤ حسین! خیریت تو ہے؟

حسین : جی ہاں! آپ سے تنہائی میں کچھ عرض کرنا ہے۔

قائداعظمؒ : یہ ذاتی بات ہے یا مسلم لیگ سے متعلق ہے؟

حسین : مسلم لیگ کا معاملہ ہے۔

قائداعظمؒ : تو ٹھیک ہے۔

(دوسرے وکلاء سے آپ حضرات سے تھوڑی دیر کے لیے میں معذرت چاہوں گا۔ (وکلاء کے رخصت ہونے کے بعد)

اب بتائیں کیا معاملہ ہے؟

حسین : میں نے اس کالی بھیڑ کو پکڑ لیا ہے جس سے ہمیں اتنا نقصان پہنچتا رہا ہے۔

قائداعظمؒ : وہ کون ہے؟

حسین : آپ کو تعجب تو ہو گا۔ وہ حضرت کوئی اور نہیں میری ہی بیوی کا بھائی سلیمان ہے۔ یہ شخص بڑا فتنہ پرداز ہے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ مسلمانوں کو مسلمانوں ہی سے نقصان پہنچ رہا ہے۔

قائداعظمؒ : حسین ! آپ کو یاد نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کن حالات میں پیش کیا۔ اسے کس طرح پھیلایا۔ کس قسم کے لوگوں کی مدد کی۔ کیسے لوگوں سے رعایت برتی تو کیسی کیسی منافقتیں ہوئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچ پھیلانے میں جو مشکلات درپیش تھیں۔ آج ہمارا بھی ویسی ہی مشکلات سے سامنا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ہم ہر شخص کی اصلیت کو جانچیں اور پرکھیں۔



آستین کے سانپ

1948ء کے اوائل میں قائداعظمؒ اہم سیاسی مصروفیت کے سلسلے میں لاہور میں تھے۔ مقبوضہ کشمیر میں ہندوستانی فوجوں کے داخل ہونے اور قابض ہونے سے جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی' وہ اعلیٰ سطح پر زیر بحث تھی۔

ان دنوں کی بات ہے کہ قائداعظمؒ نے اپنے سیکرٹری فرخ امین سے گفتگو کے دوران فرمایا۔

قائداعظمؒ : امین! مسلمانوں کی تاریخ کا یہ ایک پہلو بھی عجیب اور دردناک ہے۔

فرخ امین : جی کیا؟

قائداعظمؒ : یہ کہ ہمارے دشمنوں کو خود ہم ہی میں سے ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو آسانی سے ان کے آلہ کار بن جاتے ہیں۔ یہ مسلمان قوم کی بہت بڑی بدنصیبی ہے۔



زندگی کی حقیقتوں سے فرار ہونے والوں کا حشر

اپریل 1948ء میں نواب مشتاق احمد خان ریاست حیدر آباد کے ایجنٹ جنرل کی حیثیت سے کراچی آئے اور ریاست کے مستقبل کے بارے میں قائداعظمؒ سے کئی بار ملاقات کی۔ نظام حیدر آباد کے موقف اور انداز فکر سے قائداعظمؒ مطمئن نہیں تھے۔ ایک بار نواب مشتاق احمد خان' نظام کے نام قائداعظمؒ کا ایک خاص پیغام لے کر حیدر آباد گئے اور جیسا کہ قائداعظمؒ کا خیال تھا' وہ ناکام لوٹے۔ واپسی پر یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : آپ کو اپنے مشن میں کامیابی ہوئی؟

نواب مشتاق : جی!

قائداعظمؒ : مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ ناکام رہے۔

نواب مشتاق : حضور! نظام نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میری عرضداشت پر جلد غور کریں گے۔

قائداعظمؒ : وہ آپ کو ویسے ہی ٹال رہے ہیں جیسے دوسروں کو ٹالتے رہے ہیں۔
(ذرا توقف کے بعد)
آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جو لوگ زندگی کی حقیقتوں سے فرار ہونے کی کوشش کرتے ہیں' تاریخ میں ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔



وزیر خزانہ کو تنبیہ

اوائل 1948ء کا واقعہ ہے کہ کراچی میں قائداعظمؒ کی صدارت میں کابینہ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ دوسرے روز وزیر خارجہ ظفر اللہ خان کو یو این او میں مسئلہ کشمیر پیش کرنے روانہ ہو جانا تھا۔ کابینہ کے ارکان اس سلسلہ میں غور و خوض کر رہے تھے۔ اجلاس نے طول کھینچا۔ اس عرصہ میں ریاست مناور کے دیوان پہلے سے طے شدہ وقت کے مطابق قائداعظمؒ سے ملنے آئے۔ قائداعظمؒ کے اے ڈی سی کیپٹن گل حسن' قائداعظمؒ کو ان کی آمد کی اطلاع دینے اندر گئے۔ قائداعظمؒ نے کہا کہ آپ فی الحال رک جائیں' میں آتا ہوں' گل حسن دروازے کے قریب کھڑے ہو کر قائداعظمؒ کا انتظار کرنے لگے۔ اجلاس جاری رہا۔ ہر وزیر اپنا نکتہ بیان کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب چند نکات سامنے آگئے تو قائداعظمؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور بڑے وقار سے دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ یہ وہ لمحہ تھا جب وزیر

خارجہ سر ظفراللہ خان، ملک غلام محمد وزیر خزانہ کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے کہ جو کچھ ہم نے طے کیا ہے اس کے علاوہ اگر آپ کے ذہن میں کوئی اور نکتہ ہے تو بے تکلف مجھے بتا دیجئے کیونکہ شام کو 6 بجے مجھے قائداعظمؒ سے کلیرنس لینی ہے کہ مجھے وہاں کیا کہنا ہے اور کیا نہیں۔ اس کا جواب ملک غلام محمد نے یوں دیا کہ اگر میں اپنے نقطہ نظر سے آپ کو بے تکلفی سے آگاہ نہ کر سکا تو پھر میں کیبنٹ میں نہیں رہوں گا۔ اس دوران قائداعظمؒ تقریباً دروازے تک پہنچ چکے تھے۔ جوں ہی ان کے کان میں وزیر خزانہ ملک غلام محمد کے یہ الفاظ پڑے تو وہ ایک دم مڑے اور ان سے یوں مخاطب ہوئے۔

قائداعظمؒ : غلام محمد، مسٹر غلام محمد!

غلام محمد : جی جناب!

قائداعظمؒ : کیبنٹ میں رہنے کے متعلق فیصلہ کرنا آپ کا کام نہیں۔ یہ فیصلہ کرنا میرا کام ہے کہ کیبنٹ میں آپ کا رہنا قومی مفاد میں ہے کہ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔



ایک آٹوگراف

بمبئی میں 6 ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر قائداعظمؒ کی خدمت میں ایک نوجوان طالب علم حاضر ہوا۔

طالب علم : (گفتگو کے دوران) جناب والا! میرے لیے بڑی عزت افزائی ہو گی اگر آپ مجھے اپنی تصویر عطا فرمائیں۔

قائداعظمؒ : (قریب میز پر پڑا ایک گجراتی رسالہ بڑھاتے ہوئے) تم یہ لے سکتے ہو۔

طالب علم : اس پر اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ دیجئے۔

قائداعظمؒ : "بی گڈ"۔

یہ طالب علم سردار کریم نواز تھے جو بعد کو آئی سی ایس افسر ہوئے۔ سردار کریم نواز لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ نے "بی گڈ" لکھ کر اس کے نیچے اپنے معروف دستخط ایم اے جناح کر دیئے۔



صبر سے، تھوڑا تھوڑا

11 جولائی 1947ء کو جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر چوہدری حمیداللہ خان اور ایک سیاسی کارکن محمد اسحاق قریشی نے قائداعظمؒ سے دہلی میں اورنگ زیب روڈ پر ان کی قیام گاہ پر ملاقات کی۔ اور ریاست جموں و کشمیر کے خلاف جو سازشیں ہو رہی تھیں، وہ زیر بحث آئیں۔ دوران گفتگو قائداعظمؒ نے اپنے ملاقاتیوں کی رہنمائی کے لیے اپنی سیاسی زندگی کے تجربات سے بھی انہیں آگاہ کیا۔

قائداعظمؒ : آخری بات جو اپنی سیاسی زندگی سے متعلق آپ کو بتانا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ سیاست کاری صبر آزما ہے۔ آہستہ آہستہ، تھوڑا تھوڑا آگے بڑھنا چاہئے۔ اس کی میں آپ کو ایک واضح مثال دیتا ہوں۔

حمیداللہ : جی

قائداعظمؒ : جب میں نے مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی تو بمبئی مسلم لیگ کے خلاف متعدد دیوانی مقدمات، دفتر کے کرایہ کے بقایاجات کے سلسلے میں عدالتوں میں چل رہے تھے۔ لیکن آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ مسلم لیگ ایک طاقتور سیاسی جماعت ہے۔ یہ سب کچھ ایک روز میں نہیں ہوا۔
تھوڑا ...... تھوڑا ...... تھوڑا ......!



اپنے وسائل سے آگے بڑھو

ایک طالب علم سیاسی کارکن محمد لقمان طلباء میں مسلم لیگ کا کام کرنے کے بعد اپنی تعلیم مکمل کرنے لندن جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے قائداعظمؒ سے رہنمائی کی درخواست کی۔

محمد لقمان : میں نے ریاست حیدر آباد سے ایک عطئے کی درخواست کی ہے۔ تاکہ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن جا سکوں۔

قائداعظمؒ : میں اس تجویز سے متفق نہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے خود روپیہ کمانا چاہیئے۔

محمد لقمان : لیکن میں اتنا روپیہ کیسے کما سکتا ہوں؟

قائداعظمؒ : تم مسلم لیگ کے لیے کام کرتے رہے ہو۔ مسلم لیگ کی ایک مفصل تاریخ لکھ ڈالو اور اس کی آمدنی سے انگلستان میں اپنی تعلیم مکمل کرو۔

قائداعظمؒ نے محمد لقمان کو جو مشورہ دیا' وہ ایک فرد کو رواروی میں دیا ہوا مشورہ نہ تھا۔ قائداعظم کے فلسفہ زندگی کا نچوڑ یہ ہے کہ انسان کو سب سے پہلے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے اسی طرح اس کی عزت نفس اور آزادی فکر و عمل محفوظ رہ سکتی ہے۔

قائداعظمؒ خود بھی اسی اصول پر عمل پیرا تھے۔ جب تک انہوں نے اپنے آپ کو معاشی طور پر مستحکم نہ کر لیا انہوں نے عملی سیاست میں قدم نہ رکھا۔



قابلیت کا راز

ایک بار قائداعظمؒ کے ایک دوست اپنے بیٹے کو لے کر قائداعظمؒ کے پاس گئے۔

دوست : جناح ! یہ میرا لڑکا ہے۔ حال ہی میں بیرسٹری کر کے آیا ہے۔ اسے بھی اپنے جیسا لائق بنا دیجئے۔

قائداعظمؒ : یہ خوشی سے میرے دفتر میں کام کریں لیکن لیاقت انہیں اپنی محنت سے پیدا کرنا ہو گی۔

قائداعظمؒ ذاتی تعلقات میں بھی لگی لپٹی بات نہ کرتے تھے۔ جو بات ہوتی صاف اور برملا کہہ ڈالتے "صاف اور کھری بات ہر موقع پر' ہر ایک سے اور ہر بار" ان کی زندگی کا اصل اصول تھا۔



عزت و دولت کا راز

14 اگست 1947ء کو کراچی میں دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس ہوا اور اس میں شرکت کے لیے قائداعظمؒ گورنر جنرل ہاؤس سے روانہ ہوئے تو ان کے پرائیویٹ سیکرٹری فرخ امین بھی ان کے ساتھ تھے۔ راستے میں وائی ایم سی اے ہال پڑا تو قائداعظمؒ نے اس کی تنظیم کی تعریف کی۔ آگے بڑھے تو ایک پارسی تاجر کی ایک شاندار عمارت پر نظر پڑی۔

قائداعظمؒ : مسٹر امین ! آپ پارسیوں کے متعلق کچھ جانتے ہوں گے؟

فرخ امین : آپ فرمایئے۔

قائداعظمؒ : یہ تھوڑے سے لوگ محض اپنی جانفشانی اور تنظیم کی بدولت عزت و دولت دونوں کے مالک ہیں۔ اگر ہم بھی اپنے لوگوں کو صحیح تربیت دے کر منظم کر سکیں تو ہم حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔



کام کی بات کرو

لاہور میں 23 مارچ 1940ء کا تاریخی اجلاس ہو رہا تھا۔ قرارداد پاکستان زیر بحث تھی۔ مولوی غلام محی الدین تقریر کرنے اٹھے۔

غلام محی الدین : جناب والا! جناب صدر' جناب صدر الصدور۔

قائداعظمؒ : (ڈانٹنے کے انداز میں) کام کی بات کرو۔

محمد حسین چسمہ قائداعظمؒ کے ان سخت الفاظ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ خوشامد تو بڑی بات ہے' رسمی تعریفی الفاظ بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔



اردو میں تقریر کرنے پر اصرار

1946ء کے الیکشن کے سلسلے میں قائداعظمؒ بنگال کا دورہ کر رہے تھے۔ سرعزیزالحق ان کے ساتھ تھے۔ ایک جلسے میں قائداعظمؒ تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو پوچھا۔

قائداعظمؒ : آپ میں سے کتنے لوگ انگریزی جانتے ہیں؟

سامعین : (چار پانچ سو نے ہاتھ اٹھائے)

قائداعظمؒ : اب وہ لوگ ہاتھ اٹھائیں جو اردو سمجھتے ہیں۔

سامعین اردو' اردو (تین چار ہزار ہاتھ اٹھے۔

سرعزیزالحق : آپ انگریزی میں تقریر کیجئے۔ میں اس کا ترجمہ بنگالی میں کرتا جاؤں گا۔

قائداعظمؒ : نہیں' میں اردو ہی بولوں گا۔

قائداعظمؒ نے ایک عرصے کے بعد یہ واقعہ سنایا تو کہا کہ میں اردو بولا ضرور لیکن میری اردو تانگہ والا اردو تھی۔ غالباً" ان کا مطلب عام بول چال کی سیدھی سادی اردو سے تھا۔ جبکہ اس زمانے میں خطیبانہ زبان کا رواج تھا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو میں بولنا کیوں پسند کیا۔ جبکہ وہ کمال مہارت سے انگریزی بولتے تھے اور اس کا ترجمہ بنگلہ میں آسانی سے ہو سکتا تھا۔



حصول علم کو اولیت دینی چاہیے

فروری 1936ء میں قائداعظمؒ مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں لاہور تشریف لائے تو میاں احمد یار خان دولتانہ کی کوٹھی پر ٹھہرے۔ گورنمنٹ کالج لاہور کے تین طالب علموں، محمد حسین چٹھہ، سید عنایت علی شاہ اور ملک کرم داد خان نے کئی بار میاں صاحب کی کوٹھی پر جا کر قائداعظمؒ سے نیاز حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ملاقات نہ ہو سکی۔ آخرکار انہوں نے اگلے جمعہ کو بادشاہی مسجد میں جا کر ان سے وقت لیا۔ تینوں وقت پر پہنچے۔ بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ قائداعظمؒ کو بعض وفود کی آمد کی وجہ سے اٹھنا پڑا اور خود ہی انہوں نے ان نوجوان طلباء کو دوسرے روز گیارہ بجے کا وقت دیا۔

دوسرے روز طلباء ہوسٹل میں اپنے کمروں کی الاٹمنٹ میں الجھے رہے اور قائداعظمؒ سے ملاقات کے لیے نہیں جا سکے۔ جب انہیں اپنی اس محرومی کا احساس ہوا اور دوسروں نے انہیں جتلایا کہ اتنا بڑا موقع کھو کر تم نے زبردست غلطی کی ہے۔ تو دوسرے دن تینوں دوست نہایت نادم اور شرمسار قائداعظمؒ سے معافی مانگنے دولتانہ صاحب کی کوٹھی پر پہنچے۔ اس وقت وہ کہیں باہر جانے کے لیے پورچ میں کھڑے تھے۔

طلباء : جناب! ہم سخت شرمندہ ہیں اور آپ سے معافی مانگنے آئے ہیں۔

قائداعظمؒ : کس بات کی؟

طلباء : آپ نے ہمیں کل گیارہ بجے ملنے کا وقت دیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے ایک خاص مجبوری کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے۔

قائداعظمؒ : ہوا کیا؟

طلباء : بات یہ تھی کہ کل اسی وقت ہمارے ہوسٹل میں کمروں کی الاٹمنٹ کی کارروائی ہونا تھی۔ اگر ہم کل وہاں موجود نہ ہوتے تو ہمیں صحیح جگہ نہ ملتی اور سال بھر پڑھنے میں تکلیف ہوتی۔ بہرحال ہم سے سخت غلطی ہوئی۔ اب ہمیں اپنی محرومی

کا شدید احساس ہے۔

قائداعظمؒ : کوئی بات نہیں۔ حصول علم کو اولیت دینی چاہیئے۔

اس واقعہ کو محمد حسین چٹھہ نے اپنے انٹرویو میں بیان کیا ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ ان تینوں نے اپنے اپنے دائرہ کار میں نام پیدا کیا۔ محمد حسین چٹھہ نے پاکستان بننے کے بعد پنجاب کی سیاست میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ سید عنایت علی پنجاب کے ڈی آئی جی پولیس کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ ملک کرم داد کمشنر ہو گئے تھے۔



غریب ہونا کوئی جرم نہیں

یہ واقعہ 1935ء کا ہے۔ قائداعظمؒ بمبئی کے مشہور تاج محل ہوٹل کے لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ ایک شائستہ نوجوان نیکر قمیض میں ملبوس اور ہیٹ پہنے ان کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں بوٹ پالش کا سامان تھا۔

نوجوان : صاحب بوٹ پالش کرائیں گے؟

قائداعظمؒ : (نوجوان کی وضع قطع' لباس اور کام سے قدرے حیران ہو کر) تم کون ہو؟

نوجوان : میں علی گڑھ میں فرسٹ ائیر کا طالب علم ہوں۔

قائداعظمؒ : بوٹ پالش کیوں کرتے ہو؟

نوجوان : اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے۔

قائداعظمؒ : بوٹ پالش کرنا تمہارے نزدیک معیوب نہیں؟

نوجوان : جی وہ تو ہے۔

قائداعظمؒ : محنت میں شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ غریب ہونا تو کوئی جرم نہیں۔ میں خود غریب آدمی کا بیٹا ہوں۔میں یہ دیکھ کر خوش ہوا ہوں کہ علی گڑھ کالج کا طالب علم اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لیے اپنے ہاتھ سے محنت کر رہا ہے۔

محنت اور غیرت کو قائداعظمؒ بڑی اہمیت دیتے تھے۔

1941ء میں اسلامیہ کالج کے طلباء سے کہا:

"روپیہ ضائع ہو جائے تو کچھ ضائع نہیں ہوتا۔ صحت ضائع ہو جائے تو بہت کچھ ضائع

ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر غیرت ضائع ہو گئی ہو تو سمجھو کہ سب کچھ ضائع ہو گیا۔"



با اصول لوگ

جسٹس سجاد احمد جان جب علی گڑھ میں طالب علم تھے تو قائداعظمؒ سے متعارف ہوئے تھے۔ 1936ء میں انہوں نے سرحد مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلے میں قائداعظمؒ کا ہاتھ بھی بٹایا۔ 1937ء میں جب قائداعظمؒ لکھنؤ میں تھے تو قائداعظمؒ نے انہیں ناشتے پر ملاقات کا موقع دیا۔

سجاد احمد جان : جناب! میں اس عزت کے لیے ممنون ہوں۔ سبجیکٹ کمیٹی کے اجلاس میں بھی آپ نے بطور خاص مجھے بولنے کا موقع دیا تھا۔

قائداعظمؒ : آپ کے بڑے پرخلوص خطوط مجھے ملتے رہتے ہیں۔ میری کوشش ہے کہ کسی طرح مسلمان قوم میں ڈسپلن پیدا ہو جائے اور بااصول لوگ پیدا ہوں اور ان میں قومی محبت کے جذبات زیادہ سے زیادہ ہوں۔

جسٹس سجاد احمد جان قائداعظمؒ کی یہ گفتگو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ نام و نمود کے قطعاً" قائل نہیں تھے۔ 1937ء کے لکھنؤ سیشن کے موقع پر کسی نے یہ تجویز پیش کی کہ کانگریس کی طرح ہمیں بھی کھدر پوشی اختیار کرنی چاہیے تو انہوں نے فرمایا۔

"میں نمائش اور دکھاوے کی سیاست کا قائل نہیں۔"



مسلمانوں کی فضول خرچی ضرب المثل ہے

دسمبر 1946ء میں قائداعظمؒ برطانوی کابینہ سے گفت و شنید کے لیے لندن تشریف لے گئے تھے۔ ان کی واپسی کے وقت رات کا پچھلا پہر تھا۔ لیکن پھر بھی ہوائی اڈہ پر الوداع کہنے کے لیے پرجوش مسلمانوں کا ایک بڑا ہجوم موجود تھا۔ ان ہی میں لندن مسلم لیگ کے ایک عہدیدار بھی تھے جو بڑی دور سے اور خاصا پیسہ صرف کر کے وہاں پہنچے تھے۔ ان صاحب کے جوش عقیدت سے متاثر ہو کر زیڈ اے سلہری ان کو لے کر قائداعظمؒ کے پاس پہنچے۔

سلہری : یہ صاحب پانچ پونڈ صرف کر کے بیس میل سے ٹیکسی پر آپ کو رخصت کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔

قائداعظمؒ : اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد زیڈ اے سلہری لکھتے ہیں کہ کوئی اور لیڈر ہوتا تو عقیدت کے اس اظہار پر خوشی کا اظہار کرتا۔ لیکن قائداعظمؒ کی بات ہی کچھ اور تھی۔



تھوڑا سا ہندو بنو

قائداعظمؒ کے ایک ڈرائیور محمد حنیف آزاد کا بیان ہے کہ وہ 1939ء کی ایک خوشگوار شام کو قائداعظمؒ کی سفید پیکارڈ میں انہیں ساحل سمندر کی سیر کرا رہے تھے۔ اس شام قائداعظمؒ کا موڈ بہت اچھا تھا اس لیے محمد حنیف آزاد نے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔

حنیف آزاد : سرا موسم تو بہت اچھا ہے لیکن چند روز بعد عید بھی آ رہی ہے۔

قائداعظمؒ : (مسکرا کر سگار منہ سے نکالتے ہوئے) او ویل' ویل ابھی تم ایک دم مسلمان ہو گیا۔ تھوڑا ہندو بنو۔

نکتہ اس فقرے میں یہ تھا کہ بقول آزاد' اس سے تین چار روز پہلے قائداعظمؒ محمد حنیف کو مسلمان بنا چکے تھے۔ یعنی انعام کے طور پر اسے دو سو روپے دے چکے تھے۔ فضول خرچی قائداعظمؒ کو پسند نہیں تھی۔ اس لیے انہوں نے محمد حنیف سے کہا۔ تھوڑا ہندو بنو۔

(ہندوؤں کی کفایت شعاری بلکہ جزرسی ضرب المثل ہے۔)



گداگروں کی ہمت افزائی نہیں کرنی چاہیئے

ایک موقع پر قائداعظمؒ نواب چھتاری کے ساتھ دہلی ریلوے سٹیشن پر کسی دوست سے ملاقات کرنے گئے۔ کار کو نواب سر جمشید علی خان کا ڈرائیور عبدالستار خان چلا رہا تھا۔ گاڑی لیٹ تھی۔ اس لیے دونوں حضرات کار میں ہی بیٹھے رہے۔ اس دوران سیاہ کرتے اور تہبند میں ملبوس ایک گداگر آیا اور ان کی کار کے پاس بھنگڑا ڈالنے لگا۔ ایک موٹا ڈنڈا اس نے کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔ اس نے صدا

لگائی۔

"کوئی اللہ کے نام پر مجھے دے گا۔"

نواب چھتاری : (ڈرائیور سے) ستار! اسے ایک روپیہ دے دو۔

قائداعظمؒ : نواب صاحب! آپ تو قوم کو خیراتیں دے کر خراب کر رہے ہیں۔ حالت یہ پہنچ چکی ہے کہ کوٹھی پر ایک جمعرات کو دس روپے تقسیم کرو تو اگلی جمعرات کو بیس روپے تقسیم کرنا پڑیں گے۔ اگر دینا ہیں تو آپ روپے مسلمان مدارس کو دے دیا کریں۔ کبھی ہندو کو بھی مانگتے دیکھا ہے۔ گداگر مسلمان ہی آپ کو ملیں گے۔ ان کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے۔



آپ انگریز کو اتنا بھولا سمجھتے ہیں؟

قائداعظمؒ کے ایک شناسا بمبئی کے ایک رئیس زادے سردار خان تھے۔ کروڑوں کی جائیداد اسراف ولاپرواہی سے ضائع کر کے حیدر آباد میں ملازمت کر لی تھی اور کچھ عرصہ میں ترقی کر کے محکمہ ڈاک کے ناظم اعلیٰ ہو گئے تھے۔ انگریزوں کی بڑی خدمت کی تھی۔ لیکن حیدر آباد کے انگریز ریذیڈنٹ کے عتاب کا شکار ہو کر عہدہ اور منصب کھو بیٹھے اور شدید مشکلات کا شکار ہو گئے۔ سردار علی خان کی کوئی امید بر نہیں آئی تو انہوں نے اپنے اور اپنے والد کے دیرینہ مراسم کی بنا پر قائداعظمؒ کو ایک طویل خط لکھا اور دہلی کے اعلیٰ انگریز حکام سے اپنی سفارش کرنے کی استدعا کی۔ ان کے ایک دوست "راہی" وہ پلندہ لے کر قائداعظمؒ کی خدمت میں دہلی میں حاضر ہوئے۔

قائداعظمؒ : (وہ طویل خط پڑھ کر) یہ میرے قدیم شناسا ہیں۔ میں بمبئی میں موجود تھا جب انہوں نے اپنی ساری دولت کھیل تماشوں' جلسوں اور دعوتوں میں اڑا دی۔ اس وقت بھی سوائے افسوس کے میں کچھ نہیں کر سکا تھا۔ اب بھی ان کی مصیبت سن کر افسوس ہوا۔ مجھے ان سے دلی ہمدردی ہے۔ مگر میں کیا کر سکتا ہوں۔ انگریز حکام سے سفارش کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں نے کبھی یہ کام نہیں کیا۔ نہ اب کروں گا۔ مجھے اس بارے میں خط لکھنا بے کار تھا۔

راہی : جناب والا! سچ پوچھئے تو یہ صورت سفارش کی نہیں ہے۔ یہ شخص تمام عمر انگریز سے وفاداری کا دم بھرتا رہا۔ ان کی حکومت کی تعریف و تائید میں کتابیں لکھیں

اور ہزاروں روپے کے خرچ سے خود چھپوائیں اور اب صلہ ملا تو یہ ملا کہ ان ہی انگریزوں کی بدخواہی کے الزام میں حیدر آباد کی اچھی بھلی نوکری سے نکال دیا گیا۔ اگر آپ چاہیں تو یہاں کے اعلیٰ حکام کو یہ تو بتا سکتے ہیں کہ یہ شخص اصل میں ان کا وفادار ہے۔ ریذیڈنٹ کی غلط فہمی سے یہ سب کچھ ہوا ہے۔ دیکھا جائے تو یہ انگریزی حکومت پر احسان ہو گا۔

قائداعظمؒ : (ہنس کر) آپ انگریزوں کو جتنا بھولا سمجھتے ہیں وہ ایسے نہیں۔ وہ بڑے عیار، مطلب پرست اور ہوشیار ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں ان پر کیسی بے دھڑک نکتہ چینی کرتا ہوں۔ لیکن کسی دوست کے لیے کسی انگریز کے سامنے سفارش یا فرمائش کا ایک لفظ بھی منہ سے نکالوں تو اگر ممکن ہوا تو وہ بڑی خوشی سے مجھے ممنون کرے گا۔ مگر اگلے دن جب میں اسمبلی میں اس کے سرکاری کام یا محکمے پر تقریر کرنے کھڑا ہوں گا تو وہ دور سے مجھے دیکھ کر مسکرائے گا۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ پھر میں ویسی بے باک تقریر اور بے لاگ تنقید کر سکوں گا؟

یہ بات 1929ء کی ہے۔ اس گفتگو کو نقل کرنے کے بعد "راہی" لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ نے مجھے ایک اور واقعہ سنایا کہ کس طرح ان کے ایک قریبی عزیز محکمہ ریلوے آسام میں ملازم تھے۔ ان کے لڑکے کے ساتھ مقابلے کے امتحان میں صریحی زیادتی ہوئی۔ وہ مصلحتاً صوبے کی حکومت کے خلاف چارہ جوئی کرنے کی بجائے قائداعظمؒ کے پاس آئے اور دہلی کے اعلیٰ حکام سے انکی جائز سفارش کرنے کو کہا۔ قائداعظمؒ نے جواب دیا کہ کسی ذاتی غرض سے انگریز حکام کے پاس جانا میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں زندگی بھر کی دوستی چھوڑ سکتا ہوں، زندگی کا اصول نہیں چھوڑوں گا۔

(قائداعظمؒ میری نظر میں، صفحہ 305)



باریک بینی کی بات

گورنر اور وزیر وغیرہ بھی اپنے عہدے کا حلف اٹھاتے ہیں۔ صوبے سرحد کے گورنر سر امبروز ڈنڈاس کے تقرر کے کاغذات جب قائداعظمؒ کے سیکرٹری مسٹر ایس ایم یوسف نے ان کو پیش کئے تو اس میں رسمی حلف نامہ بھی تھا جو گورنر کو اپنے عہدے کا چارج لیتے ہوئے اٹھانا تھا۔ قائداعظمؒ نے حسب عادت دستخط کرنے سے پہلے دستاویز کو غور سے پڑھا۔

قائداعظمؒ : یوسف! یہ حلف نامہ کس نے تیار کیا ہے؟

یوسف : جناب! کیبنٹ سیکرٹریٹ کو صرف اتنا معلوم ہے کہ تقسیم سے پہلے یہ عبارت غالباً آپ کے مشورے سے منظور کی گئی تھی۔ ریکارڈ پر کوئی چیز نہیں۔

قائداعظمؒ : سوال یہ ہے کہ گورنر کا حلف نامہ گورنر جنرل کے حلف نامہ سے مختلف کیوں ہے؟ جو عبارت گورنر جنرل کے حلف کے لیے ضروری ہے وہ گورنر کے لیے بھی ضروری ہونی چاہیئے۔

یوسف : جناب! میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔

قائداعظمؒ : آخر وزراء ہی رازداری کا حلف کیوں اٹھائیں۔ گورنر کیوں نہ اٹھائے۔

یوسف : جناب! میں سر غلام حسین ہدایت اللہ (گورنر سندھ) سے جا کر پوچھتا ہوں کہ انہوں نے صرف آئین سے وفاداری کا حلف لیا تھا یا رازداری کی قسم بھی کھائی تھی۔

ایس ایم یوسف لکھتے ہیں کہ کسی دستاویز پر قائداعظمؒ سے یوں ہی دستخط کرا لینا ناممکن تھا۔ وہ ہر دستاویز کو بغور پڑھتے تھے اور گہرائی میں جاتے تھے۔

(قائداعظمؒ اپنے معاصرین کی نظر میں' صفحہ 122)



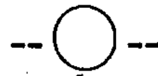
کیا میں قائداعظمؒ کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا؟

مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الہ آباد میں ہو رہا تھا۔ مولانا حسرت موہانی کی ایک تجویز سبجیکٹ کمیٹی میں نامنظور ہو گئی۔ قاعدے کے مطابق مولانا عام اجلاس میں وہ تجویز پیش نہیں کر سکتے تھے۔ مگر وہ بضد ہو گئے۔ قائداعظمؒ نے انہیں اجازت دے دی۔ مولانا حسرت موہانی تقریر کے لیے کھڑے ہوئے۔

مولانا : اگر ایک بڑھیا فاروق اعظمؓ کا گریبان پکڑ سکتی ہے تو کیا میں قائداعظمؒ کا دامن نہیں پکڑ سکتا؟

حاضرین : بیٹھ جایئے۔ بیٹھ جایئے۔

قائداعظمؒ : (کرسی صدارت سے مائیک پر آکر) نہیں، مولانا کی بات بھی سنئے۔ وہ اچھے اور نیک نیت آدمی ہیں۔



مولانا کو ضرور سنئے

1942ء میں لیگ کا سالانہ اجلاس آلہ آباد میں ہوا تھا۔ ان ہی دنوں کرپس مشن آیا تھا۔ چنانچہ اس اجلاس میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آیا کہ سر سٹیفورڈ کرپس سے مذاکرات کئے جائیں یا نہ کئے جائیں۔ مولانا حسرت موہانی نے سبجیکٹ کمیٹی میں مذاکرات کرنے کے خلاف ایک قرارداد منظور کرانے کی کوشش کی جو ناکام ہوئی۔ قاعدے سے اب یہ قرارداد کھلے اجلاس میں پیش نہیں کی جا سکتی تھی۔ لیکن مولانا نے سبجیکٹ کمیٹی کی قرارداد میں ترمیم کے طور پر اپنی تجویز پیش کرنا چاہی جو ایک طرح سے غیرآئینی کوشش تھی۔ قائداعظمؒ نے اس کے باوجود مولانا کو بولنے کا موقع دیا جنھوں نے بڑی سخت تقریر کی اور قائداعظمؒ کو ہدف تنقید بنایا۔ جلسہ میں ہنگامہ ہو گیا۔

قائداعظمؒ : آرڈر، آرڈر، آپ لوگ مولانا کو ضرور سنئے۔ آپ لوگ ان سے اتفاق کریں یا نہ کریں۔

حاضرین : نہیں نہیں ہم مولانا کو نہیں سننا چاہتے۔ مولانا! بیٹھ جاؤ۔

جمیل الدین احمد لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کی ذات پر حملہ کرنے سے حاضرین اتنے بھڑ گئے تھے کہ اگر نیشنل گارڈ ان کو روکنے کی کوشش نہ کرتے تو وہ ڈائس پر چڑھ جاتے۔ اس موقع پر یہ دلچسپ صورت حال بھی پیدا ہوئی کہ حاضرین بھی دو حصوں میں بٹ گئے۔ کچھ لوگ کہتے تھے، چونکہ قائداعظمؒ

کہتے ہیں سنو! اس لیے ہمیں مولانا کو سننا چاہیے۔ دوسرے کہتے تھے کہ قائداعظمؒ کے خلاف ان کے کہنے پر بھی نہیں سنیں گے۔ بہرحال قائداعظمؒ نے مولانا کو پورا موقع دیا کہ ان کی ترمیم کو مولانا کے علاوہ ایک آدھ ہی ووٹ ملا۔



ان کو تقریر کا اور آپ کو تنقید کا حق حاصل ہے

1942ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ مولانا حسرت موہانی تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو انہوں نے قائداعظمؒ کی پالیسیوں پر اعتراضات کئے۔ مجمع کو تاب صبر کہاں۔ ایک شور برپا ہو گیا اور مولانا سے بیٹھ جانے کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ قائداعظمؒ کھڑے ہو گئے۔

قائداعظمؒ : آرڈر آرڈر' اظہار خیال مولانا کا حق ہے۔ آپ ان کو ضرور سنئے۔ پھر ان سے اتفاق یا اختلاف کرنا آپ کا حق ہے جس کا استعمال آپ ان کی قرارداد کے حق یا رد میں ووٹ دے کر کر سکتے ہیں۔

رضوان احمد اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ قائداعظمؒ اختلاف رائے کو دبانا پسند نہیں فرماتے تھے۔



مولانا! آپ کا حساب ٹھیک معلوم نہیں ہوتا

1935ء کے انڈیا ایکٹ کے تحت 1937ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے تھے جن صوبوں میں کانگریس نے پہلی بار اپنی حکومتیں قائم کیں ان میں بہار اور یو پی بھی شامل تھے۔ ان دونوں صوبوں میں کانگریسی وزارتوں نے مسلمانوں پر بے انتہا زیادتیاں کیں۔ اور ہندوؤں کی حکومت کے خلاف مسلمانوں کے جو خدشے تھے وہ صحیح ثابت ہوئے۔ بہار میں تو زیادتیوں اور بے انصافیوں نے کھلم کھلا قتل و غارت کی صورت اختیار کر لی تھی' جس پر شریف رپورٹ اور پیرپور رپورٹ گواہ ہیں۔ جب یوپی میں مسلمانوں پر زیادتیوں کی رپورٹیں عام ہوئیں تو قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کی طرف سے ایسے واقعات کی تحقیقات کے لیے چار کمیٹیاں مقرر کر دیں اور دستور کے مطابق ہر کمیٹی کو سفر اور دوسرے اخراجات کے لیے دو' دو ہزار روپے دیئے گئے۔ ان میں سے ایک کمیٹی کے سربراہ مولانا حسرت موہانی

تھے۔ ان کمیٹیوں نے جب اپنا کام مکمل کر کے اپنی رپورٹیں پیش کیں تو قائداعظمؒ نے ان سے رقم کا حساب بھی طلب کیا۔ چنانچہ چاروں کمیٹیوں کے سربراہوں نے خرچ کے گوشوارے بھی پیش کر دیئے۔ قائداعظمؒ نے سارا حساب خود آڈٹ کیا اور مولانا کے حساب پر نشان لگا دیا۔ باقی کمیٹیوں میں سے کسی نے دو ہزار روپے خرچ کئے تھے اور کسی نے اکیس سو۔ جب مولانا تشریف لائے تو یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : جناب! آپ کا حساب تو ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔

مولانا : وہ کیسے؟

قائداعظمؒ : آپ شاید صفر لگانا بھول گئے ہیں۔ آپ کا کل خرچ 140 روپے بنتا ہے۔ میرے خیال میں اسے کم از کم 1400 روپے ہونا چاہیئے۔

مولانا : نہیں۔ آپ کا اندازہ غلط ہے۔ کل خرچ ہی ایک سو چالیس ہوئے ہیں۔

قائداعظمؒ : (حیرت کا اظہار کرتے ہوئے) اتنا طویل اور کئی ہفتوں کا دورہ 140 روپے میں کیسے ہو گیا۔

مولانا : کیسے نہ ہوتا۔ میں تھرڈ کلاس میں سفر کرتا ہوں۔ اپنا سامان خود اٹھاتا ہوں۔ مختصر سا بستر ہوتا ہے۔ تین چار آنے میں پیٹ بھر جاتا ہے۔ قوم کا پیسہ بے دریغ مجھ سے خرچ نہیں کیا جاتا۔

قائد اعظمیات کے مشہور محقق رضوان احمد یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں

اور یہ قائداعظمؒ اور مولانا دونوں کے لیے کہا جا سکتا ہے۔

اللہ اکبر، تحریک پاکستان کے بنیادی رہنما کس کردار کے لوگ تھے

(قائداعظمؒ چند یادیں، چند ملاقاتیں، صفحہ 119)



اپنی جنگ خود لڑو

پاکستان بننے سے کچھ پہلے کا واقعہ ہے کہ پنجاب میں خضر حیات خان کی یونینسٹ وزارت قائم تھی اور پنجاب مسلم لیگ اس کے خلاف تحریک چلا رہی تھی۔ خضر وزارت نے لیگی کارکنوں کو زچ کرنے کے لیے یہ طریق کار اختیار کیا تھا کہ وہ بڑے بڑے جلوسوں سے اہم کارکنوں کو پکڑتے اور لاہور سے ستر اسی میل دور اندھیرے میں چھوڑ آتے۔ ان کو واپس لانے اور ان کے کھانے پینے کا بندوبست

کرنے میں اور تحریک کو چلانے میں پنجاب لیگ کو خاصا روپیہ صرف کرنا پڑ رہا تھا جو اس کے وسائل سے باہر تھا۔ کچھ دوسرے مسائل بھی تھے جن پر قائداعظمؒ کا مشورہ درکار تھا۔ چنانچہ سرکردہ لیگی لیڈر بیگم شاہنواز نے ایک خط پنجاب مسلم لیگ کے دفتر سے ایک کارکن شیم حسین قادری (بعد کو چیف جسٹس پنجاب) کو قائداعظمؒ کے نام دیا جس میں صوبہ کے حالات اور پنجاب مسلم لیگ کے مالی مسائل کا ذکر تھا۔

شمیم حسین قادری خط لے کر کراچی کے سر غلام حسین ہدایت اللہ وزیر اعلیٰ سندھ کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے جہاں قائداعظمؒ اور دوسرے لیگی زعماء فروکش تھے۔ شمیم قادری کے مشن کی اہمیت کے پیش نظر انہیں ناشتہ کی میز پر قائداعظمؒ کی خدمت میں باریاب ہونے کا موقع ملا۔

قادری : سر! یہ خط ہے بیگم شاہنواز کی طرف سے' خضر وزرات کے خلاف ہمارا ایجی ٹیشن جاری ہے۔ لیکن ہمارے وسائل محدود ہیں۔ ہمیں مالی مشکلات کا سامنا ہے اور دوسرے مسائل بھی ہیں۔

قائداعظمؒ : نوجوان! یہ پنجاب کی لڑائی ہے۔ جاؤ' اسے خود لڑو۔

قادری : سر! آپ اگر مجھے اجازت دیں تو میں یہ عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ یہ معاملہ صرف پنجاب کا نہیں سارے پاکستان کا ہے۔ اس وقت پنجاب ایک ظالم اور جابر انتظامیہ کے چنگل میں ہے اور مسلم عوام پر سخت ظلم ہو رہا ہے یقیناً اسے مرکزی مسلم لیگ کے دست تعاون کی ضرورت ہے۔

قائداعظمؒ : اگر یہ بات ہے تو اگر ضرورت پڑے تو اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کے لیے میٹنگ میں موجود رہنا۔ جس میں سندھ اور بنگال کے وزراء اعلیٰ شرکت کر رہے ہیں۔

چنانچہ شمیم قادری میٹنگ میں سندھ کے وزیراعلیٰ سر غلام حسین ہدایت اللہ اور بنگال کے وزیراعلیٰ حسین شہید سہروردی سے ملے اور صورت حال کی وضاحت کی۔ بعد میں حسین شہید سہروردی نے ضروری امداد کا انتظام کیا۔

جسٹس شمیم حسین قادری نے یہ واقعہ اپنی کتاب تخلیق پاکستان میں درج کیا ہے۔



مسلم لیگ کے فنڈ سے کچھ نہ دوں گا

1942ء میں لاہور کے چار مسلم اخبارات کے مالکوں اور ایڈیٹروں نے چائے پر قائداعظمؒ کی

دعوت مال روڈ کے ایک ہوٹل میں کی۔ اس دعوت میں مولانا غلام رسول مہر' عبدالمجید سالک' مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش' مولانا اختر علی خان' ملک نور الٰہی اور خلیل صحافی شریک تھے۔

قائداعظمؒ : اس وقت برصغیر کے مسلمان تاریخ کے ایک انتہائی خطرناک موڑ پر کھڑے ہیں۔ مجھے آپ سے بہت سی توقعات ہیں۔ اگر اس موقع پر آپ لوگوں نے ساتھ دیا اور مسلمان متحد ہو گئے تو پاکستان حاصل کرنا چنداں مشکل نہ ہو گا۔

مولانا مہر : جناب والا! میں سر سکندر کے نقطہ نظر کی تائید میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔

قائداعظمؒ : (ٹوکتے ہوئے) آپ خلوص سے کام کرتے رہیں۔ کسی ایک شخص کے ہاتھوں میں بک نہ جائیں۔ زندہ قوم کے اخبارات روپے کی خاطر اپنے اصولوں کا سودا نہ کریں۔

خلیل صحافی : ہمارے اخبارات کی اشاعت بہت کم ہے۔ اگر مسلم لیگ اپنے فنڈ میں سے کچھ امداد کرے تو بہتر ہو گا۔

قائداعظمؒ : (غصے سے) پاکستان بنے نہ بنے' میں مسلم لیگ کے فنڈ سے کوئی امداد نہیں کر سکتا۔ اگر آپ لوگ سر سکندر کے ہاتھ بک چکے ہیں تو مجھے اس کی قطعاً پرواہ نہیں۔ میں اپنا کام جاری رکھوں گا۔

(قائداعظمؒ لاہور میں' اخبار جہاں 25 دسمبر 1983)



ویل ڈن' پنجاب!

1947ء کے اوائل میں کانگریس اور یونینسٹ پارٹی کی ملی بھگت سے قائم شدہ خضر وزارت پنجاب مسلم لیگ کی سول نافرمانی کی تحریک کے نتیجے میں ٹوٹی تو نواب افتخار حسین آف ممدوٹ' میاں افتخار الدین اور سردار شوکت حیات دہلی میں قائداعظمؒ سے ملنے گئے۔ جب انہیں ان لوگوں کی آمد کے بارے میں معلوم ہوا تو حسب دستور انہوں نے ان کے اپنے مطالعہ کے کمرہ میں باقاعدہ آنے کا انتظار نہیں کیا۔ خود تیزی سے باہر نکلے اور خلاف عادت ہر ایک کو گلے لگا کر خیرمقدم کیا۔

قائداعظمؒ : ویل ڈن' پنجاب!

نواب ممدوٹ : مبارک ہو سر!

اس واقعہ کے راوی سردار شوکت حیات لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کی مسرت ان کے چہرے سے پھوٹی پڑتی

تھی۔ جس طرح بے ساختہ گرم جوشی سے جذباتی انداز میں انہوں نے ہمارا خیرمقدم کیا اس سے حیرت آمیز خوشی ہوئی۔



بلوچستان مسلم لیگ

یہ واقعہ 1939ء کا ہے۔ بمبئی کے ریس کورس میں ایک باوقار شخص مونوکل لگائے ریس بک ہاتھ میں لیے' مطالعہ میں منہمک تھا۔ قاضی محمد عیسیٰ نے جو اپنے ایک دوست کے ساتھ وہاں گھوم پھر رہے تھے' انہیں پہچان لیا۔ یہ جناحؒ تھے۔ قاضی عیسیٰ نے اپنے ایک دوست سے پوچھا کہ کیا آپ کی ان سے ملاقات ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں کچھ یاد ہے تو چلو۔ ملاقات کرتے ہیں۔ چنانچہ دونوں جناح صاحب کے پاس پہنچے۔ رسمی علیک سلیک کے بعد قاضی عیسیٰ کے دوست نے ان کا تعارف کرایا۔

دوست : یہ میرے دوست بیرسٹر قاضی محمد عیسیٰ ہیں۔ ان کا تعلق بلوچستان سے ہے۔

قائداعظمؒ : (چونک کر) بلوچستان سے۔

قاضی عیسیٰ : جی ہاں سر! سب سے پہلے میں نے آپ کو 1933ء میں (لندن کے ہوٹل) پارک لین میں دیکھا تھا۔ اس وقت سے شوق ملاقات تھا۔

قائداعظمؒ : بڑی خوشی کی بات ہے۔ تم پڑھے لکھے ہو' بلوچستان کے ہو۔ یہ بتاؤ کہ بلوچستان میں مسلم لیگ کیوں نہیں ہے؟ تم یہ کام شروع کرو۔
یہ موقع تو تفصیلی گفتگو کا نہیں ہے۔ آپ دونوں کھانے پر آیئے۔

قاضی عیسیٰ لکھتے ہیں کہ کھانے کے بعد میرا دوست تو اجازت لے کر چلا گیا۔ قائداعظمؒ نے مجھے روک لیا اور چھ بجے شام تک میرے ساتھ لگے رہے۔ جب میں اٹھا تو میں جنم جنم کا مسلم لیگی ہو چکا تھا۔ اکتوبر میں آل انڈیا مسلم لیگ کاؤنسل کا اجلاس ہوا تو اس میں میں نے بلوچستان کی نمائندگی کی۔ قائداعظمؒ نے بھری محفل میں کہا۔

"بلوچستان کے سوا مسلم لیگ ہر جگہ تھی۔ وہاں مسلم لیگ کی تنظیم کا کام اس نوجوان کے سپرد کیا گیا۔ اور وہاں معجزہ ہو گیا ہے۔"

(قائداعظمؒ اپنے معاصرین کی نظر میں' صفحہ 92)



ایک عالم دین سے ملاقات

1942ء میں دہلی' 10 اورنگ زیب روڈ پر قائداعظمؒ کی کوٹھی پر ایک عالم دین مولانا منور الدین ان سے ملنے آئے۔ ان کے پاس نمونے کے طور پر قرآن مجید کے احکامات کی تشریح کے چند اوراق تھے۔

مولانا منور : میں نے قرآن مجید کے تمام واضح احکامات پر جو محکمات کا درجہ رکھتے ہیں' قوانین کی صورت میں پچاس ابواب مرتب کئے ہیں۔

قائداعظمؒ : مثلاً کس طرح؟

مولانا : ہر بات کا عنوان جدا ہے۔ قرآن مجید کی متعلقہ آیات اس عنوان کے تحت درج کی گئی ہیں اور ان سے قوانین اخذ کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کتاب الصلوۃ کے اوراق ہیں' یہ کتاب الزکوۃ کے اس باب میں نکاح کے احکامات ہیں۔

قائداعظمؒ : آپ کی یہ کوشش قابل قدر ہے۔ آپ نے بروقت ایک صحیح قدم اٹھایا ہے جس کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔

اسلام زندگی کا مکمل ضابطہ دیتا ہے اور زندگی کے ہر مرحلہ میں ایک مسلمان کی رہنمائی کرتا ہے۔

آپ کا کام قومی اہمیت کا حامل ہے۔ اگر میں کسی ملک کا سربراہ ہوتا تو میں قانون دانوں کی ایک کمیٹی مقرر کر کے آپ کی کتابوں پر ان کی رپورٹ طلب کرتا اور اس کمیٹی کی سفارش پر اس کو بطور ضابطہ قانون نافذ کر دیتا۔ فی الحال آپ اسلامی ملکوں کے سربراہوں کو ان کی ایک ایک کاپی بھیج دیں۔

اس گفتگو کو محمد شریف طوسی صاحب کے حوالے سے کتاب "قائداعظمؒ کی چند یادیں چند ملاقاتیں" میں نقل کیا گیا ہے۔ (صفحہ 23 - 22)



آپ لوگ دیر سے آئے' اب نہیں ملوں گا

آل انڈیا مسلم لیگ اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا اجلاس ناگ پور دسمبر1941ء میں ہوا تھا۔ سیشن کے آخری روز شام کے پانچ بجے مقامی طلباء کے ایک وفد کو قائداعظمؒ سے ملنا تھا۔ 5 بجے شام کا وقت مقرر تھا۔ طلباء کسی وجہ سے پندرہ منٹ دیر سے پہنچے۔

مطلوب الحسن : سرا طلباء کا وفد اب پہنچا ہے۔ اجازت ہو تو ملاقات کی اجازت دی جائے۔

قائداعظمؒ : نہیں۔ ان سے کہہ دو کہ وہ وقت مقررہ پر نہیں آئے۔ اس لیے اب میں ان سے نہیں مل سکوں گا۔ کل وقت لے کر آئیں۔

اس واقعہ کے راوی عبدالستار صدیقی لکھتے ہیں کہ اگلے روز جب ہم قائد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ میں نے آپ کی بہتری کے لیے ایسا کیا۔ آپ نوجوان ہیں۔ آپ کو وقت کی قیمت کا احساس ہونا چاہیئے۔



پنج تن کے پانچ ستارے

تقسیم ہند کے اعلان کے بعد پاکستان کے پرچم کی صورت و ساخت زیر بحث تھی۔ لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر بھی موجود تھے۔ دوران بحث قائداعظمؒ نے فرمایا

قائداعظمؒ : کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ پاکستان کے پانچ صوبوں کی نمائندگی کے لیے پرچم میں پانچ ستارے رکھے جائیں۔

سردار عبدالرب: پاکستان کے ساتھ ریاستوں کا الحاق ہو گا۔ نیز کئی وجوہات سے صوبوں میں کمی بیشی کا امکان ہے۔ اس لیے اگر یونٹوں کی تعداد میں تبدیلی واقع ہو گئی تو وقتاً" فوقتاً" ستاروں کی تعداد بدلنا پڑے گی اور اگر نہ بدلیں تو پانچ ستارے بے معنی ہو کر رہ جائیں گے۔

قائداعظمؒ : ایسی صورت میں ہم پانچ ستاروں کی توجیہ یہ کریں گے کہ ان سے مراد پنج تن ہیں۔

اگرچہ آخرکار یہی طے پایا کہ پاکستانی پرچم میں ایک ستارہ ہی رہے گا۔ لیکن اس گفتگو سے قائداعظمؒ کے طرز فکر پر روشنی ضرور پڑتی ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی رائے کا پورا احترام کرتے تھے۔

مسلم لیگ، تمناؤں کا مرکز

مسلم لیگ کے سابق جوائنٹ سیکرٹری حسن ملک لکھتے ہیں۔

انگلستان سے مسلم لیگ کی صدارت سنبھالنے کے بعد جب قائداعظمؒ دہلی میں مسلم لیگ اور اسمبلی کی ممبری کے سلسلے میں وقفے وقفے سے طویل عرصے تک رہتے تھے تو کبھی کبھی میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک روز یہ گفتگو ہوئی

حسین ملک : آپ اپنی پریکٹس چھوڑ کر ان سیاسی کاموں کے لیے بمبئی سے دہلی تشریف لائے ہیں۔ آپ کو خاصا مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہو گا۔

قائداعظمؒ : میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ کیونکہ قوم کی خدمت کرنے کا فیصلہ اپنی خوشی سے کیا ہے۔ مسلم لیگ تو میری تمناؤں کا مرکز ہے۔



مسلم لیگ کا کام متاثر نہ ہو

1943ء میں قائداعظمؒ کوئٹہ میں قاضی عیسیٰ کے مہمان تھے کہ لاہور مسلم لیگ کی میٹنگ کی خبر آئی۔

قائداعظمؒ : قاضی! لاہور میں میٹنگ ہے۔ تم فوراً لاہور جاؤ۔

قاضی عیسیٰ : آپ کو یہاں چھوڑ کر کیسے جاؤں۔

قائداعظمؒ : میں تمہارے گھر ٹھہرا ہوں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ادھر مسلم لیگ کا کام متاثر ہو میں یہاں ٹھیک ٹھاک ہوں۔



اب رائے نہیں دیتا' فیصلے کرتا ہوں

کامیاب قیادت خوداعتمادی کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ قائداعظمؒ کی خوداعتمادی ضرب المثل تھی۔

پاکستان بننے سے چند سال پہلے کی بات ہے کہ دہلی میں ایک دعوت میں ایک مہاراجہ نے آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہی۔

مہاراجہ : موجودہ سیاسی صورت حال کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

قائداعظمؒ : وہ دور گزر گیا جب میں رائے کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اب جو میں کہتا ہوں' وہ ہو کر رہتا ہے۔



پاکستان کا بننا ہی میرا صلہ ہو گا

قائداعظمؒ کھاتے بہت کم تھے اور آرام بھی بہت کم کرتے تھے۔ صبح آٹھ بجے ایک انڈا' ایک توس' ایک چائے کی پیالی۔ پھر دوپہر تک کام۔ دوپہر کے ہلکے پھلکے کھانے کے بعد (جس میں اکثر ابلے ہوئے چاول اور بگھارے ہوئے بینگن ہوتے) نصف گھنٹہ آرام۔ پھر دس گیارہ بجے رات تک ہر طرح کی مصروفیات۔

ایک روز ممدوٹ ولا میں رات کے کھانے کی میز پر قائداعظمؒ کے ساتھ رانا نصراللہ خان بھی بیٹھے تھے۔ وہ کئی روز سے قائداعظمؒ کی قلیل غذا اور بے پناہ مصروفیات کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔

رانا نصراللہ : کیا آپ کو ہمیشہ سے اتنا کام کرنے کی عادت ہے؟

قائداعظمؒ : میں جب صرف چھ گھنٹے کام کرتا تھا تو ہزاروں لاکھوں کماتا تھا۔ اب جبکہ میں اٹھارہ گھنٹے کام کرتا ہوں تو مجھے نہیں معلوم کہ کل میری قوم مجھے زندہ باد کہے گی یا مردہ باد۔ لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ قوم مجھے صلہ دیتی ہے یا نہیں' جب پاکستان بن جائے گا اور آپ لوگ پھولیں پھلیں گے تو یہی میرا صلہ ہو گا۔ اس صلے کو میں خود محسوس کروں گا۔

رانا نصراللہ : جناب! قوم تو آپ کو اس وقت بھی اتنی عزت دے رہی ہے کہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل اپنا فرض سمجھتی ہے۔



وقت سے پہلے نہ بعد میں

ایک دفعہ لاہور کے شالیمار باغ میں مسلم لیگی کارکنوں کی طرف سے چائے پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔ قائداعظمؒ حسب معمول پنجاب مسلم لیگ کے صدر اور لیگ کے بہت ہی مخلص کارکن نواب ممدوٹ کے ہاں ممدوٹ ولا میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ پارٹی میں شرکت کے لیے جب قائداعظمؒ ممدوٹ ولا سے روانہ ہوئے تو نواب ممدوٹ نے کار کو خود ڈرائیو کیا۔ شالیمار جب ایک فرلانگ رہ گیا تو قائد نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔

قائداعظمؒ : نواب صاحب! مقررہ وقت میں ابھی پانچ منٹ باقی ہیں۔

نواب ممدوٹ : سر! ہیں تو سہی۔

قائداعظمؒ : آپ یہیں گاڑی روک لیجئے۔ چند منٹ انتظار کرتے ہیں۔ دیر سے جانے کی طرح پہلے پہنچنا بھی اچھا نہیں ہوتا۔



اقلیتوں کا عظیم محافظ

3 جون 1947ء کے اعلان تقسیم ہند کے بعد کا ذکر ہے کہ ایک روز معروف مسلم لیگی کارکن یوسف ہارون نے کراچی کے انگریزی اخبار ڈیلی گزٹ کے ایڈیٹر ایس ایم شرما کو فون کیا کہ قائداعظمؒ کراچی آنے سے پہلے دہلی میں ایک اہم پریس کانفرنس کر رہے ہیں۔ قائداعظمؒ چاہتے ہیں کہ آپ اس میں ضرور شرکت کریں۔ ان کی یہ بھی خواہش ہے کہ آپ کانفرنس شروع ہونے سے ذرا پہلے ان سے ضرور ملیں۔ شرما کراچی سندھ کے مشہور اور باا‌ثر صحافی تھے اور وہ 1917ء سے قائداعظمؒ سے واقف تھے۔ اس پیغام کے لب و لہجہ سے انہیں اندازہ ہوا کہ ضرور کوئی خاص بات ہے۔ غالباً قائداعظمؒ کوئی پالیسی ساز بیان دینے والے ہیں۔ بہرحال تردد اور تجسس کے ملے جلے جذبات کے ساتھ وہ کانفرنس کے وقت سے کوئی آدھ گھنٹہ پہلے دہلی میں 10 اورنگ زیب روڈ پر قائداعظمؒ کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ مختصر سی رسمی گفتگو کے بعد قائداعظمؒ یوں گویا ہوئے۔

قائداعظمؒ : مسٹر شرما! آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ میں نے آپ کو کیوں تکلیف دی؟

شرما : نہیں جناب والا! مجھے نہیں معلوم۔ ویسے اس خصوصی ملاقات کا جو موقع آپ نے مجھے دیا ہے' اس کے لیے میں آپ کا ممنون ہوں۔

قائداعظمؒ : ایک اہم معاملہ ہے جس میں مجھے آپ کا تعاون چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ بدستور کراچی میں رہیں اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان زیادہ اچھے خوش گوار اور پائیدار تعلقات قائم کرنے میں میری مدد کریں۔ اب جبکہ میں نے پاکستان حاصل کر لیا ہے' میرے دل میں ہندوؤں کے خلاف کسی قسم کا کوئی جذبہ نہیں۔ بلکہ اب میں پھر اپنے پرانے اور مشہور' ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے والے سفیر کے تاریخی کردار کی طرف جانا چاہتا ہوں۔

جس طرح کئی سال تک میں ہندوستان میں اقلیتوں کے حقوق کا علمبردار رہا اب میں پاکستان میں ان کے حقوق کا محافظ بننا چاہتا ہوں۔

مائی ڈیئر شرما! سنیئے' (ذرا بلند آواز سے) میں خود اپنے آپ کو پاکستان میں ہندو اقلیت کا ہمہ گیر محافظ بنا رہا ہوں۔

اس کام میں میں آپ کا تعاون چاہتا ہوں۔ اور آپ اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ آپ آج کی پریس کانفرنس میں ضرور موجود رہیں اور جو بھی پریشان کن سوالات آپ کر سکتے ہیں کریں۔ میں ان کا مناسب جواب دوں گا۔



انسانی قوت کا سرمایہ

14 اگست 1947ء کی صبح کراچی میں دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس ہوا۔ قائداعظمؒ نے اپنے اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری فرخ امین کو ساتھ چلنے کے لیے کہا۔

اسمبلی کا یہ اجلاس کراچی میں ان کی پہلی سرکاری مصروفیت تھی۔ سڑک کے دونوں طرف لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا اور فضا قائداعظمؒ زندہ باد اور پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج رہی تھی۔

اس منظر سے متاثر ہو کر قائداعظمؒ نے کہا۔

قائداعظم : مسٹر امین! آپ یہ نظارہ دیکھ رہے ہیں۔

فرخ امین : جی جناب!

قائداعظمؒ : ہمارے پاس انسانی قوت کا کتنا شاندار سرمایہ ہے۔ اگر ہم ان کے جوش کو صحیح راہوں پر لگا سکیں تو پاکستان یقیناً دنیا کی عظیم مملکتوں میں سے ایک ہو۔

اس کے بعد جب قائداعظمؒ کی گاڑی وائی ایم سی اے کی عمارت کے سامنے سے گزری تو اس عمارت کو دیکھ کر قائداعظمؒ نے فرخ امین سے کہا:

"وائی ایم سی اے تنظیم کی ایک بڑی اچھی مثال ہے۔ تھوڑے سے افراد نے دنیا کے کونے کونے میں اس کی شاخیں قائم کر دی ہیں۔"

اس گفتگو کو فرخ امین نے نومبر 1948ء میں قلم بند کیا تھا اور یکم ستمبر 1947ء کے اخبار "خدمت" میں اس کو دوبارہ شائع کیا گیا۔



ہم کسی غیر کے محتاج نہیں

قائداعظمؒ کے معالج ڈاکٹر ریاض علی شاہ' قائداعظمؒ کے آخری ایام میں لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کو کریون اے کے سگریٹ بہت پسند تھے۔ جب صحت اچھی تھی تو یہی سگریٹ پیا کرتے تھے کوئٹہ میں اپنی آخری علالت کے زمانے میں انہوں نے یہ سگریٹ پینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن کوئٹہ میں تلاش کرنے کے باوجود اس برانڈ کے سگریٹ نہیں ملے۔ کرنل ڈاکٹر الٰہی بخش نے سنا تو کہا۔

ڈاکٹر : میں نے ایک دکان پر "کریون اے" کے سگریٹ دیکھے تھے۔ اجازت ہو تو میں خود ہی جا کر لے آؤں۔ ویسے کیا ہی اچھا ہو کر ہم پاکستان میں سگریٹوں کی فیکٹری کھول لیں اور بہترین تمباکو در آمد کر کے پاکستان میں سگریٹ تیار کریں۔

قائداعظمؒ : (قدرے جوش سے) ہم امریکہ کے محتاج نہیں۔ پاکستان میں اچھا تمباکو ہوتا ہے۔ ہم چاہیں تو بہترین تمباکو پیدا کر سکتے ہیں اور اسے ترقی دے کر برآمد بھی کر سکتے ہیں۔ میری تمنا ہے کہ پاکستان ضروریات زندگی کے لیے دوسرے ملکوں کا محتاج نہ رہے۔ بلکہ پاکستان میں ہر چیز پیدا ہو۔ ملک کی دولت ملک میں ہی رہے۔



پاکستان کی تعبیر

ستمبر 1947ء کے اواخر میں کراچی کے مہاجروں کا ایک وفد قائداعظمؒ کی خدمت میں اپنی داستان الم سنانے اور اپنی عرض داشت پیش کرنے حاضر ہوا۔

ان کی باتیں سننے اور ان کی عرض داشت پڑھنے کے بعد قائداعظمؒ نے پاکستان کی صورت حال پر سیر حاصل تبصرہ کرتے ہوئے کہا

قائداعظمؒ : آخر میں میں بھی آپ سے ایک بات کہتا ہوں۔

آپ جو بھی ہیں اور جہاں بھی ہیں اور جو کام آپ کے سپرد کیا گیا ہے' اسے دیانت داری اور محنت سے انجام دیجئے۔

یہ میرا پیغام ہے جو آپ گھر گھر پہنچائیں۔ جو ملے اسے بتائیں۔ اگر ہر شخص نے

اس پر عمل کیا تو انشاء اللہ پاکستان کا مستقبل بہت روشن ہو گا۔

یہ پیغام اس وفد کے ایک رکن مسعود قریشی نے بیان کیا۔



ہم سب کو بہت کام کرنا ہے

سقوط حیدر آباد دکن سے پہلے پاکستان میں حیدر آباد کے ایجنٹ جنرل مشتاق احمد خان ایک اہم سفارت کے سلسلے میں قائداعظمؒ کی خدمت میں باریاب ہونے کے لیے زیارت پہنچے۔ کراچی سے کوئٹہ تک ہوائی سفر کے لیے زیارت تک کا پہاڑی راستہ کار میں طے کیا تھا۔ وہ خود تھکے ہوئے تھے اور وقت بھی ناوقت تھا۔ لیکن کام کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ قائداعظمؒ سے فوراً ملنا ضروری تھا۔ قائداعظمؒ نے انہیں شرف ملاقات بخشا اور پانچ منٹ میں ان کی بات کا قطعی جواب دے دیا۔ اور جب رخصت ہونے لگے تو پوچھا۔

قائداعظمؒ : کیا سیدھے واپس جاؤ گے؟

مشتاق احمد : جی ہاں۔

قائداعظمؒ : ٹھیک ہے۔ ہم سب کو بہت کام کرنا ہے۔ وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

یہ مشورہ قائداعظمؒ اس وقت دے رہے تھے جبکہ وہ خود اس حد تک بیمار تھے کہ معالجوں نے انہیں نہ صرف کام کرنے سے بلکہ ملاقاتیوں سے ملنے سے بھی منع کر رکھا تھا۔



آپ جہاں بھی ہیں

اواخر ستمبر 1945ء میں قائداعظمؒ تبدیلی آب و ہوا کے لیے کوئٹہ کے ایک بنگلہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کے کوئٹہ میں آنے کی خبر سن کر ایک صاحب منظور طارق نامی صبح سویرے ان کا آٹو گراف لینے بنگلہ پر پہنچ گئے۔ پہلے ان کی ملاقات قائداعظمؒ کے سیکرٹری کے ایچ خورشید سے ہوئی۔ انہوں نے منظور طارق کو بتایا کہ قائداعظمؒ کا حکم ہے کہ لنچ سے پہلے کوئی انہیں نہ ملے اور لنچ کے بعد ان سے ملاقات ممکن نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ اس روز ان سے کئی وفد ملاقات کرنے والے ہیں۔ منظور طارق مایوس ہو کر لوٹنے ہی والے تھے کہ اچانک قائداعظمؒ شب خوابی کے لباس میں برآمدے میں نظر آئے۔ انگریزی میں پوچھا۔

"خورشید! کیا ماجرا ہے؟"

کے ایچ خورشید نے جواب دیا۔

"سر! یہ صاحب مصر ہیں کہ آپ کے دستخط لے کر ہی جائیں گے۔
میں انہیں سمجھا رہا ہوں کہ ......"

ابھی خورشید صاحب نے جملہ ختم بھی نہیں کیا تھا کہ انہوں نے کہا۔

"انہیں اندر آنے دو۔"

جب یہ صاحب ایک وسیع و عریض کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ قائداعظمؒ ایک صوفے پر دراز ہیں اور ہاتھ میں کوئی اخبار ہے۔ جیسے ہی انہوں نے ان کو دیکھا تو سلام کرنے میں پہل کی۔ اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ پھر یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : نوجوان تمہیں علم ہے کہ میں نے لنچ سے پہلے ملنے پر پابندی لگائی تھی۔ تمہیں ڈسپلن کی پابندی کرنی چاہیئے تھی۔

منظور طارق : معذرت چاہتا ہوں۔ مجھے اس پابندی کا علم نہ تھا۔ میں واپس جانے ہی والا تھا کہ آپ کی نظر پڑ گئی اور آپ نے بلا لیا۔

قائداعظمؒ : کیا چاہتے ہو؟

منظور طارق : آپ کا آٹوگراف لینے حاضر ہوا تھا۔

قائداعظمؒ : کیا کام کرتے ہو؟

منظور طارق : جی میں سرکاری ملازم ہوں۔

قائداعظمؒ : پاکستان اور مسلم لیگ کے لیے کیا کر رہے ہو؟

منظور طارق : جناب والا! پاکستان کو ہم دل و جان سے چاہتے ہیں۔
انشاء اللہ آپ کی قیادت میں ہم اسے حاصل کر کے دم لیں گے۔ لیکن جہاں تک مسلم لیگ کے لیے کام کرنے کا تعلق ہے۔ میری مجبوری یہ ہے کہ میں سرکاری ملازم ہوں اور کسی سیاسی تحریک میں عملاً" حصہ نہیں لے سکتا۔

قائداعظمؒ : آپ جہاں ہیں اور جس جگہ ہیں' محنت اور دیانتداری سے کام کیجئے۔ انشاء اللہ پاکستان بن کر رہے گا۔ اپنے آپ کو پاکستان کا مفید شہری بنانے کی تیاریاں ابھی سے شروع کر دیجئے۔

اس کے بعد قائداعظمؒ نے ان کی آٹوگراف کی کتاب پر اپنے مخصوص انداز میں "ایم اے جناح" لکھا اور کتاب ان کو واپس کر دی۔ یہ واقعہ "زندہ قائداعظمؒ" نامی کتاب میں مذکورہ ہے۔



معلوم کر کے بتانا

یہ واقعہ 25 اگست 1947ء کا ہے۔ کراچی کے حکیم محمد احسن نے قائداعظمؒ کے اعزاز میں ایک بڑے استقبالیہ کا اہتمام کیا تھا اور وہ خود ان کے لیے کافی بنا رہے تھے۔

قائداعظمؒ : احسن! کیا پاکستان میں کافی پیدا ہوتی ہے؟

حکیم احسن : کافی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ چائے البتہ سلہٹ کے باغات میں کثرت سے کاشت کی جاتی ہے۔

قائداعظمؒ : وہ تو مجھے پتہ ہے۔ لیکن کافی کے بارے میں معلوم کر کے مجھے بتانا۔

11 ستمبر 1983ء کے ٹی وی پروگرام میں حکیم محمد احسن نے یہ واقعہ بیان کیا۔



آپ کا یہ نکتہ تسلیم کرتا ہوں

نومبر 1942ء میں پنجاب میں لیگ کانفرنس کی صدارت کے لیے خواجہ ناظم الدین کو دعوت دی گئی تھی۔ شرکاء میں قائداعظمؒ کے علاوہ پنجاب کے وزیراعلیٰ سر سکندر حیات خان کا نام بھی شامل تھا۔ ان

ہی دنوں سر سکندر کا ایک بیان شائع ہوا جو مطالبہ پاکستان کے لیے مضر ہو سکتا تھا۔ قائداعظمؒ نے اس کا نوٹس لیا اور اظہار ناراضی کے طور پر کانفرنس کے منتظمین سے کہا کہ اگر کانفرنس کے کھلے اجلاس میں سر سکندر نے تقریر کی تو پھر میرے لیے اس میں تقریر کرنا بہت مشکل ہو گا۔ مسلم لیگ کا جلسہ ہو اور قائداعظمؒ اس میں تقریر نہ کریں' یہ کیسے ممکن تھا۔ منتظمین نے فوراً" خواجہ صاحب سے رابطہ قائم کیا اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ اسی وقت قائداعظمؒ کی قیام گاہ پر پہنچے۔

ناظم الدین : اگر آپ نے تقریر نہ کی تو بڑی پریشان کن صورت حال پیدا ہو جائے گی اور لوگوں کو شدید مایوسی ہو گی۔ کانفرنس کا پروگرام شائع ہو چکا ہے جس میں آپ کا اور سر سکندر کا نام شامل ہے۔

قائداعظمؒ : آپ نے سکندر کا بیان پڑھا ہے؟

ناظم الدین : جی ہاں۔ افسوس ناک بات ہے لیکن اس معاملہ میں میری آخری دلیل یہ ہے کہ میں کانفرنس کا صدر ہوں اور مقرروں کو تقریر کرنے کے لیے بلانا میرا استحقاق ہے۔

قائداعظمؒ آپ کا یہ آئینی نکتہ میں تسلیم کرتا ہوں اور اگر آپ بحیثیت تقریب کے صدر کے کہتے ہیں تو میں ضرور تقریر کروں گا۔

چنانچہ انہوں نے جلسہ میں تقریر کی اور سر سکندر نے اپنی تقریر میں اپنے بیان کی وضاحت پیش کی۔ یہ واقعہ خواجہ ناظم الدین کے حوالہ سے "قائداعظمؒ کی چند یادیں چند ملاقاتیں" میں شائع ہوا۔



محاذ جنگ تو خالی پڑا ہے

قیام پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے قائداعظمؒ 1946ء کے کلیدی انتخابات کے سلسلہ میں لاہور تشریف لائے تو حسب دستور ممدوٹ ولا میں ٹھہرے۔ اسلامیہ کالج کے گراؤنڈ میں جلسہ ہوا تو خاکساروں نے اس میں گڑ بڑ کرنے کی کوشش کی۔ قائداعظمؒ کو بحفاظت ممدوٹ ولا پہنچا دیا گیا۔ لیکن وہ جلسہ گاہ سے جاتے ہوئے کارکنوں کو ہدایت کرتے گئے کہ جواباً" علامہ مشرقی کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ پھر بھی فضا میں خاصا کھنچاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ خضر وزارت کا رویہ بھی معاندانہ تھا۔ ادھر یہ سر پھرے تھے۔اس لیے طلباء نے ضروری سمجھا کہ وہ ممدوٹ ولا پر دن رات حفاظتی پہرہ دیں۔ چنانچہ یہ پہرہ داری شروع ہو گئی۔

اسی زمانہ کا واقعہ ہے کو یکایک رات کے تقریباً ڈیڑھ بجے کہیں قریب ہی سے "علامہ مشرقی زندہ باد' خاکسار تحریک زندہ باد' قائداعظم مردہ باد" کے نعرے بلند ہونے لگے۔ ڈیوٹی کے طلباء ایک دم ادھر بھاگے۔ شور سن کر قائداعظمؒ اپنے کمرے سے باہر آئے۔ وہ اس وقت بھی نیوی بلیو سوٹ اور سیاہ بوٹ پہنے ہوئے تھے۔ گویا کام میں مصروف تھے۔ باہر برآمدہ میں نواب ممدوٹ کے چچا کھڑے تھے۔

قائداعظمؒ : نواب صاحب! یہ لڑکے کہاں گئے؟

نواب صاحب : ڈیوس روڈ کی طرف بھاگ کر گئے ہیں۔ ادھر ہی سے آوازیں آ رہی تھیں۔

قائداعظمؒ : میرا تو خدا حافظ ہے۔ لیکن یہ کتنی دلچسپ بات ہے کہ محاذ جنگ تو سارے کا سارا خالی پڑا ہے اور فوجیں پہلی ڈیفنس لائن کی طرف بھاگ گئی ہیں۔
(کچھ دیر سے جب نعروں کا ہنگامہ ختم ہوا تو کچھ طلباء اپنی ڈیوٹی پر واپس پہنچ گئے)۔

قائداعظمؒ : (طلباء سے نہایت شفقت آمیز لہجے میں)
میرے پیارے بیٹو! جاؤ آرام سے سو جاؤ۔
جب تک میرا خدا میرے ساتھ ہے' مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور میں انشاء اللہ پاکستان کو اپنی زندگی میں قائم ہوتے دیکھوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ میرا اللہ مالک ہے۔

یہ واقعہ عبدالرؤف شہاب مفتی کے سامنے کا ہے جو انہوں نے اپنے مضمون "قائداعظم کی باتیں" میں نقل کیا ہے۔

(چند یادیں' چند ملاقاتیں' صفحہ 156)



مسلمانوں کا تنہا وکیل!

1945ء میں شملہ کانفرنس سے چند روز پہلے فقیر سید وحیدالدین قائداعظمؒ کے نیازمند سید واجد علی شاہ کے ہمراہ قائداعظمؒ کی قیام گاہ مالا بار ہل' بمبئی پہنچے۔ قائداعظمؒ ان دنوں کانفرنس کی وجہ سے بہت مصروف تھے۔ لیکن سید واجد علی کی مروت سے چند منٹ ملاقات کے لیے دے دیئے۔

واجد علی : معذرت خواہ ہوں کہ اس وقت آپ کے کام میں مخل ہوئے۔ آپ بہت مصروف ہیں۔

قائداعظمؒ : یہ شملہ کانفرنس کی تیاری ہے۔

واجد علی : اس کانفرنس کا بڑا غلغلہ ہے۔

قائداعظمؒ : ہاں سیاسی مذاکرات میں یہ ایک اہم موڑ ہے۔ میں آج ہی کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے شملہ روانہ ہو رہا ہوں۔ دیکھو میں یہاں تنہا بیٹھا ہوں اور مسلمانوں کا پورا مقدمہ تیار کر رہا ہوں اور عین اس مکان کے سامنے انڈین کانگریس کے بہترین دماغ مل جل کر جواب دعویٰ تیار کر رہے ہیں۔

اس واقعہ کے بارے میں فقیر سید وحید الدین لکھتے ہیں۔

"میں نے اس مختصر ملاقات میں محسوس کیا کہ اتنی بھاری ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر اٹھانے کے باوجود وہ پرامید ہیں اور کسی قیمت پر بے یقینی اور اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ انہیں اسی دن سفر کرنا تھا اور سفر بھی کس قدر ہنگامہ آفریں سفر۔ انؔ کی مصروفیات بھی غیر معمولی تھیں۔ اس کے باوجود انہوں نے ملاقات کے دوران اپنے اضطراب، عجلت اور بڑھی ہوئی مصروفیت کا احساس ہمیں نہیں ہونے دیا۔ ان کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اپنے اضطراب کو شاید نہ چھپا سکتا۔"



علماء کرام کے اعتماد کی وجہ

پاکستان بننے سے پہلے صوبہ سرحد میں وہ تاریخی ریفرنڈم ہونے والا تھا جس میں صوبے کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ قائداعظمؒ جب وہاں دورے پر تشریف لے گئے تو صوبے کے تقریباً سب ہی جید علماء اور بارسوخ مشائخ جو اس سے پہلے اکثر ان کے خلاف بیانات دیتے رہتے تھے، اس موقع پر بڑے ذوق و شوق سے ان کے ہم رکاب ہو گئے۔ سردار عبدالرب نشتر کو جو قائداعظمؒ کے معتمد رفیق کار تھے، صورت حال کے یکایک اس طرح بدل جانے سے ایک لحاظ سے بڑا خوش گوار تعجب ہوا۔ دورے کے اختتام پر ان کی قائداعظمؒ سے یہ گفتگو ہوئی۔

سردار نشتر : سر! آپ اجازت دیں تو ایک ذاتی سوال پوچھوں۔

قائداعظمؒ : جی پوچھیے۔

سردار نشتر : یہ علماء اور مشائخ جو اس دورے میں اس جوش و خروش سے آپ کے ساتھ ساتھ رہے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو اس سے پہلے اکثر آپ کے خلاف بیان دیتے

رہے ہیں۔ اور ایک خاص دلیل کو بار بار دہراتے رہے ہیں۔

قائداعظمؒ : کون سی دلیل۔

سردار نشتر : یہی کہ مسلمانوں کی قیادت کا جو معیار بزرگان دین متعین کر گئے ہیں آپ اس پر پورے نہیں اترتے ---- میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس اعتراض کے باوجود اس تاریخی دورے میں یہ لوگ آپ کے ساتھ کیوں رہے۔

قائداعظمؒ : (اپنے مخصوص انداز میں مسکرا کر) مائی بوائے' میں ان بزرگوں کے انداز فکر کو خوب سمجھتا ہوں۔ لیکن اس معیار قیادت پر پورا اترنے کا میں دعوی بھی نہیں کرتا۔ یہ قابل احترام شخصیتیں اس عظیم تحریک میں اس لیے مجھ سے تعاون کر رہی ہیں کہ غالباً" ان سب کو یہ یقین ہے کہ میں قوم کو کسی قیمت پر فروخت نہیں کروں گا۔



چہرہ شناسی بھی ایک علم ہے

1944ء میں کشمیر میں ڈھائی ماہ گزارنے کے بعد قائداعظمؒ مری اور پنڈی کے راستے لاہور واپس جا رہے تھے۔ راولپنڈی ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری سید مصطفے شاہ گیلانی نے ان کے راولپنڈی میں استقبال' جلسے جلوس اور مختصر قیام کے انتظامات کئے۔اس قیام کے دوران ایک خاص بات یہ ہوئی کہ قائداعظمؒ نے ضلع مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے اراکین کے ساتھ فوٹو کھنچوانے سے صاف انکار کر دیا جبکہ دوسرے عام طلباء کے ساتھ بخوشی فوٹو کھنچوایا۔ اس سلسلے میں مصطفے شاہ گیلانی نے موقع پا کر قائداعظمؒ سے گفتگو کی۔

مصطفیٰ گیلانی : سر! میں وہ راز جاننا چاہوں گا جس کی وجہ سے ہماری ورکنگ کمیٹی کو آپ نے اپنے ساتھ فوٹو کھنچوانے کا موقع نہیں دیا بلکہ بار بار انکار کیا جبکہ ان عام طلباء کو آپ نے بکمال مہربانی نوازا۔

قائداعظمؒ : اگر آپ مصر ہیں تو سن لیجئے۔ آپ کا صدر مسٹر جان ایڈووکیٹ مسلم لیگ کے ساتھ مخلص نہیں۔ وہ میرے ساتھ تصویر اپنے ذاتی مفاد کے لیے اتروانا چاہتا تھا۔ ورنہ آپ چاہیں تو میرے ساتھ تصویریں اتروائیں۔

مصطفیٰ گیلانی : آپ نے تو علم نجوم کی بات کہہ دی۔

قائداعظمؒ : چہرہ شناسی بھی ایک علم ہے۔ وقت آپ کو بتا دے گا کہ یہ شخص مسلم لیگ سے مخلص نہیں۔

مصطفیٰ شاہ گیلانی لکھتے ہیں کہ کمرے میں پہنچ کر انہوں نے ورکنگ کمیٹی کے ارکان کے متعلق دریافت کیا۔ میں نے بتایا کہ وہ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ تمام ارکان وہاں پہنچ گئے۔ ان میں کمیٹی کے صدر مسٹر جان نہیں تھے۔ قائداعظمؒ نے سب سے ہاتھ ملایا اور فرمایا۔

قائداعظمؒ : آپ لوگ جماعت کے محسن ہیں۔ میں نے جو رویہ اختیار کیا وہ اس شخص کی وجہ سے تھا جو یہاں موجود نہیں۔ وہ میری تصویر کو غلط طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اب آپ چاہے جتنی تصویریں بنوا لیں۔

قائداعظمؒ کا قیافہ صحیح ثابت ہوا۔ دوسرے تیسرے دن مسٹر جان نے راولپنڈی مسلم لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے کر یونینسٹ پارٹی سے سودا کر لیا کہ انہیں ایڈووکیٹ جنرل بنا دیا جائے۔



قائداعظمؒ "گرے ولف"

نومبر 1932ء میں مصطفیٰ کمال کی سوانح حیات "گرے ولف" پر ایک تبصرہ لندن کے اخبار "دی ٹائمز" کے ادبی ضمیمے میں شائع ہوا۔ قائداعظمؒ بھی اس زمانے میں اپنی بیٹی رینا کے ساتھ لندن میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ تبصرہ پڑھا تو فوراً" کتاب خریدی اور جب تک ختم نہ کر لی' اٹھے نہیں۔ جب پڑھ چکے تو بیٹی کو آواز دی۔

قائداعظمؒ : رینا بیٹی' ادھر آؤ۔

رینا : جی!

قائداعظمؒ : لو بیٹی! اسے پڑھو۔ یہ بہت اچھی کتاب ہے۔

رینا کی عمر اس وقت 13 برس تھی۔ اس نے کتاب کو کتنا پڑھا اور کتنا سمجھا یہ تو الگ بات ہے۔ لیکن قائداعظمؒ کا "گرے ولف" کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ ایک اچھی کتاب ہے ان کی شخصیت کے مطالعہ کے لیے کچھ معنی رکھتا ہے۔

یہ واقعہ ہیکٹر بولائیتھو کی کتاب "جناح" دی کریئٹر آف پاکستان" سے ماخوذ ہے' ہیکٹر بولا

ئیتھو نے مزید لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد کئی دن تک وہ برابر کمال اتاترک کا ذکر کرتے رہے۔ " گرے ولف" کا بار بار ذکر کرنے پرَ ان کی لاڈلی لیکن ذہین بچی انہیں "گرے ولف" ہی کہنے لگی۔ ریتا ان دنوں سکول سے چھٹیاں گزارنے گھر آئی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی وہ ان کے ہاتھ سے کاغذات لے کر کہتی "گرے ولف" مجھے پیسوامئم دکھا کے لائیں۔ آخر میں بھی تو چھٹیاں منانے یہاں آئی ہوں۔"



باب چہارم

بساط سیاست

خوشا! وہ قافلہ جسکے امیر کی ہے متاع
تخیل ملکوتی و جذبہ ہائے بلند
اقبال

پاکستان کی نظریاتی بنیاد

تحریک پاکستان کے ایک کارکن ڈاکٹر سید بدرالدین احمد نے ایک مشہور مسلم لیگی اخبار "ڈان" کے ایڈیٹر مسٹر الطاف حسین سے بعض سیاسی مسائل پر تبادلہ خیالات کیا۔ لیکن تشفی نہ ہوئی تو قائداعظمؒ کی خدمت میں 26 نومبر 1946ء کو حاضر ہوئے۔ اس وقت قائداعظمؒ راجہ غضنفر علی خان اور مولوی تمیز الدین خان سے مصروف گفتگو تھے۔ ان سے فارغ ہونے کے بعد بدرالدین کی طرف متوجہ ہوئے۔

قائداعظمؒ : مجھے مسٹر الطاف حسین نے آپ کے بارے میں فون کیا ہے۔ آپ کی ان سے گفتگو ہو چکی ہے؟

بدرالدین : جی ہاں۔ میں کچھ مطمئن نہ ہو سکا۔ اس لیے انہوں نے آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔

قائداعظمؒ : سب سے پہلے تو یہ کہ آپ یہ چند قرآنی آیات نوٹ کر لیجئے اور ان کا ترجمہ بھی ذہن نشین کر لیجئے۔

ان الدین عند اللہ الاسلام ومن یبتغ غیر الاسلام دینا" فلن یقبل منه وھوفی الاخرۃ من الخسرین ○ پ 2' آخری رکوع

ترجمہ "بلاشبہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی پیروی کرے گا تو اس کی یہ پیروی قبول نہیں کی جائے گی اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو گا۔"

مسٹر بدر! میرا ایمان ہے کہ قرآن و سنت کے زندہ جاوید قانون پر مبنی ریاست پاکستان' دنیا کی بہترین اور مثالی ریاست ہو گی۔ میں کسی ازم پر یقین نہیں رکھتا۔ میں اسلام کے کامل نظام زندگی پر ایمان رکھتا ہوں۔ مجھے اقبالؒ سے پورا اتفاق ہے کہ دنیا کے تمام مسائل کا حل اسلام سے بہتر کہیں نہیں ملتا۔ انشاء اللہ پاکستان کے نظام حکومت کی بنیاد لا الہٰ الا اللہ ہو گی اور یہ ایک فلاحی و مثالی ریاست ہو گی۔ پاکستان میں کمیونزم یا سرمایہ دارانہ نظام کی کوئی جگہ نہیں۔ لیکن مجھے پختہ یقین ہے کہ خداوند کریم اسے ہمیشہ قائم و دائم رکھے گا۔

--○--

اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں جدوجہد

اواخر دسمبر 1937ء میں قائداعظمؒ دہلی میں اپنی اورنگ زیب روڈ والی کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ ایک شام مشہور دینی علمی رسالے "طلوع اسلام" کے مدیر غلام احمد پرویز ان سے ملنے آئے۔ رسمی علیک سلیک کے بعد منصب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر گفتگو ہونے لگی۔ گفتگو کے دوران پرویز صاحب نے کہا۔

غلام احمد پرویز : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی اپنے مقصد کے حصول کے لیے جانکاہ مشقتیں اٹھاتے گزر گئی۔ ایسا نظر آتا ہے کہ شاید کسی وقت حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دل میں یہ خیال گزرا کہ بارالٰہا! میں اپنے مقصد کو اپنی آنکھوں کے سامنے حاصل ہوتے دیکھوں گا یا میری زندگی اسی تگ و دو میں گزر جائے گی؟

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب یہ ملا۔

وان مانرينك بعض نعدهم اونتو فينك فانما عليك البلغ وعلينا الحساب

ترجمہ "جو کچھ تمہارے پروگرام کے مخالفین سے کہا جا رہا ہے وہ خواہ ہم تمہارے جیتے جی دکھا دیں یا اس کے ظہور میں آنے سے پہلے ہم تمہیں اٹھا لیں، بہرحال تمہارا کام اس کام کو عام کئے جانا ہے۔ یہ دیکھنا ہمارا کام ہے کہ ہمارے قانون مکافات کے مطابق اس کا نتیجہ کب سامنے آتا ہے۔"

قائداعظمؒ : میں سوچتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایسی عظیم ہستی کے لیے بھی ذرا سی رعایت نہ برتی اور صاف کہہ دیا کہ جو کچھ ہو گا وہ ہمارے قانون کے مطابق ہو گا۔ خواہ تمہاری زندگی میں ہو خواہ اس کے بعد۔ تو ہم عاجز کس شمار میں ہیں۔ وہ ہماری خاطر کیوں اپنے قانون میں رعایت برتنے لگا۔ اس لیے معلوم نہیں کہ ہم اپنی آنکھوں سے پاکستان بنتے دیکھ سکیں گے یا نہیں۔

غلام احمد پرویز : لیکن حضور ﷺ کے مقصد کا حصول تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی ہو گیا تھا۔

قائداعظمؒ : یہ الگ بات ہے۔ لیکن خدا نے اپنے قانون میں تو کوئی رعایت نہیں برتی تھی (کچھ سوچنے کے بعد)

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قانون خداوندی کے بے لچک ہونے کے ساتھ

ساتھ ہمیں اپنے سامنے اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھنا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ جواب ملنے کے بعد اپنی تگ و تاز میں کسی قسم کی کمی نہیں کی تھی۔ ہمیں بھی اپنی جدوجہد بدستور جاری رکھنی چاہیئے اور ہمیں اپنے مقصد کی صداقت پر یقین محکم ہونا چاہیئے۔



ایک خدا' ایک رسول' ایک کتاب اور ایک قوم

1942ء میں قائداعظمؒ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے لیے الہ آباد آئے۔ اسٹیشن پر مشتاق دید مسلمانوں کا بے پناہ ہجوم تھا جس کی وجہ سے بدنظمی ہونا قدرتی بات تھی۔ قائداعظمؒ نے اپنے سیلون کے دروازے پر کھڑے ہو کر بدنظمی کا مظاہرہ دیکھا تو انگشت اٹھا کر صرف اتنا کہا۔

"ڈسپلن!"

اور یہ اشارہ پا کر جو جہاں تھا بیٹھ گیا۔ ان میں شہری مسلمان ہی نہیں' آس کے ان پڑھ دیہاتی بھی تھے۔ سٹیشن پر یکایک ایسا سکوت چھا گیا جیسے کوئی آبشار رک گیا ہو۔ قائداعظمؒ دوبارہ اپنے سیلون کے دروازے پر آئے۔

قائداعظمؒ : ایک خدا' ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم' ایک کتاب اور ایک قوم۔ متحد ہو جاؤ' متحد!



ایک خدا' ایک رسول' ایک ملت!

پاکستان کے مقاصد کے بارے میں قائداعظمؒ کا ذہن بہت صاف تھا۔ 1945ء میں فرنٹیئر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کو اپنے پیغام میں انہوں نے فرمایا۔ پاکستان ہمارے لیے صرف آزادی کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ مسلم آئیڈیالوجی بھی ہے جس کا تحفظ ہمارا فرض ہے۔ اسی طرح مسلم لیگ کے کراچی اجلاس 1943ء میں انہوں نے نہایت خوب صورت انداز میں کہا تھا۔

قائداعظمؒ : وہ کونسا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہو جاتے ہیں' وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ' وہ چٹان'

وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن مجید ہے۔ ایک خدا' ایک رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم' ایک امت۔



پاکستان کا دستور

1942ء کا واقعہ ہے کہ قائداعظمؒ الہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس کے سلسلے میں نواز سر محمد یوسف کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ وکلاء کا ایک وفد ملاقات کے لیے آیا۔

ارکان وفد : پاکستان کا دستور کیسا ہو گا؟ کیا پاکستان کا دستور آپ بنائیں گے؟

قائداعظمؒ : پاکستان کا دستور بنانے والا میں کون ہوں۔ پاکستان کا دستور تو تیرہ سو سال پہلے ہی بن گیا تھا۔

27 جولائی 1944ء کو قائداعظمؒ کشمیر سے راولپنڈی پہنچ رہے تھے۔ راولپنڈی کے بہت سے مسلمانوں نے مری اور تریٹ پہنچ کر ان کا استقبال کیا۔

قائداعظمؒ کا رات کا کھانا ڈھیری حسن آباد میں عبدالغنی ٹھیکیدار کے ہاں تھا کھانے کی میز پر راولپنڈی مسلم لیگ کے صدر محمد جان بیرسٹر نے پوچھا۔

محمد جان : سر! آپ جو پاکستان بنانا چاہتے ہیں اس کا دستور کیا ہو گا؟

قائداعظمؒ : یہ تو اس وقت کی دستور ساز اسمبلی کا کام ہے۔ میں کیا بتا سکتا ہوں۔

محمد جان : اگر ہم فرض کر لیں کہ آپ کی موجودگی میں پاکستان بنتا ہے اور آپ اس ملک کے سربراہ ہیں تو پھر دستور کی حیثیت کیا ہو گی؟

قائداعظمؒ : اس کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیئے۔ آپ کے پاس تیرہ سو سال سے دستور موجود ہے۔

محمد جان : اس دستور کو غیر مسلم بھی تسلیم کریں گے؟

قائداعظمؒ : میں قرآن کا بہت بڑا عالم ہونے کا دعویدار تو نہیں لیکن قرآن کا جتنا علم مجھے ہے میں اس کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ قرآنی دستور تو وہ ہے جس کے متعلق غیر مسلم خود کہیں گے کہ یہ ہم پر لاگو کیا جائے۔

محمد جان : قرآن میں شراب ممنوع ہے۔ کیا پاکستان میں شراب بند ہو گی؟

قائداعظمؒ : بے شک پاکستان میں شراب پر پابندی ہو گی۔



قرآن حکیم کے ہوتے ہوئے تمہیں ڈر کس کا ہے

ایک دفعہ میاں بشیر احمد، قائداعظمؒ سے ملنے ان کی کوٹھی 10 اورنگ زیب روڈ، دہلی میں حاضر ہوئے۔ تحریک پاکستان پر گفتگو ہو رہی تھی۔

میاں بشیر : لوگ کہتے ہیں لاہور ریزولیوشن تو پاس ہو گیا لیکن پاکستان شاید سو برس میں بن سکے گا۔ ہماری قوم میں بڑی کمزوریاں ہیں۔ ہم پاکستان کیسے بنا سکیں گے؟

قائداعظمؒ : (میز پر رکھے قرآن مجید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) جب ہمارے پاس یہ کتاب موجود ہے میاں صاحب! تو پھر ہمیں کسی چیز سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

آفتاب احمد اپنی کتاب "قائداعظمؒ چند یادیں، چند ملاقاتیں" میں میاں بشیر احمد کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ میاں صاحب نے مزید کہا کہ اس سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ اتنے راسخ العقیدہ مسلمان ہیں۔ وہ دراصل اپنی مذہبیت کی نمائش نہیں کرنا چاہتے تھے۔



قرآنی آئین

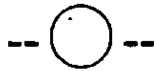
اواخر جولائی 1947ء کا واقعہ ہے کہ قائداعظمؒ دہلی میں 10 اورنگ زیب روڈ پر اپنی کوٹھی میں قیام پذیر تھے اور قیام پاکستان سے متعلق معاملات کو سلجھا رہے تھے کہ علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے چند رفقاء کے ساتھ ملاقات کے لیے تشریف لائے۔

علامہ عثمانی : آپ کو قیام پاکستان مبارک ہو۔

قائداعظمؒ : مبارکباد کے مستحق تو آپ لوگ ہیں جنہوں نے تحریک پاکستان کو کامیاب کرنے کی بھرپور جدوجہد کی۔

علامہ عثمانی : اب جبکہ اللہ کے فضل و کرم سے پاکستان بن رہا ہے آپ یہ فرمائیں کہ پاکستان میں آئین کون سا ہو گا؟

قائداعظمؒ : پاکستان میں قرآنی آئین ہو گا۔ میں نے قرآن پاک مع ترجمہ پڑھا ہے اور میں پختہ یقین رکھتا ہوں کہ قرآنی آئین سے بڑھ کر کوئی آئین نہیں ہو سکتا۔ میں نے مسلمانوں کا سپاہی بن کر پاکستان کی جنگ جیتی ہے۔ قرآنی آئین کا ماہر میں نہیں' آپ اور آپ جیسے علماء ہیں۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ دوسرے علماء کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھیں اور اپنے نئے ملک پاکستان کے لیے قرآنی آئین کا مسودہ تیار کریں۔



مذہبی حکومت کے لوازم

اگست 1941ء میں قائداعظمؒ حیدر آباد دکن تشریف لے گئے تو چند طلباء نے آپ سے انٹرویو کیا۔

طلباء : جناب! مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

قائداعظمؒ : انگریزی میں مذہب کا لفظ بندے اور خدا کے تعلق کے بہت محدود مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اسلام میں مذہب کا تصور بہت مختلف اور بہت وسیع ہے۔ میں نہ کوئی مولوی ملا ہوں نہ فقہ کا ماہر ہوں۔ البتہ اپنے طور پر قرآن حکیم اور اسلامی قوانین کا جو مطالعہ میں نے کیا ہے اس کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اس عظیم کتاب میں انسانی زندگی کے ہر رخ کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی' سیاسی ہو یا معاشی'غرض کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطے سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور سیاسی طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لیے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لیے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر کا تصور کرنا ناممکن ہے۔

طلباء : اس سلسلے میں اشتراکیت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

قائداعظمؒ : اشتراکیت یا اسی قسم کے سیاسی اور معاشی مسلک دراصل اسلام اور اس کے نظام سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سا ربط اور تناسب و توازن نہیں پایا جاتا۔

طلباء : ترکی سیکولر سٹیٹ ہے۔ کیا اسلامی حکومت اس سے مختلف ہے؟

قائداعظمؒ : ترکی میرے خیال میں سیکولر سٹیٹ کی سیاسی اصطلاح پر پورا نہیں اترتا۔ اب رہا اسلامی حکومت کے تصور کا امتیاز' تو یہ بالکل واضح ہے۔ اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت کی مرجع صرف خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارے کی۔ قرآن حکیم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لیے لامحالہ علاقے اور مملکت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ابوالحسن نغمی نے یہ انٹرویو نقل کرنے کے بعد اس سلسلہ میں قائداعظمؒ کی اس تقریر کا اقتباس بھی دیا ہے جو انہوں نے 1940ء میں آل انڈیا مسلم لیگ' دہلی کے اجلاس میں کی تھی۔

"یہاں میں زمینداروں اور سرمایہ داروں کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ عام لوگوں کا استحصال کرنے سے باز رہیں۔ میں اکثر دیہات میں گیا ہوں۔ وہاں میں نے دیکھا کہ خدا کے ایسے لاکھوں بندے ہیں جنہیں دن میں ایک وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی۔ کیا اسی کا نام تہذیب ہے؟ کیا یہی پاکستان کا مقصد ہے؟ اگر پاکستان کا یہی مقصود ہے تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا۔ اگر ان سرمایہ داروں کے دماغ میں ہوش کی ذرا سی رمق بھی باقی ہے تو انہیں زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ چلنا ہو گا۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان کا خدا حافظ۔ ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

(قائداعظمؒ چند یادیں' چند ملاقاتیں' صفحہ 215)



"ورڈکٹ آن انڈیا"

1944ء میں معروف کتاب "ورڈکٹ آن انڈیا" کا مصنف بیورلی نیکلسن مالا بار ہل پر قائداعظمؒ کی کوٹھی پر ان سے ملنے گیا۔ موضوع گفتگو پاکستان تھا۔ قائداعظمؒ نے اپنے کتب خانے سے جان برائٹ کی تقاریر کا مجموعہ نکالا اور ہندوستان کے سیاسی مستقبل سے متعلق اس کی اس تقریر کا یہ حصہ پڑھ کر سنایا جو اس نے نوے سال پہلے دارالعوام میں کی تھی۔

"آیا کوئی شخص جسے عقل سے تھوڑا سا حصہ بھی ملا ہے' کبھی یہ باور کر سکتا ہے کہ اتنا

بڑا ملک جس میں بیس مختلف قومیں آباد ہیں اور مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں' کبھی اسے متحد کیا جا سکتا ہے اور اسے ایک مستقل مستحکم ریاست کی شکل میں منظم کیا جا سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ تصور قطعاً" ناممکن ہے۔ اگر ہم نے کبھی ایسی کوشش کی تو ہمیں ناکامی ہو گی۔ اس حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم مستقبل کے آئینی انتظامات کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔

مدراس پریذیڈنسی پچاس سال میں ایک باقاعدہ خودکفیل ریاست ہو جائے گی۔ اگر یہ صورت حال رہے تو سو سوا سو سال میں چار پانچ ایسی پریذیڈنسیاں قائم ہو جائیں گی جو ریاستوں کی شکل اختیار کر لیں گی۔ اگر کبھی ہمیں اپنا اقتدار چھوڑنا پڑے تو ہم وہاں چار پانچ مستحکم ریاستیں چھوڑ کر آئیں گے اور ہم یہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے ملک کو انار کی اور طوائف الملوکی کے حوالے نہیں کیا۔ جو بصورت دیگر ہونا یقینی ہے۔ اگر ہم نے اتنے وسیع و عریض ملک کو ایک اکائی کی شکل میں بدلنے کی کوشش کی۔"

قائداعظمؒ : (کتاب بند کرتے ہوئے) جو برائٹ نے نوے سال پہلے کہا تھا' آج بھی صحیح ہے۔ اگرچہ آج زور بیس قوموں پر نہیں' دو قوموں' ہندو مسلم پر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی ایک بھی ایسا عنصر نہیں جو ہمیں متحد کر سکے۔ ہم دو مختلف چیزیں ہیں۔

بیورلی نیکلسن: کیا میں آپ کے حوالے سے یہ بیان نقل کر سکتا ہوں؟

قائداعظمؒ : کیوں نہیں۔ بلکہ اس کو نقل کرنا آپ کا فرض ہے۔ ہمارے نام' کپڑے' غذا' سب کچھ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ہمارے معاشی تصورات' ہمارے تعلیمی نظریات' ہمارا عورتوں کے ساتھ رویہ' غرض پرکار کے دائرے کے ہر نقطے پر ہم ایک دوسرے کو چیلنج کرتے ہیں۔ انڈیا نام کی کسی چیز کا وجود نہ تھا اور نہ آئندہ ہو گا۔ متحدہ ہندوستان ایک خواب ہے۔

سوچئے کہ کیا ہندو ہم سے تین گنا زیادہ نہیں؟ کیا ان کے پاس زیادہ دولت' زیادہ علاقہ اور زیادہ کاروباری تجربہ نہیں' اگر وہ کامیاب ہو گئے اور ان کے ہند کا' ناقابل تقسیم ہونے کا تصور مان لیا گیا تو کیا وہ سارے وسائل پر قابض ہو کر مسلمانوں کے حاکم نہ بن بیٹھیں گے۔

"ورڈکٹ آن انڈیا" کا یہ اقتباس 21 ستمبر 1948ء کے "ڈان" میں شائع ہوا۔

--○--

پاکستان کا نظام

1940ء میں قرارداد پاکستان کے موقع پر سرحد سے جو اٹھارہ رکنی وفد مسلم لیگ کے اس تاریخی اجلاس میں شریک ہوا، اس کے ایک رکن خان بخت جمال خان بھی تھے جو بعد کو 1941ء سے 1945ء تک سرحد مسلم لیگ کے صدر بھی رہے۔

بخت جمال خان مسلم لیگ کے بہت مخلص اور پرجوش کارکن تھے۔ قرارداد پاکستان کی انہوں نے بھی پرزور تائید کی۔ اس تاریخی اجلاس کے بعد جب انہیں قائداعظمؒ سے چند باتیں کرنے کا موقع ملا تو یہ مکالمہ ہوا۔

بخت جمال : کیا مسلمانوں کی الگ مملکت بن جانے کی صورت میں یہاں قرآنی نظام نافذ ہو گا؟

قائداعظمؒ : یقیناً! اس میں کیا شک ہے۔

بخت جمال : یہ آپ کا وعدہ ہے؟

قائداعظمؒ : ہاں - بالکل ہے۔

بخت جمال : (اپنا ہاتھ قائداعظمؒ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے) یہ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہے۔ میں اسلامی مملکت کے قیام کی خاطر ہر قسم کی قربانی دوں گا۔



نو، سرا بادشاہت نہیں

18 دسمبر 1946ء کی صبح لندن کانفرنس سے واپس آتے ہوئے قائداعظمؒ اور لیاقت علی خان اپنے سیکرٹریوں کے ایچ خورشید اور ممتاز حسن کے ساتھ مارسیلز میں ناشتہ کر رہے تھے کہ حکومت کی ہیت (فارم) اور صورت کے مسئلہ پر گفتگو چھڑ گئی۔

قائداعظمؒ : یہ جو حال ہی میں انڈین آئین ساز اسمبلی نے فیصلہ کیا ہے کہ انڈیا کے ایک ری پبلک (جمہوریہ) ہونے کا اعلان کیا جائے۔ اس بارے میں ممتاز مسلمانوں کے نقطہ نظر سے تمہارا کیا خیال ہے؟

ممتاز حسن : اسلام مسلمانوں کو اس طرح کی حکومت قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ جس میں افراد کو قانون سازی کے لامحدود اور غیر مشروط اختیارات حاصل ہوں۔

حاکمیت اعلیٰ صرف خدا کی ہے۔ وہی کائنات کا حاکم مطلق ہے ہمیں اختیار اس سے ملتا ہے اور اس اختیار کو ہم ان احکامات کی روشنی میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہم تک پہنچے ہیں' استعمال کرنے کے مجاز ہیں۔

قائداعظمؒ : ہاں۔ بنیادی اور اصولی نکتہ یہی ہے۔ ورنہ حکومت کی شکل کی اتنی اہمیت نہیں ہے۔ (خوش مزاجی سے) ہو سکتا ہے کہ پاکستان کوئی بادشاہ چن لے۔

لیاقت علی خان : جی ہاں۔ لوگ تو پہلے سے شہنشاہ پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا رہے ہیں۔

قائداعظمؒ : (یک دم گہری سنجیدگی سے) نہیں جناب (نو' سر) بادشاہت اسلام میں حکومت کی مقبول صورت نہیں ہے۔ اسلام بادشاہوں کو پسند نہیں کرتا۔ قرآن میں مالک کا لفظ خدا کے نام کے طور پر آیا ہے۔

ہاں ! میں اس امر سے کلیتہ" اتفاق کرتا ہوں کہ حکومت کی کوئی شکل ہو اس میں حاکمیت اعلیٰ قرآن حکیم ہی کی ہے۔

(ممتاز حسن' قائداعظمؒ کو نذرانہ عقیدت' صفحہ 138)



اسلام میں دین اور سیاست علیحدہ نہیں

46-1945ء کا واقعہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مشہور سٹریچی ہال میں مسلم ویمن سٹوڈنٹس فیڈریشن علی گڑھ کی طرف سے ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ قائداعظمؒ مہمان خصوصی تھے۔ جلسہ کے اختتام پر فیڈریشن کی علی گڑھ شاخ کی صدر مس شمیم خان نے (جو بعدازاں کوئین میری کالج لاہور کی پرنسپل ہیں) قائداعظمؒ سے بڑے ادب سے کہا کہ طالبات آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہیں۔ قائداعظمؒ نے اجازت دے دی۔ لیکن شرط یہ عائد کر دی کہ ہر طالبہ صرف دو مختصر سوال کرے۔

سب سے پہلے رضیہ برلاس (بعدازاں رضیہ اعظم علی بیگ سپورٹس ڈائریکٹر پنجاب یونیورسٹی) سوال کرنے اٹھیں۔

رضیہ برلاس : جناب میرا پہلا سوال گاندھی جی کے بارے میں ہے۔ یہ چیز کیا ہیں؟ ان کے بارے میں ہمیں کچھ بتائیے۔

قائداعظمؒ : جو ان کی زبان پر ہوتا ہے وہ ان کے دل میں نہیں ہوتا اور جو دل میں ہوتا ہے وہ ان کی زبان پر نہیں آتا۔ اس سے آپ خود اندازہ لگا لیں کہ وہ کیا ہیں اور کیا

نہیں ہیں۔

رضیہ برلاس : شکریہ - میرا دوسرا سوال پاکستان میں نظام حکومت کے بارے میں ہے۔ پاکستان میں طرز حکومت کیا ہو گا؟

قائداعظمؒ : اسلام میں مذہب اور سیاست دو علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔



قرآنی اصولوں کو جاری کرنے کی خواہش

ستمبر 1945ء کا واقعہ ہے کہ قائداعظمؒ لاہور میں نواب ممدوٹ کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ شاہی مسجد لاہور کے خطیب مولانا غلام مرشد ملاقات کے لیے آئے تھے۔ نواب ممدوٹ نے مولانا موصوف کا قائداعظمؒ سے تعارف کرایا۔ اس موقع پر یہ گفتگو ہوئی۔

مولانا : آپ کی انتھک مخلصانہ جدوجہد کے تمام مسلمانان ہند قدر دان ہیں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آج آپ سے ملاقات کا موقع ملا ہے۔ میں اپنے ساتھ مسٹر مسعود کو ترجمان کی حیثیت سے لے کر آیا ہوں۔ انہوں نے کئی سال میرا درس قرآن سنا ہے۔

قائداعظمؒ : (قرآن مجید کا ذکر سن کر اپنی میز سے انگریزی ترجمے کے قرآن مجید کا ایک نسخہ اٹھاتے ہوئے) اس کتاب میں معاشی' اخلاقی اور انتظامی امور پر مکمل ہدایات موجود ہیں۔ میں ان ہی اصولوں کو جاری کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ میری مدد فرمائیں گے؟

مولانا : میں آپ کا ادنیٰ سپاہی ہوں۔ آپ جیسا حکم دیں گے ویسا ہی عمل ہو گا۔

اس واقعہ کے راوی نسیم حجازی صاحب' مسٹر مسعود کے حوالے سے 8 ستمبر 1980ء کے اخبار جہاں میں لکھتے ہیں کہ جب اس ملاقات میں قرآن کے قانون شہادت کا ذکر آیا تو قائداعظمؒ نے نہایت احترام سے کہا۔

"ایسا قانون شہادت کہیں نہیں ملے گا۔ مثلاً یہ کہ ہر جرم کی سزا اس کی نوعیت کے مطابق ہونی چاہیئے۔ یہ کتنا صحیح اور عالمگیر اصول ہے۔"

یہ سن کر مولانا نے چند آیات قرآنی کا حوالہ اس ضمن میں پیش کیا۔ نسیم حجازی' مسعود صاحب

کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ اس گفتگو سے قائداعظمؒ کی قرآن فہمی کا پتہ چلتا تھا۔ اور جس احترام و محبت کے ساتھ انہوں نے قرآن کی تعلیمات کا ذکر کیا اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ پاکستان کی سیاست کی بنیاد ان ہی ہمہ گیر اصولوں پر رکھیں گے۔



اداروں اور جمہوری روایتوں کا احترام

یہ واقعہ پاکستان ریزولیشن کے بعد کا ہے۔ قائداعظمؒ کی ناسازی طبع کی اطلاع پا کر مسلم لیگ کے سرگرم اور پرجوش کارکن جن کا خود قائداعظمؒ بڑا لحاظ کرتے تھے۔ ان کی مزاج پرسی اور ملاقات کرنے حیدرآباد سے بمبئی آئے اور صوبائی مسلم لیگ کے دفتر سے قائداعظمؒ کو فون کیا۔

نواب بہادر : جناب والا ! اب آپ کا مزاج کیسا ہے؟ میں آپ سے ملاقات کے لیے حاضر ہونا چاہتا ہوں۔

قائداعظمؒ : نواب صاحب ! ڈاکٹر نے مجھے مکمل آرام کا مشورہ دے رکھا ہے اور ملاقاتیوں سے منع کیا ہے۔ اس لیے مجھے افسوس ہے کہ میں چند روز آپ سے نہیں مل سکتا۔

اس واقعہ کے عینی شاہد صوبائی مسلم لیگ بمبئی کے جنرل سیکرٹری اور سٹی مسلم لیگ کے صدر اور بعد کو مرکزی اسمبلی پاکستان کے رکن حسن اے شیخ لکھتے ہیں کہ یہ میرے سامنے کی بات ہے کہ ابھی نواب بہادر یار جنگ نے جو آل انڈیا شہرت کے لیڈر اور قائداعظمؒ کے اتنے قریب تھے' فون کا رسیور رکھا ہی تھا کہ عثمان بھائی رحیم بھائی نے جو ایک غیرمعروف معمولی دکاندار تھے لیکن اس علاقے کی پرائمری مسلم لیگ کے صدر تھے جس سے قائداعظمؒ کا تعلق تھا' قائداعظمؒ کو فون کیا کہ میں آپ سے پرائمری مسلم لیگ کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ قائداعظمؒ نے ڈاکٹر کے مشورہ کو نظرانداز کرتے ہوئے اور اس امر کا بھی لحاظ نہ کرتے ہوئے کہ ابھی انہوں نے نواب بہادر یار جنگ ایسے آدمی کو وقت دینے سے معذوری ظاہر کی ہے' عثمان بھائی کو فوراً بلا لیا۔

یہ رعایت عثمان بھائی سے نہیں بلکہ ایک بنیادی سیاسی ادارے کا احترام تھا۔ اسی طرح جب بھی کبھی پرائمری مسلم لیگ کے زیراہتمام اس کے علاقے میں کوئی جلسہ ہوتا اور قائداعظمؒ اس میں پرائمری لیگ کے ایک رکن کی حیثیت سے شرکت کرتے تو وہ اصرار کرتے کہ ان کی موجودگی میں بھی پرائمری مسلم لیگ کا صدر ہی جلسہ کی صدارت کرے۔ جمہوری اداروں اور روایتوں کا احترام کرنے کے سلسلہ میں حسن اے شیخ جو بمبئی لیگ کے صدر رہے تھے' لکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ جمہوری طریقے سے صدر منتخب

ہوتے تھے اور اس طریقہ کار پر اصرار کرتے تھے۔ ہر سال مارچ کی 25 تاریخ کو وہ اپنی پرائمری مسلم لیگ کی رکنیت کی تجدید کراتے تھے۔ اس مرحلہ سے گزر کر وہ ضلعی سطح تک جاتے۔ وہاں سے صوبائی مسلم لیگ پھر صوبائی مسلم لیگ کی طرح وہ مرکزی کاؤنسلر منتخب کراتے پھر صدارت کا استحقاق حاصل کر کے ہر سال نئے سرے سے مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوتے۔ اگر کسی سال کی 25 مارچ تک رکنیت کے لیے ان سے رابطہ قائم نہ کیا جاتا تو وہ پرائمری لیگ کے سیکرٹری سے خود رابطہ قائم کرتے۔ ایک بار مسلم لیگ کے چوٹی کے لیڈروں نے تجویز پیش کی کہ قائداعظمؒ کو مسلم لیگ کا تاحیات صدر بنا دیا جائے۔ قائداعظمؒ نے اس کو فوری طور پر رد کر دیا اور کہا کہ یہ میرا فرض ہے کہ میں ہر سال مسلم لیگ کی کاؤنسل کے سامنے آؤں تاکہ وہ سال بھر کے دوران میری کارکردگی کا جائزہ لے کر اور اس سے مطمئن ہو کر اگلے سال کے لیے مجھے صدر منتخب کرے۔



قانون ساز اسمبلی کس لیے ہے

ایک بار قائداعظمؒ کے سیکرٹری ایس ایم یوسف نے ان کے سامنے کچھ کاغذات پیش کئے جو ایک صوبائی حکومت نے بھیجے تھے۔

قائداعظمؒ : یوسف! یہ کیا ہے؟

یوسف : صوبائی حکومت چاہتی ہے کہ آپ اس آرڈی نینس کی منظوری دے دیں۔

قائداعظمؒ : آرڈی نینس کیوں؟ صوبہ کی مجلس قانون ساز کو کیا ہوا؟

یوسف : اس کا اجلاس چند دنوں کے بعد ہو رہا ہے۔

قائداعظمؒ : تو مجلس قانون ساز کس لیے ہے؟ مجھے افسوس ہے کہ میں اس آرڈی نینس کی منظوری نہیں دے سکتا۔ قانون ساز ادارے کو نظرانداز کرنا مجھے پسند نہیں۔

ایس ایم یوسف اس ضمن میں مزید لکھتے ہیں کہ ان سے جلدی میں کوئی کام کرانا بہت مشکل تھا۔ ایک بار ایک صوبائی حکومت نے آخری لمحات میں ایک صوبائی قانون کی منظوری دے دینے کی درخواست کی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ جب میں نے کہا سر! ایک قانون ختم ہو رہا ہے اس کی جگہ فوری طور پر دوسرے قانون نے نہ لی تو بہت سی قانونی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو انہوں نے کہا:

"تو پھر یہ انتظامیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ چوکنے رہیں۔ ان کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ اگر وہ بغیر کسی وجہ کے دیر کر دیں تو میں ان کی مدد کروں۔"



بغیر مقدمہ چلائے کسی کو قید میں رکھنے کے خلاف ہوں

دوسری جنگ عظیم کے دوران حکومت نے علی گڑھ کے ایک پرجوش مسلم لیگی کارکن عبدالستار خیری کو گرفتار کر لیا اور بغیر مقدمہ چلائے ان کو ایک عرصہ تک قید میں رکھا۔ وہ اس عرصہ میں برابر قائداعظمؒ کو لکھتے رہے۔ جب رہا ہوئے تو یہ مکتوباتی مکالمہ ہوا۔

عبدالستار : میں آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے میری رہائی کے لیے اتنی کوشش کی۔

قائداعظمؒ : کوشش میں نے اس لیے کی تھی کہ اصولاً میں یہ بات گوارا نہیں کر سکتا کہ بغیر مقدمہ چلائے اور بغیر عدالتی کارروائی کے کسی شخص کی آزادی سلب کی جائے۔

رئیس احمد جعفری کے حوالے سے یہ واقعہ "قائداعظمؒ چند یادیں چند ملاقاتیں" میں شائع ہوا۔ (صفحہ 182)



آئین معطل کرنے کا اختیار محدود ہے

پاکستان بننے کے کچھ دنوں بعد ہی سے پنجاب مسلم لیگ کے دو دھڑوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ جنہوں نے بعد میں مخالفت بلکہ عداوت کی صورت اختیار کر لی تھی۔ یہ کش مکش مئی تا جولائی 1948ء اپنے عروج پر تھی۔ جب "ڈان" کے سابق ایڈیٹر اور مشہور مسلم لیگی کارکن الطاف حسین قائداعظمؒ سے زیارت میں ملے تو قائداعظمؒ اس صورت حال سے حد درجہ رنجیدہ بلکہ کبیدہ خاطر تھے۔

قائداعظمؒ : مسٹر الطاف! پنجاب میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے میں بہت مایوس ہوا ہوں۔ آپ کی کش مکش سے عدم استحکام پیدا ہوا ہے اور اس سے نظم و نسق کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

الطاف حسین : صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر آپ مداخلت کیوں نہیں کرتے۔ آپ بحیثیت گورنر جنرل اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے آئین معطل کر کے صوبہ میں گورنر جنرل کی حکومت قائم کر سکتے ہیں۔

قائداعظمؒ : قانون کے مطابق کسی صوبہ میں آئین معطل کرنے کا اختیار مجھے صرف اسی صورت میں ہے جب مملکت کی سالمیت کو خطرہ ہو۔ ممدوٹ دولتانہ تصادم کو جو ایک سیاسی جماعت کا داخلی معاملہ ہے' میں پاکستان کی سالمیت کے لیے خطرہ نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے دفعہ 92 الف کے تحت میں اپنے اختیارات استعمال نہیں کرنا چاہتا۔

اس واقعہ کو الطاف حسین صاحب کے حوالے سے کتاب "قائد اعظمؒ چند یادیں چند ملاقاتیں" صفحہ 94 میں نقل کیا گیا ہے۔



اکبر بادشاہ کی نہیں' سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی

جب 14 اگست 1947ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن آزادی کی تقریبات میں حصہ لینے کراچی آئے تو انہوں نے اپنی تقریر میں کہا

ماؤنٹ بیٹن : مجھے امید ہے کہ اقلیتوں کے سلسلے میں پاکستان میں اکبر کی تقلید کی جائے گی۔

قائداعظمؒ : ہمیں اکبر کی تقلید کی کیا ضرورت ہے۔ ہم اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں گے۔ جنہوں نے 13 سو سال پہلے صرف الفاظ ہی سے نہیں بلکہ عملاً" عیسائیوں اور یہودیوں سے انتہا درجے کی رواداری کا سلوک کیا اور ان کے عقیدے اور دین کا ازحد احترام کیا۔



انتخابات کا مطلوب و مقصود

برصغیر میں برطانوی اقتدار کے خاتمہ سے قبل دو قومی نظریئے کی بنیاد پر پہلا الیکشن 1945ء میں لیاقت علی خان اور محمد احمد کاظمی کے درمیان لڑا گیا۔ لیاقت علی خان مسلم لیگ کے اور محمد احمد کاظمی جمعیت علماء ہند کے واسطہ سے کانگریس کے نمائندے تھے۔ یہ انتخاب ایک طرح سے پاکستان کے لیے ریفرنڈم تھا۔ دونوں جماعتوں کے وقار اور دعوے کا مسئلہ تھا۔ کانگریس نے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا دیئے تھے۔ پنڈت نہرو نے خود اس حلقہ میں دورہ کیا تھا۔ کانگریس اپنے امیدوار کی حمایت میں پیسہ پانی کی طرح بہا رہی تھی۔ اس صورت حال سے پریشان ہو کر طلباء کا ایک وفد قائداعظمؒ کی خدمت

میں دہلی حاضر ہوا۔

وفد : ہم سہارن پور سے آرہے ہیں۔ وہاں کی صورت حال تو بہت مایوس کن ہے۔

قائداعظمؒ : وہ کیا؟

وفد : ایسا نظر آتا ہے کہ وہاں محمد احمد کاظمی کے مقابلے میں لیگ کے نواب زادہ لیاقت علی خان صاحب شاید کامیاب نہ ہو سکیں۔

قائداعظمؒ : اگر انڈین نیشنل کانگریس دیانتداری کے ساتھ یہ انتخابی مقابلہ کر رہی ہے اور اس حلقہ کے ووٹر ایمان داری کے ساتھ لیاقت علی خان کے مقابلہ میں محمد احمد کاظمی کا اپنی نمائندگی کی زیادہ اہل سمجھتے ہیں تو یہ شکست بھی میرے لیے فتح ہو گی۔

الیکشن کا مقصود ہار جیت ہرگز نہیں بلکہ دیانت داری سے عوام کا فیصلہ حاصل کرنا ہے۔

اب وہ فیصلہ کچھ بھی ہو' ہر امیدوار کو اسے خوشی سے قبول کرلینا چاہیئے۔ آئین جمہوریت کے مطابق ہر ووٹر کو اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا حق حاصل ہے۔ وہ جس جماعت کو اپنے طور پر یا جماعتی حیثیت سے اچھا سمجھتا ہے۔ اسے کامیاب بنانا اس کا جمہوری حق ہے۔ لہٰذا اگر دھونس' دھاندلی اور جبر اس میں شامل نہ ہو تو عوام کے فیصلے کو منظور کر لینا چاہیئے جو انہوں نے اپنے ضمیر کے فیصلے کے مطابق کیا ہو۔

وفد : لیکن اس وقت وہاں ضمیر کی آواز کو کوئی نہیں پوچھتا اور اس الیکشن کی جو اہمیت ہے اس کے پیش نظر ہمارا تو خیال ہے کہ ہمیں دشمن کو اس کے ہتھیاروں سے ہرانا ہے۔

قائداعظمؒ : وہ کیا تجویز ہے؟

وفد : ہمیں معلوم ہے کہ پنڈت نہرو نے دو لاکھ روپیہ محمد احمد کاظمی کے انتخابی کارکنوں کو دیا ہے' تاکہ وہ انہیں کامیاب کرائیں۔ اگر ہمیں اس کی ایک چوتھائی رقم یعنی پچاس ہزار روپے مل جائیں تو ہم کانگریسی امیدوار کا تختہ الٹ سکتے ہیں۔

قائداعظمؒ : پنڈت جواہر لال نہرو اپنے فعل کے مختار ہیں۔ وہ جس طرح چاہیں اپنی قوم کو تباہ و برباد کریں اور اس کو حسب منشا غلط راستوں پر لگائیں۔ لیکن میں اپنی قوم کو اس پستی میں ڈالنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں کہ ووٹ حاصل کرنے کے لیے نوٹوں کا سہارا لیا جائے۔

آپ اپنے حلقہ انتخاب میں واپس جائیں۔ گاؤں گاؤں' گلی گلی' اور گھر گھر جا کر مسلم لیگ کا پیغام ووٹروں کے کانوں تک پہنچائیں اور تن آسانی کی بجائے محنت' مشقت اور تکلیف کے ساتھ قومی فریضہ کی بجاآوری میں پورا حصہ لیں۔ خدا آپ کی مدد کرے گا۔ مجھے امید ہے کہ یقیناً آپ کامیاب ہوں گے۔

قائداعظمؒ کو اپنے طریق کار اور اپنی قوم پر جو اعتماد تھا وہ غلط نہ تھا۔ اس انتخاب میں مسلم لیگ کامیاب ہوئی۔



وزارتوں کے لیے اصولوں کی قربانی نہیں

1946ء کے انتخابات کے بعد کا دور برصغیر کی سیاست کا بڑا نازک دور تھا۔ برطانوی حکومت ہندو کانگریس سے سازباز کر رہی تھی اور اپنی سامراجی اغراض کے پیش نظر مسلمانوں کو نظرانداز کر کے برصغیر کی حکومت کانگریس کے سپرد کرنا چاہتی تھی۔ ہندوؤں اور انگریزوں کے علاوہ یونینسٹ پارٹی میں شامل مسلمانوں کا ایک گروہ بھی مسلم لیگ کے خلاف صف آراء تھا۔ اس صورت حال سے عام مسلمان بڑے مضطرب اور پریشان تھے۔

اس پس منظر میں جب قائداعظمؒ لاہور تشریف لائے تو ان کی خدمت میں اسلامیہ کالج' لاہور کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر حکیم آفتاب حسن قرشی حاضر ہوئے اور دوران ملاقات کہا۔

قرشی : برطانوی حکومت نے اگر مسلمانوں کو نظرانداز کر کے ہندو کانگریس سے سمجھوتہ کر لیا تو مسلمانوں کا رویہ کیا ہو گا؟

قائداعظمؒ : (بڑے عزم و اعتماد کے ساتھ) کسی طاقت نے مسلمان قوم کو نظرانداز کرنے کی کوشش کی تو مسلم انڈیا بغاوت کر دے گا۔ مسلمان بغاوت کے لیے تیار ہیں اور حصول آزادی کے لیے ہر مصیبت برداشت کرنے کو آمادہ ہیں۔ کوئی طاقت ہمارے حق کو غصب نہیں کر سکتی۔

اب مسلمان شیر بیدار ہو چکا ہے۔

وزارتوں کے لیے ہم اصولوں کی قربانی نہیں دیں گے۔ سیاسی جماعتوں کو وزارتوں کی لکیر کا فقیر نہیں بننا چاہیئے۔ وزارتیں ہمارا نصب العین نہیں۔ ہم ایک بلند اور برتر نصب العین پاکستان رکھتے ہیں اور اس کے حصول کے لیے کسی قربانی سے گریز نہیں کریں گے۔

قریشی : ہم مسلم نوجوان حصول پاکستان کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہیں۔ اور آپ کی قیادت پر کامل اعتماد رکھتے ہیں۔ جب بھی آپ نوجوان کو پکاریں گے، انہیں آپ ہراول دستے میں پائیں گے۔

قائداعظمؒ : پاکستان کے حصول کی جدوجہد میں اب تک نوجوانوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ نوجوانوں سے مجھے یہی توقع ہے کہ وہ جنگ آزادی میں بیش از بیش حصہ لیں گے۔

مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ اور تحریک پاکستان میں نوجوانوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے اور نوجوان ہی میرے قابل اعتماد سپاہی ثابت ہوئے ہیں۔

جب قوم کے بالائی طبقات (امراء اور جاگیرداروں) نے مجھے مایوس کر دیا تو اس وقت نوجوانوں نے میرا ساتھ دیا۔ نوجوان ہی اس قوم کا قابل فخر سرمایہ ہیں اور ہماری تمام توقعات نوجوانوں سے وابستہ ہیں۔

مجھے علم ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو بے شمار مسائل درپیش ہیں۔ انشاء اللہ پاکستان کے قیام کے بعد ان کے مسائل کو حل کیا جائے گا۔ اور نوجوانوں کے لیے ایک نئے دور کا آغاز ہو گا۔ پاکستان میں نوجوانوں کو پوری اہمیت دی جائے گی اور اس ملک کی باگ ڈور جوانوں کے ہاتھ میں ہو گی۔ ہم پاکستان نوجوانوں کے لیے ہی تو قائم کر رہے ہیں۔

میں زندگی کے دن گزار چکا ہوں اور اب چراغ سحری ہوں۔ میری یہی تمنا اور خواہش ہے کہ مسلمان نوجوان ایک آزاد ملک میں رہیں۔

قریشی : میں نوجوان طلباء کا نمائندہ ہوں۔ کیا آپ طلباء کو کوئی خاص پیغام دینا پسند کریں گے؟

قائداعظمؒ : میرا پیغام تم جوانوں کے لیے یہی ہے کہ ڈسپلن اور نظم و ضبط قائم رکھو، اور ہر قربانی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ قوموں کی آزادی خون کی قربانی چاہتی ہے اور مسلمان قوم بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتی۔ قوم کو مصائب سے نہیں گھبرانا چاہیئے۔

مصائب سے گزر کر برائیوں کی آلائش دور ہو جاتی ہے اور قوم کے جوہر نکھرتے ہیں۔

میں خود غربت میں زندگی بسر کر چکا ہوں اور اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ میں نے غربت کے ایام بھی دیکھے ہیں اور زندگی کے تلخ حقائق سے بھی آشنا ہوں۔

آج ہماری قوم مصائب کا شکار ہے۔ بہرحال برائیاں دور ہو رہی ہیں اور خوبی کا احساس پیدا ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ مسلمان قوم ترقی کرے گی۔ سب سے اہم چیز قوم کا کردار ہے' نوجوانوں کو قومی کردار پیدا کرنا چاہیئے۔ مسلمان نوجوان ملازمت کو زندگی کا مقصد قرار نہ دیں بلکہ تجارت میں بھی حصہ لیں۔

مسلم عوام نے اپنا فیصلہ پاکستان کے حق میں دے دیا ہے۔ انتخابات پاکستان کی بنیاد پر لڑے گئے تھے۔ اب دنیا بھر میں حقیقت آشکار ہو گئی ہے کہ مسلمان پاکستان کے حق میں ہیں۔

پنجاب میں مسلم لیگ کی غیرمعمولی کامیابی طلباء کی رہین منت ہے۔ طلباء نے اپنے اخلاص و ایثار سے جنگ پاکستان کا اولین مورچہ سر کر لیا ہے۔ مسلم قوم طلباء کے اس ایثار کو کبھی فراموش نہیں کرے گی۔

پنجاب کے مسلمانوں نے نہ صرف پنجاب بلکہ پورے برصغیر کے دس کروڑ مسلمانوں کی عدیم النظیر خدمت سرانجام دی ہے۔ پنجابی مسلمانوں نے برصغیر میں برطانوی سامراج کے آخری سنگین حصار کو مسمار کر دیا ہے۔



سیاست' شطرنج کی بازی

قائداعظمؒ کلکتہ میں مرزا ابوالحسن اصفہانی کے ہاں مقیم تھے۔ 1946ء کے الیکشن سے متعلق باتیں ہو رہی تھیں کہ قائداعظمؒ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

قائداعظمؒ : اس وقت مجھے ایک برسوں پرانی بات یاد آگئی۔

اصفہانی : کیا؟

قائداعظمؒ : یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب میں اور آغا خان دونوں نوجوان تھے۔ آغا خان نے مجھے ایک موقع پر ایک بہت قیمتی مشورہ دیا۔ اس مشورے سے مجھے بہت

فائدہ پہنچا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی اسے گرہ میں باندھ لو۔

اصفہانی : وہ قیمتی مشورہ کیا تھا؟

قائداعظمؒ : وہ یہ کہ کسی کو بھی کسی سے ملنے سے انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ خواہ وہ اسے کتنا ہی ناپسند کرتا ہو' یا اس کے خیالات سے کتنا ہی غیر متعلق ہو۔ آغا خان نے مجھ سے کہا۔

جناح! اگر خود شیطان بھی تم سے ملنا چاہے تو تمہیں اس سے ملنے سے انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کی بات سن لو۔ یہ ضروری نہیں کہ تم اس کے خیالات سے اتفاق کرو۔ اس کے مشورہ کو قبول کرو۔ تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ کوئی ایسی بات بتا سکے جو تمہارے فائدے کی ہو یا جس سے تمہیں کوئی رہنمائی ملے" لہٰذا اصفہانی تمہیں بھی یہی حکمت عملی اختیار کرنی چاہیئے بلکہ تمہیں چاہیئے کہ اسے اپنی زندگی کا ایک زریں اصول بنا لو۔

اصفہانی : یقیناً بناؤں گا۔ آپ کے تجربے سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے اور آئندہ بھی سیکھوں گا۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں کہ مجھے کچھ بتائیں اور سکھائیں۔

قائداعظمؒ : اور دیکھو! سیاست ایک شطرنج کی بازی ہے۔ اس میں اطمینان سے سوچنے اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں جذبات یا لاپرواہی سے کوئی ارادہ کر بیٹھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہر موافق یا مخالف نقطے کو صبر سے تولنا پڑتا ہے اور رہنما کو آگے کی دس چالوں کو ذہن میں رکھنا پڑتا ہے۔

-- ○ --

سیاست کی چالیں

دہلی میں مرکزی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ سر محمد یعقوب نے جو اسمبلی کے نائب صدر تھے' قائداعظمؒ کو اور دوسرے احباب کو جن میں سر عبدالقادر بھی شامل تھے' دوپہر کے کھانے پر بلایا۔

قائداعظمؒ : (سر عبدالقادر کو مخاطب کر کے)

سیاسیات کی چالیں شطرنج کی چالوں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ میری قوم نے ایک طرف تو یہ کام میرے سپرد کیا ہے کہ میں ان کی طرف سے بطور ایک سیاسی شاطر کے بساط شطرنج بچھاؤں اور چالیں چلوں اور دوسری طرف میری قوم یہ اصرار کرتی ہے کہ میں ساتھ ہی یہ بھی بتاتا چلوں کہ یہ چال کیوں چلی گئی۔ آپ ہی

بتائیں کہ اس طرح کھیل کھیلا جا سکتا ہے؟

سر عبدالقادر : نہیں۔ اس طرح تو نہیں۔

قائداعظمؒ : قوم سے کہہ دیجئے کہ اگر انہیں اپنے شاطر پر بھروسہ ہے تو مجھے چالیس چلنے دیں اور مجھ سے ہر چال کا سبب نہ پوچھیں۔ ورنہ کوئی اور شاطر ڈھونڈ لیں۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب قائداعظمؒ مسٹر محمد علی جناح تھے۔



دیانت دارانہ سیاست سے حالات کا رخ اپنے حق میں موڑنا

1943ء کی گرمیوں میں قائداعظمؒ قاضی محمد عیسیٰ کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ ایک سٹاف کالج کے چند افسر' دو انگریز اور ایک سکھ' قائداعظمؒ سے ملاقات کے لیے آئے۔ وہ پورچ سے نکل ہی رہے تھے کہ پانچ چھ خاکسار اپنے بیلچوں سمیت نازل ہو گئے اور قائداعظمؒ کو سلامی دینے اور ملاقات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ آپ قائداعظمؒ سے نہیں مل سکتے۔ آپ نے ملاقات کے لیے وقت نہیں لیا ہے۔ خاکسار بضد تھے کہ سلامی دے کر اور مل کر جائیں گے اور ذرا اونچی آواز میں تکرار کر رہے تھے۔ قائداعظمؒ نے جب یہ تکرار سنی تو قاضی محمد عیسیٰ کو اندر بلا لیا۔

قائداعظمؒ : کیا بات ہے؟

قاضی عیسیٰ : ان خاکساروں نے بہت تنگ کر رکھا ہے۔ ہر جگہ مخالفت کرتے رہتے ہیں اور اب بغیر وقت لیے آپ کو سلامی دینے اور ملاقات کرنے آن پہنچے ہیں اور کسی طور پر ٹلتے نہیں۔

قائداعظمؒ : عیسیٰ! آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پڑھی ہے' جہاں انہیں غیروں' عیسائیوں اور یہودیوں کا سامنا تھا وہاں ان کے اپنے بھائی بند بھی ان کے مخالف تھے۔ آج ہماری بھی وہی کیفیت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دیانت دارانہ سیاست سے حالات کا رخ اپنے حق میں موڑ لیا اسی طرح ہمیں بھی کرنا ہو گا اور ان کے نقش قدم پر چلنا ہو گا۔

اور چونکہ اس وقت میرے پاس وقت ہے اور کوئی مصروفیت نہیں ہے اس لیے وہ

بغیر پیشگی تقرری کے مجھ سے مل سکتے ہیں۔ انکار اس وقت کرتا ہوں جب میرے
پاس وقت نہیں ہوتا۔ میں ان سے سلامی لوں گا اور ملاقات بھی کروں گا۔
چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے خاکساروں سے سلامی بھی لی اور ملاقات بھی کی۔



سیاست میں جذباتیت کی جگہ نہیں

1946ء میں قائداعظمؒ آسام اور بنگال کے سیاسی دورے پر گئے۔ اس دورے میں مرزا ابوالحسن اصفہانی بھی ان کے ساتھ تھے۔ سلہٹ میں آسام مسلم لیگ کے صدر اور مشہور معروف لیڈر مولانا بھاشانی' ان سے ملنے آئے اور قائداعظمؒ سے کہا آسام کے تمام مسلمان حصول پاکستان کی جدوجہد میں آپ کے ساتھ ہیں اور پھر رقت انگیز انداز میں ان مصائب و مظالم کا تذکرہ کیا جو ہندو آسام کے مسلمانوں پر ڈھاتے رہے تھے۔ ان مصائب کو بیان کرتے ہوئے مولانا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ تمام حاضرین بہت متاثر ہوئے۔ اسی شام جب ملاقاتیوں کا ہجوم کم ہو گیا اور قائداعظمؒ اپنے کمرے میں تنہا رہ گئے تو اصفہانی نے پھر مولانا بھاشانی کا ذکر چھیڑا۔

اصفہانی : آپ نے دیکھا ! یہ ہیں ہمارے مولانا بھاشانی کتنے مخلص اور کتنے پرجوش۔ اگر ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں بھی ہمارے پاس مولانا سے باعمل اور پرجوش صدر یعنی ایسے آدمی ہوتے جو تکلیف اٹھانے اور لیگ کی خاطر قربانیاں دینے کو تیار ہوں اور ذاتی مفاد اور بڑائی کا کوئی خیال نہ کریں' تو مسلم لیگ یقیناً ایک زیادہ طاقتور فعال تنظیم بن جائے گی۔

قائداعظمؒ : مجھے مولانا کے بارے میں تمہاری رائے سے اتفاق نہیں۔ میرے نزدیک اس طرح کے آدمی رہنما ہونے کے قابل نہیں ہوتے۔ ان سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ کوئی مفید مطلب کام کر سکیں گے۔ بے کار جذباتی باتوں اور رقیق القلبی کے لیے سیاست میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ سیاست ایک شطرنج کی بازی ہے۔ اس میں اطمینان سے سوچنے اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں جذبات کی یا لاپرواہی سے کوئی ارادہ کر بیٹھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہر مخالف یا موافق نقطے کو صبر سے تولنا پڑتا ہے اور رہنما کو آگے کی دس چالوں کو ذہن میں رکھنا ہوتا ہے اور برائیوں کا مداوا آنسوؤں سے نہیں بلکہ محنت اور جرات اور عزم سے ہی ہو سکتا ہے۔ رقیق القلبی کا نل کھولا تو آسانی سے جا سکتا ہے لیکن اسے بند کرنا

ایسا سہل نہیں ہے۔ رقت کی بدولت ممکن ہے کہ سب سے پہلے کسی معقول حکمت عملی کا ہی خون ہو جائے۔

شاید یہ صاحب ایک اچھے واعظ ہیں اور اپنے سامعین کی آنکھوں میں آنسو لا سکتے ہیں لیکن وہ کوئی اچھے رہنما نہیں ہیں۔ خصوصی بحران کے زمانوں میں جبکہ دماغ کو ٹھنڈا اور آنکھوں کو خشک رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ انسان صاف طور پر دیکھ سکے اور فیصلے کر سکے۔ وہ خصوصیات بھی نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ میں مولانا کو مسلم لیگ کی سی سیاسی تنظیم کا صدر ہونے کے لیے موزوں نہیں سمجھتا۔ لہٰذا جتنی جلدی ان کی اور ان جیسی طبیعت کے دوسرے آدمیوں کی رہنمائی سے اپنے آپ کو آزاد کریں' اتنا ہی اچھا ہو گا۔



شروع میں مخالفت ضرور ہوتی ہے

رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ محمد علی روڈ پر واقع بمبئی مسلم لیگ کے دفتر میں کبھی کبھی تشریف لاتے تھے۔ ایک بار جب قائداعظمؒ تشریف لائے تو دفتر میں مسلم لیگ کے ایک نہایت ہی سرگرم اور قابل نوجوان کارکن عزیز لالجی بھی موجود تھے۔ دوران گفتگو انہوں نے کہا

عزیز لالجی : اگر کانگریس چودہ نکات مان لے تو کیا پاکستان کا مطالبہ پھر بھی قائم رہے گا؟

قائداعظمؒ : چودہ نکات؟ ہمارا مطالبہ پاکستان ہے اور کچھ نہیں۔

عزیز لالجی : لیکن آپ غور تو کیجئے کہ سارے غیرمسلم اس مطالبہ کے شدید مخالف ہیں' جن کے پاس دولت ہے' کارکن ہیں' قوت ہے۔ حکومت بھی اس مطالبہ کی حامی نظر نہیں آتی اور تو اور خود مسلمانوں کا ایک طبقہ اسے ناممکن سمجھتا ہے۔ آخر پاکستان بنے گا کیسے؟ مسلم لیگ تنہا اتنے مخالفوں کا مقابلہ کیسے کرے گی؟

قائداعظمؒ : میرے بیٹے! شروع میں ہر تحریک کی اسی طرح مخالفت ہوتی ہے۔ کانگریس نے جب آزادی کی تحریک شروع کی تھی تو کتنے آدمی اس کے ساتھ تھے اور آج؟ اسی طرح جب امریکہ نے آزادی کا نعرہ بلند کیا تو انگریز کتنے تڑپے تھے؟ لیکن آج وہ اس کے یوم آزادی میں شریک ہوتے ہیں اور اس تقریب پر اسے مبارکباد دیتے ہیں۔ پاکستان کا مطالبہ عوام کی آواز بنتا جا رہا ہے۔ یہی اس کی

کامیابی کی ضمانت ہے۔ آج جو ہمارے مخالف ہیں' کل ہمارے ساتھ ہوں گے۔

پاکستان ضرور بنے گا

پاکستان کے مطالبے کی صداقت پر اور اس کے لیے اپنی جدوجہد کی کامیابی پر قائداعظمؒ کو مکمل یقین تھا۔اس یقین محکم اور عمل پیہم نے انہیں منزل مراد سے ہمکنار کیا۔



تین گھنٹے کا جلسہ

1944ء میں پنجاب مسلم لیگ سٹوڈنٹس فیڈریشن کا سالانہ اجلاس تھا۔ رات کے جلسہ میں قائداعظمؒ تشریف لائے۔

قائداعظمؒ : جلسہ کتنی دیر تک ہو گا؟

ایک منتظم : کچھ دیر تو لگے گی۔ رات کو جلسے دیر تک چلتے ہیں۔

قائداعظمؒ : نصف شب کے بعد کوئی جلسہ نہیں ہو گا۔ تین گھنٹے سے زیادہ کوئی عوامی جلسہ نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ وقت بہت کافی ہے۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب جلسے سرشام شروع ہو کر صبح کی خبر لاتے تھے اور جو جلسہ نصف شب تک ختم ہو جاتا اسے ناکام سمجھا جاتا تھا۔

قائداعظمؒ کی قیادت کا ایک کمال یہ بھی تھا کہ انہوں نے سیاست کو معقول اور متوازن کیا اور سیاست کاری کو عوام کی تربیت کا ذریعہ بنایا۔



خون کے ہر قطرہ کی قیمت

متحدہ ہندوستان کا صوبہ بہار وہ بدقسمت صوبہ تھا جہاں کے مسلمان 1937ء 1938ء میں پہلی کانگرسی وزارت کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے اور پیرپور رپورٹ مرتب ہوئی جس نے مطالبہ پاکستان کا ایک واقعاتی ثبوت مہیا کیا۔ 1945ء کے انتخابات کے بعد 1946ء میں پھر بہار میں شدید ہندو مسلم فسادات ہوئے اور بہاری مسلمان ایک بار پھر ہندو اکثریت کی سفاکیوں کی زد میں آئے۔ ان المناک واقعات پر سید نجم الدین نے ایک رپورٹ مرتب کی اور نومبر 1946ء میں تحفہ خون کے نام سے شائع کی اور اس

کی نقل عبوری حکومت کے ہندو ممبروں اور وائسرائے کو بھیجی۔ اس سلسلہ میں سید نجم الدین 9 جنوری 1947ء کی صبح میر بندہ علی تالپور کی کراچی کی قیام گاہ پر قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

نجم الدین : میرا میمورنڈم تحفہ خون تو آپ کی نظر سے گزرا ہو گا؟

قائداعظمؒ : میں اسے دہلی میں بھی دیکھ چکا تھا اور اب میں نے بہار کی تازہ ترین صورت حال پر آپ کی تحریر پڑھ لی ہے۔ بہار کے مسلمانوں کی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ معصوموں کے خون کا ہر قطرہ اپنی قیمت وصول کرے گا۔ ان کی عظیم شہادتوں نے مطالبہ پاکستان کو ناقابل تسخیر بنا دیا ہے۔ اب میں پاکستان کے نقوش واضح طور پر ابھرتے دیکھ رہا ہوں۔

25 دسمبر 1974ء کے "جنگ" میں یہ واقعہ لکھنے کے بعد آخر میں سید نجم الدین یہ اضافہ کرتے ہیں۔

"اب تک مجھے یہ معلوم تھا کہ قائداعظمؒ جذبات سے معرا ہیں۔ لیکن اب جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ یہ تھا کہ بہار کے مسلمانوں کی خونچکاں داستان سننے کے بعد وہ جذبات سے لبریز تھے۔ اور دردو کرب ان کے چہرے سے عیاں تھا۔"



صرف مشورہ، حکم نہیں

دوسری جنگ عظیم کے دوران سر سکندر حیات خان وزیراعلیٰ پنجاب کے یکایک انتقال سے سرکاری حلقوں کو سخت دھکا لگا۔ پنجاب کے گورنر گلانسی نے سر سکندر کے بیٹے کیپٹن سردار شوکت حیات کو فوج سے بلا کر ان کی جگہ وزیر تو مقرر کر دیا لیکن وزارت میں مستقل طور پر رہنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ ضمنی انتخاب میں لیگ کا ٹکٹ سردار شوکت حیات کو دلوایا جائے۔ کچھ کارکن اس کے مرحلے سے بھی کامیابی سے گزریں۔ اور یہ اسی وقت یقینی ہو سکتا تھا جب انہیں مسلم لیگ کا ٹکٹ مل جائے۔ اس لیے سرکار پرست حلقوں کی کوشش تھی کہ ضمنی انتخاب کے دوسرے لیگی امیدوار میر احمد شاہ صدر ضلع مسلم لیگ کیمبل پور کے حق میں تھے۔ جب اس کش مکش نے طول کھینچا تو قائداعظمؒ نے پنجاب مسلم لیگ کے صدر خان افتخار حسین خان ممدوٹ کو لکھا کہ کسی معتبر غیرجانبدار لیگی کارکن کو دہلی بھیجیں تاکہ وہ ان سے صورت حال کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کر سکیں۔ جب وہ کارکن دہلی پہنچے تو قائداعظمؒ نے حسب عادت ان پر خوب جرح کی اور کرید کرید کر سارے حالات

معلوم کئے۔ آخر میں یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : آخر احمد شاہ میں خرابی کیا ہے؟

لیگی کارکن : خرابی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کا تعلق طبقہ امراء سے نہیں۔

قائداعظمؒ : تو پھر آپ کے لیے موزوں آدمی تو وہی ہیں۔

لیگی کارکن : میں آپ کا یہ حکم نواب ممدوٹ کو پہنچا دوں؟

قائداعظمؒ : نہیں۔ یہ حکم نہیں ہے۔ میں اس معاملہ میں حکم نہیں دے سکتا۔ یہ میری رائے ہے۔ فیصلہ کرنے کی مجاز تو تمہاری ورکنگ کمیٹی ہے۔

لیگی کارکن : لیکن ورکنگ کمیٹی میں تو زیادہ تر وزارت کے آدمی ہیں۔ آپ کے اشارے سے آپ کے وفادار عنصر کو تقویت پہنچے گی۔

قائداعظمؒ : نہیں میرے بچے! میں کوئی حکم نہیں دوں گا۔ یہ میری رائے ہے حکم نہیں۔ اگر لیگ نے احمد شاہ کو ٹکٹ نہ دیا اور شوکت کو دیا تو وہ گلانسی کی لیگ ہو گی۔ ممدوٹ سے کہو کہ انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیئے۔



حکومت پر تنقید کا حق

اپریل 1948ء میں قائداعظمؒ ایڈورڈ کالج، پشاور تشریف لے گئے۔ پرنسپل نے استقبالیہ خطبہ میں قائداعظمؒ کا خیرمقدم کرنے کے بعد کہا

پرنسپل : جناب والا! میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی ضروریات کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتا۔ چونکہ ہماری صوبائی حکومت ہماری پوری کفالت کر رہی ہے۔

قائداعظمؒ : میں آپ کے خطبہ کے انداز سے بہت مطمئن ہوں۔ عموماً ایسے خطبے بے جا تعریفوں، خوشامدوں سے پر ہوتے ہیں، جس کا کردار پر برا اثر پڑتا ہے یا پھر یہ خطبے شکایتوں اور تنقیدوں سے بھرے ہوتے ہیں جو زیادہ تر تخریبی ہوتی ہیں۔ میں خوش ہوں کہ آپ کا خطبہ استقبالیہ عام ڈگر سے ہٹا ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ سب لوگ اس بات کو شدت سے محسوس کریں کہ قیام پاکستان سے کون سی انقلابی تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔ آپ لوگ اب سر اٹھا کر چلیں اور فخر کریں کہ

آپ ایک آزاد اور خودمختار حکومت کے شہری ہیں۔ اب آپ کی اپنی حکومت ہے۔ آپ کی حکومت، جب وہ اس کی مستحق ہو، اس کی دل کھول کر تعریف کیجئے۔ اس کی قدر کیجئے۔ اس پر فخر کیجئے۔ اور جب حکومت غلطی کرے تو بے خوفی سے اس پر تنقید کیجئے۔ لیکن آپ کی تنقید تخریبی نہ ہو۔ مخلصانہ اور تعمیری ہونی چاہیئے۔



صحافیوں کو بے باک صداقت کی ہدایت

اپریل 1947ء میں دہلی میں ہندوستان کے مسلم اخبارات کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ نواب زادہ لیاقت علی خان نے اس کانفرنس کے مندوبین کے اعزاز میں ایک دعوت دی۔ قائداعظمؒ اس میں مہمان خصوصی تھے۔

ایک صحافی : آپ کی تشریف آوری کا شکریہ۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں کوئی پیغام دیں۔

قائداعظمؒ : (مسکرا کر) آپ لوگ اپنے کام کو اچھی طرح کر رہے ہیں۔

دوسرا صحافی : اس مرحلہ پر ہمیں آپ کی رہنمائی کی خصوصی ضرورت ہے۔

قائداعظمؒ : (اپنے مخصوص انداز میں انگلی اٹھا کر) قلم ایک زبردست قوت ہے جس کے آپ لوگ امین ہیں۔ اس قوت سے صحیح کام لیں۔ خوف اور لالچ سے بے نیاز ہو کر قومی جذبات کی ترجمانی کریں تو آپ قوم کی تقدیر بدل سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ خود گمراہ ہو جائیں تو قلم ہی قوم کو گمراہ کر دے گی۔
(چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اور ہر لفظ پر زور دے کر)
اپنے اندر یہ بات پیدا کیجئے کہ آپ کے مخالف بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ اس شخص کو خریدا نہیں جا سکتا۔



ایڈیٹر کا دائرہ اختیار

مشہور کتاب ''مشن ود ھ ماؤنٹ بیٹن'' کا مصنف کیمبل جانس جو وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا ایک معتمد رفیق کار تھا' لکھتا ہے۔

میں جناح سے ملنے ان کی قیام گاہ نمبر 10 ٹی اورنگ زیب روڈ پر گیا۔ یہ عمارت مسجد نما ہے۔ سرخ و سیاہ مرصع کاری سے معمور' ان کی نشست گاہ کے پردے پر ہندوستان کا نقرئی نقشہ بنا ہے جس میں پاکستان کو سبز رنگ سے دکھایا گیا ہے۔ قائداعظمؒ کی اس روز کیمبل جانس سے پریس سے متعلق یہ گفتگو ہوئی۔

کیمبل جانس : اس کانفرنس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

قائداعظمؒ : آل انڈیا ایڈیٹرز کانفرنس میں سب کے سب ہندو نمائندے تھے۔ ڈان جو مسلم لیگ کا اخبار ہے' صرف ایک مسلم نمائندہ شریک تھا۔

اگرچہ آپ یقین نہیں کریں گے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ میں اس اخبار کی پالیسی میں کبھی براہ راست حائل نہیں ہوا۔ کیونکہ پالیسی کی تشکیل و ترتیب ایڈیٹر کا حق ہے۔ اور یہ چیز اس کے دائرہ اختیار میں آتی ہے۔ میں اس سے خوب واقف ہوں۔



ایڈیٹر کا مقام

قائداعظمؒ کا مزاج آئینی تھا۔ وہ حدود و اختیارات کا احترام اپنے لیے اور دوسروں کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ اس اصول کا اطلاق صحافت پر بھی کرتے تھے۔ ڈان ایک لحاظ سے ان کا اپنا اخبار تھا لیکن اس کے ایڈیٹر کو بھی انہوں نے ضروری آزادی تحریر تفویض کر رکھی تھی۔

''ڈان'' کے مشہور ایڈیٹر الطاف حسین لکھتے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد میں نے ڈان کے ایک افتتاحیہ مقالے میں آزادی رائے پر زور دیا تھا۔ چونکہ ان دنوں عنان اقتدار قائداعظمؒ کے ہاتھ میں تھی اس لیے اس مقالے کو اشارتاً ان پر تنقید کہا جا سکتا تھا۔ اسی روز شام قائداعظمؒ سے ملنے کا اتفاق ہوا اور یہ گفتگو ہوئی۔

قائداعظمؒ : میں آپ کا مضمون پڑھ چکا ہوں۔

الطاف حسین : شکریہ!

قائداعظمؒ : کسی موضوع پر غور کیجئے اور اپنے دل میں فیصلہ کیجئے۔ اگر آپ اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ ایک خاص نظریہ یا تنقید پیش کرنا ضروری ہے تو بالکل وہی لکھ ڈالیے جو حقیقتاً آپ نے محسوس کیا ہے۔ اپنے دل کی بات کہنے میں اس لحاظ سے پس و پیش نہ کیجئے کہ کوئی ناراض ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ اپنے قائداعظمؒ کی ناراضی کی پرواہ بھی نہ کیجئے۔

الطاف حسین ان الفاظ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

”میں ان الفاظ کو صحافت کی آزادی کا منشور سمجھتا ہوں۔“



باب پنجم

تحریک پاکستان کے

ہراول دستے

تحریک پاکستان اور مسلمان بچے

قائداعظمؒ کے سیکرٹری مطلوب الحسن سید نے اپنی کتاب "ہمارے قائداعظمؒ" میں 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہونے کے چھ مہینے بعد قائداعظمؒ سے اپنی ایک گفتگو نقل کی ہے۔

سید : سر! آپ اجازت دیں تو میں کل کا ایک واقعہ بیان کروں جس کا بالواسطہ تعلق تحریک پاکستان سے ہے۔

قائداعظمؒ : ٹھیک!

سید : سر! کل میں محمد علی روڈ سے گزر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک لڑکے نے جس کی عمر بمشکل دس سال کی ہو گی کسی چیز سے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا۔ اس کے سر میں چوٹ آئی اور خون بہنے لگا۔ لڑکے نے جب سر سے خون پونچھا تو اس کو دیکھ کر رونے لگا۔ وہاں سے ایک نوجوان گزر رہا تھا۔ اس نے اس لڑکے کو ملامت کی اور کہا مسلمان ہو کر ذرا خون بہہ جانے پر روتا ہے۔ بچے نے کہا کہ میں اس لیے نہیں روتا کہ یہ ضائع جا رہا ہے میں نے تو خون پاکستان حاصل کرنے کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔

قائداعظمؒ سید! جب قوم کے بچوں کا یہ جوش و جذبہ ہے تو کوئی طاقت پاکستان کو بننے سے نہیں روک سکتی۔ اگر ہمارے مخالفوں کو عقل آگئی اور ان کی نیتوں میں فتور نہ ہوا تو' انشاء اللہ ایک قطرہ خون بھی بہنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اور اگر انہوں نے ہٹ دھرمی سے کام لیا تو دونوں طرف سے خون بہے گا۔

جب 1941ء میں مدراس میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس سے فارغ ہو کر قائداعظمؒ جنوبی ہند کے ایک پرفضا پہاڑی مقام اوٹاکمنڈ کی طرف کار سے روانہ ہوئے تو راستہ میں انہیں جگہ جگہ رکنا پڑا۔ چونکہ وہاں کے دیہاتی مسلمانوں نے ان کے استقبال کا انتظام کیا ہوا تھا۔ ایک چھوٹے سے گاؤں کے لوگوں نے جس میں مشکل سے سو گھر ہوں گے' قائداعظمؒ کو اصرار سے روکا کہ وہ ان سے خطاب کریں۔ ان مخلص دیہاتیوں نے چائے کا بھی انتظام کیا۔ قائداعظمؒ کے خلوص اور جذبے سے بہت متاثر ہوئے' رکے' خطاب کیا اور پھر ان کے ساتھ چائے پی۔ ابھی چائے پی ہی جا رہی تھی کہ اس تقریب سے دور ایک لڑکا جس کی عمر مشکل سے نو سال کی ہو گی' نعرے لگا رہا تھا" مسلم لیگ زندہ باد' قائداعظمؒ زندہ باد' لے کے رہیں گے پاکستان' بن کے رہے گا پاکستان" اس کے بدن پر پھٹے پرانے چیتھڑوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ قائداعظمؒ نے یہ دیکھا تو بہت متاثر ہوئے اور میزبان سے کہا کہ اس کو

میرے پاس بلوائیے۔ جب وہ کم عمر بچہ قائداعظمؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو یہ باتیں ہوئیں۔

قائداعظمؒ : بچے آؤ۔ میرے پاس بیٹھو۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تمہارا کیا نام ہے؟

لڑکا : (کچھ دیر چپ رہنے کے بعد ڈرتے ڈرتے) ابراہیم!

قائداعظمؒ : ابراہیم! گھبراؤ نہیں بچے۔ یہ بتاؤ کہ تم نعرہ لگاتے ہو کہ پاکستان لے کر رہیں گے۔ مگر کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ پاکستان کس چیز کو کہتے ہیں؟

لڑکا : (کچھ ہمت کر کے) مجھے اس کے سوا اور کچھ نہیں معلوم کہ جہاں ہندو ہوں وہاں ہندوؤں کی حکومت اور جہاں مسلمان ہوں وہاں مسلمانوں کی حکومت ہونی چاہیے۔

قائداعظمؒ : شاباش! قرارداد لاہور کی اس سے بہتر کوئی اور وضاحت نہیں ہو سکتی۔ اوٹا کمنڈ پہنچنے کے بعد قائداعظمؒ نے مطلوب الحسن سید سے کہا۔

قائداعظمؒ : سید! اس لڑکے کی بات تم نے سنی تھی؟

سید : جی میں پاس ہی تھا۔

قائداعظمؒ : تعجب ہے کہ اس جگہ نہ کوئی اخبار آتا ہے نہ دیہاتیوں کے پاس ریڈیو ہے۔ پھر اس بچے کے ذہن میں پاکستان کے متعلق اتنی صحیح تعریف کیسے آئی؟

سید : جی!

قائداعظمؒ : شاید اب پاکستان کو کوئی نہیں روک سکے گا۔



پاکستان کا نقشہ

اوائل 1943ء میں وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو نے قائداعظمؒ کو مذاکرات کے لیے دعوت دی۔ ان مذاکرات کے دوران ایک مرحلہ پر یہ گفتگو ہوئی کہ اگر آپ یہ ضد چھوڑ دیں کہ پاکستان بننا چاہیے اور مسلمان علیحدہ قوم تسلیم کی جانی چاہیے تو میں فریق ثانی کو قائل کر سکتا ہوں کہ مسلمانوں کو بہت سی مراعات دے۔

قائداعظمؒ : اس بات کا جواب میں آئندہ ملاقات میں دوں گا۔

چند روز بعد جب قائداعظمؒ دوبارہ ملاقات کے لیے گئے تو ان کی جیب میں ایک ریشمی رومال تھا جس پر ہندوستان کا نقشہ کڑھا ہوا تھا اور جس میں مسلمانوں کے

اکثریتی صوبے سبز رنگ سے دکھائے گئے تھے۔

قائداعظمؒ : یہ ریشمی رومال دیکھیے۔

وائسرائے : بہت خوب' یہ کشیدہ کاری کا بہت اعلیٰ نمونہ ہے۔

قائداعظمؒ : میں نے آپ کو دست کاری کے نمونے کے طور پر نہیں دکھایا۔ یہ نقشہ ایک گیارہ سال کی لڑکی نے کاڑھا ہے۔ جو پرانی وضع کے مسلمان گھر میں یوپی میں پیدا ہوئی۔ گھر میں پردہ کی سخت پابندی تھی۔ اس لیے یہ لڑکی کسی مدرسے میں پڑھنے کے لیے نہیں بھیجی گئی۔ اس نے نہایت محنت سے یہ نقشہ بنایا اور نہایت شوق سے اپنے ہاتھوں سے مجھے پیش کیا۔
کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں لوگوں کو سکھاتا ہوں کہ وہ پاکستان مانگیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ خیال اب نوخیز طبقے کے رگ و پے میں بھی سرایت کر گیا ہے اور جب میں اس پر زور دیتا ہوں تو فقط اپنی قوم کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہوں۔

یہ واقعہ 1943ء میں کوئٹہ میں ایک چائے کی دعوت کے موقع پر سر عبدالقادر نے خود قائداعظمؒ سے سنا اور بعد کو اپنے مضمون میں نقل کیا۔



ایک طالب علم کی سوچ کا کرشمہ

11 جولائی 1947ء کو اعلان ہوا تھا کہ قائداعظمؒ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل ہوں گے۔ دوسرے روز جو ملاقاتی قائداعظمؒ کی خدمت میں سب سے پہلے پیش ہوئے ان میں جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر چوہدری حمید اللہ خان اور ایک سیاسی کارکن پروفیسر محمد اسحاق قریشی تھے۔

پہلے قائداعظمؒ نے اس سازش کا تذکرہ کیا جس کے ذریعے ماؤنٹ بیٹن پاکستان اور ہندوستان کا مشترکہ گورنر جنرل بننا چاہتا تھا۔ قائداعظمؒ کا خیال تھا کہ اگر مسلم لیگ اس جال میں پھنس جاتی تو پاکستان اپنے قیام کے ابتدائی مرحلے میں ہی تباہ ہو جاتا۔ اس کے بعد قائداعظمؒ نے اپنی سیاسی جدوجہد کے بعض دلچسپ واقعات سنائے۔ اور اس ضمن میں انہوں نے فرمایا۔

قائداعظمؒ : میرا خیال ہے کہ فہم و فراست اور دانائی مخصوص آدمیوں کی میراث نہیں۔ اس لیے سیاسی امور میں بھی زیادہ سے زیادہ لوگوں کے ساتھ مشورہ کرنا اور ہر طرح

کے اور ہر طبقے کے لوگوں سے مشورہ کرنا مفید ہوتا ہے۔ بعض اوقات بظاہر ایک غیراہم گم نام آدمی بھی کوئی کام کی بات سمجھا دیتا ہے۔ 1939ء میں کانگریسی وزارتوں کے خلاف یوم نجات منانے کا مشورہ آپ کا کیا خیال ہے مجھے کس نے دیا ہو گا؟

پروفیسر اسحاق : آپ فرمائیں۔

قائداعظمؒ : یہ تجویز دسویں درجے کے ایک گم نام مسلمان طالب علم نے مجھے خط کے ذریعے لکھ کر بھیجی تھی۔ میں نے اسے فوراً قبول کر لیا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ مسلم لیگ کی اس تحریک نے کانگریس کو سب سے پہلے سیاسی شکست دی تھی۔ اس تحریک نے ہمیں بھی اپنی قوت کا احساس دلایا اور ہم اعتماد اور عزم کے ساتھ آگے بڑھ سکے اور یہ کرشمہ سکول کے طالب علم کی سوچ کا تھا۔



بچوں کی دانائی

پاکستان بننے سے کئی سال پہلے قائداعظمؒ بمبئی سے دہلی جا رہے تھے جب رات کے ڈیڑھ بجے کے قریب ان کی گاڑی ایک غیرمعروف ریلوے سٹیشن پر رکی تو کسی نے زور سے اس ڈبے کی کھڑکی کو کھٹکھٹایا جس میں قائداعظمؒ سفر کر رہے تھے۔ رات اور وہ بھی سردیوں کی رات' قائداعظمؒ کے ملازم کھڑکی کھولنا نہیں چاہتے تھے۔ قائداعظمؒ کے کہنے پر انہوں نے کھڑکی کھولی تو دیکھا کہ دو کم سن بچے سردی سے ٹھٹھر رہے ہیں۔ قائداعظمؒ کو بڑا تعجب ہوا اور پوچھا۔

قائداعظمؒ : تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟

بچے : ہم آپ کو دیکھنے آئے ہیں۔

قائداعظمؒ : تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں اس گاڑی میں آرہا ہوں؟

بچے : ہم نے اخبار میں پڑھا تھا اور پھر اندازہ لگایا کہ تقریباً اس وقت آپ کی گاڑی یہاں پہنچے گی۔

قائداعظمؒ : تم مجھے کیوں دیکھنا چاہتے تھے؟

بچے : آپ ہمارے لیے پاکستان بنا رہے ہیں نا۔

قائداعظمؒ : اچھا اب یہ بتاؤ کہ پاکستان کا مطلب کیا ہے؟

بچے : وہ ملک جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو گی۔

قائداعظمؒ نے یہ واقعہ 11 جولائی 1947ء کو جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر چوہدری حمیداللہ خان اور سیاسی کارکن محمد اسحاق قریشی کو سنایا اور آخر میں فرمایا۔

"دیکھیے ! گاندھی اور نہرو کہتے ہیں کہ انہیں پاکستان کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ حالانکہ اگر سمجھنے کی نیت ہو تو سکول کے کمسن بچے بھی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔"



ایک بچے کا قومی احساس

1940ء میں قائداعظمؒ دہلی سے لاہور تشریف لے جا رہے تھے۔ غازی آباد کے ریلوے سٹیشن پر گاڑی رکی اور قائداعظمؒ نیچے اترے تو دیکھا کہ دس برس کا ایک بچہ پھولوں کا ہار لیے کھڑا ہے۔ دوسرے استقبالیوں کو چھوڑ کر قائداعظمؒ از خود اس کی طرف بڑھے اور کافی جھک کر اسے اپنے گلے میں ہار ڈالنے کا موقع دیا۔ پھر یہ باتیں ہوئیں۔

قائداعظمؒ : بچے ! تم کیوں آئے ہو؟

بچہ : آپ کو دیکھنے کے لیے۔

قائداعظمؒ : تم مجھے کیوں دیکھنے آئے ہو؟

بچہ : قوم کے لیے۔

قائداعظمؒ : (بچے کی پیٹھ ٹھونک کر) شاباش۔
(پھر خوشی کے ساتھ حاضرین سے)
مسلمانوں کے بچوں میں بھی اب قوم کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔



تو پھر ڈائریکٹ ایکشن کریں گے

28 نومبر 1944ء کو مسلم یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کا ایک وفد 10 اورنگ زیب روڈ پر قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ قائد کی خدمت میں یونیورسٹی کے طلباء کی طرف سے تحریک پاکستان فنڈ میں ایک ہزار کا ڈرافٹ پیش کیا جائے۔ اس وفد میں مسعود زاہدی اور نواب زادہ محمود علی

خان بھی شامل تھے۔ قائداعظمؒ طلباء کے اس وفد سے بڑی شفقت سے پیش آئے۔ چائے سے تواضع بھی کی۔ چائے کے دوران یہ گفتگو ہوئی۔

مسعود : اگر انگریز نے مسلم لیگ کا مطالبہ پاکستان نظرانداز کر دیا تو اس صورت میں آپ کا لائحہ عمل کیا ہو گا؟

قائداعظمؒ : اس مرحلے پر انگریز مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کو نظرانداز نہیں کر سکے گا۔

مسعود : ایک لمحہ کے لیے اگر یہ فرض کر لیا جائے تو؟

قائداعظمؒ : اس صورت میں ہم ڈائریکٹ ایکشن کریں گے۔ اب مسلمان قوم اتنی باشعور ہو چکی ہے اور اس کی صفوں میں اتنا اتحاد اور اتفاق پیدا ہو چکا ہے کہ ہم کامیابی سے اپنی تحریک چلا سکتے ہیں۔ آخرکار انگریز کو جھکنا ہی پڑے گا۔



مجھے نئی نسل پر اعتماد ہے

1944ء میں قائداعظمؒ دہلی میں لیاقت علی خان کی کوٹھی گل رعنا میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ مختار زمن کو آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی حیثیت سے قائداعظمؒ سے ملاقات کرنے کا موقع ملا۔ قائداعظمؒ کو باہر آنے میں ذرا دیر ہو گئی۔

قائداعظمؒ : آپ مسٹر زمن ہیں؟

مختار زمن : جی ہاں جناب۔

قائداعظمؒ : (ہاتھ ملاتے ہوئے) مجھے افسوس ہے' میں اس تاخیر پر معذرت خواہ ہوں۔ لیکن میرے بچے یہ میری غلطی نہیں۔ وزراء اعلیٰ بات لمبی کرتے گئے۔

قائداعظمؒ کا اشارہ سرحد کے وزراعلیٰ سردار اورنگ زیب' پنجاب کے وزیراعلیٰ سرسکندر حیات اور آسام کے وزیراعلیٰ سر سعداللہ خان کی طرف تھا جو ان کے پاس کسی میٹنگ میں شرکت کرنے آئے ہوئے تھے۔ مختار زمن جب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے معاملات پر ضروری گفتگو کر چکے تو یہ باتیں ہوئیں۔

قائداعظمؒ : مجھے خوشی ہے کہ آپ اپنے نکتے کاغذ پر لکھ کر لائے تھے۔ مجھے یہ طریق ملاقات پسند ہے۔

اب میں آپ سے ایک سوال پوچھتا ہوں۔

مختار زمن : یہ میری خوش قسمتی ہے۔ فرمایئے۔

قائداعظمؒ : یہ بتائیں کہ اگر مسلم لیگ پاکستان کے مطالبے سے دست بردار ہو جائے تو طلباء کا ردعمل کیا ہو گا؟

مختار زمن : سر! مسلمان طلباء مسلم لیگ کو مسترد کر کے پاکستان کا پرچم خود تھام لیں گے۔

قائداعظمؒ : (پرمسرت لہجے میں) میں آپ کا جواب سن کر بہت خوش ہوا ہوں۔ مجھے نوجوان نسل پر اعتماد ہے۔
(سگریٹ کا کش لے کر)
میں غالباً کوئی راز افشا نہیں کر رہا۔ کیونکہ یہ راز' راز نہیں رہے گا کہ بہت ہی اہم مسلمان حکمرانوں میں سے ایک نے مجھے پاکستان کی سکیم کی حمایت میں پیغام بھیجا ہے۔

مختار زمن : مثلاً کون؟

قائداعظمؒ : شاہ مسعود!



نوجوان' قوم کا میگزین

1937ء میں قائداعظمؒ مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کے لیے پٹنہ تشریف لے گئے۔ بڑا شاندار استقبال ہوا۔ مسٹر حسن امام کی کوٹھی کے میدان میں ایک جلسہ ہوا۔ قائداعظمؒ نے تقریر کی اور سامعین کو مسلم لیگ میں شمولیت کی دعوت دی۔ تقریر کے دوران انہوں نے کہا

قائداعظمؒ : ہم بغیر میگزین کے ایک جنگ لڑ رہے ہیں۔

ایک نوجوان : (کھڑے ہو کر) ہم آپ کا میگزین ہیں۔

قائداعظمؒ : شاباش! میں بھی ایسا ہی سمجھتا ہوں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کے حصول کی جنگ میں قائداعظمؒ نوجوانوں کو کتنی اہمیت دیتے تھے۔



تحریک پاکستان کے سفیر

پاکستان بننے سے چند سال پہلے کا قصہ ہے کہ قائداعظمؒ علی گڑھ میں مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ دوپہر کے کھانے پر دوسرے جو مہمان مدعو تھے' ان میں سے ایک نہایت مقتدر مہمان نے قائداعظمؒ سے کہا۔

مہمان : جناب والا! آپ جیسا مصروف آدمی سال میں دو تین بار علی گڑھ آنے کے لیے کیسے وقت نکال سکتا ہے؟

قائداعظمؒ : علی گڑھ پاکستان کی تحریک کا مرکز ہے۔ یہیں سے میرے نوجوان سفیر براعظم ہندوستان کے ہر کونے میں جا کر مسلمان عوام کو مسلم لیگ کا پیغام سناتے ہیں۔ ان کا مشنری جذبے اور تحریک سے بے لوث لگاؤ میری ساری متاع ہے۔ میں علی گڑھ دس کام چھوڑ کر آتا ہوں اور ان بچوں سے مل کر اور ان سے باتیں کر کے میں خود ایک نیا عزم اور ولولہ پاتا ہوں۔



قومی کردار کی ضرورت

قائداعظمؒ اسلامیہ کالج' لاہور کے غیور طلباء کی خدمات کی بہت قدر کرتے تھے اور ان پر بہت مہربان تھے۔ ایک بار طلبہ کی ایک محفل میں جس میں حکیم آفتاب احمد قرشی بھی موجود تھے' قائداعظمؒ مسلمانوں کے عروج و زوال پر تبصرہ کر رہے تھے۔
کسی طالب علم نے پوچھ لیا۔

طالب علم : آخر میں ہم سب سے بڑی کمی کیا ہے؟

قائداعظمؒ : ہندی مسلمانوں میں قومی کردار کی کمی ہے۔ نوجوانوں کو اپنی سیرت کی تعمیر کرنی چاہیئے اور قومی کردار پیدا کرنا چاہیئے۔
یہ سن کر آفتاب قرشی نے کچھ کہا تو نہیں۔ لیکن ان کے چہرے سے قائداعظمؒ نے ان کے جذبات کو پڑھ لیا اور کہا۔

قائداعظمؒ : تم نوجوان ہو' مخلص ہو' اس لیے تم ہر شخص کو اپنے جیسا سمجھتے ہو۔ میں نے دنیا دیکھی ہے۔ زمانے کے انقلابات سے گزرا ہوں۔ مجھے مسلمان قوم کا خوب علم ہے۔اب حالت پہلے سے بہتر ہو گئی ہے۔ مسلمان بیدار ہو رہے ہیں۔ مگر اب

بھی مسلمان قوم میں ایسے افراد موجود ہیں جو ذاتی مفاد کو ملی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ مسلمان قوم کی سب سے بڑی ضرورت' قومی کردار ہے۔



نوجوان طلباء کی عزت افزائی

قائداعظمؒ 1941ء میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سالانہ جلسہ کی صدارت کے لیے لاہور تشریف لائے۔ وہ طلباء کے مہمان کی حیثیت سے نیڈوز ہوٹل میں مقیم تھے۔ قائداعظمؒ کا سارا پروگرام نوجوان طلباء ہی ترتیب دیتے تھے۔

ایک روز راجہ غضنفر علی خان ان سے ملنے کے لیے آئے۔ راجہ صاحب قائداعظمؒ کے پرانے دوست اور رفیق کار تھے۔ مرکزی اسمبلی میں قائداعظمؒ انڈیپنڈنٹ پارٹی کے لیڈر اور راجہ غضنفر علی ان کے سیکرٹری تھے۔ اس سے ان کے تعلقات کی نوعیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اتفاق کی بات کہ جب راجہ غضنفر علی خان آئے تو قائداعظمؒ موٹر سے اتر رہے تھے۔ وہ موٹر سے اتر کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگے تو راجہ صاحب نے کہا

راجہ غضنفر علی : جناب! میں آپ سے ملاقات کا خواہش مند ہوں۔

قائداعظمؒ : میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا مہمان ہوں۔ میرا پروگرام ان نوجوانوں کے ہاتھ میں ہے۔ آپ ان سے وقت لیجئے۔

یہ واقعہ اس شخص کے لیے جو قائداعظمؒ کے کردار کے مطالعہ میں دلچسپی رکھتا ہے' بڑی گہری اہمیت کا حامل ہے۔



مجھے ان نوجوانوں سے کام لینا ہے

نومبر 1945ء میں جب قائداعظمؒ مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے پشاور تشریف لائے تو اس وقت صوبے میں کانگرسی حکومت تھی۔ لیگ کا جلسہ تو خیر دھوم دھام سے ہوا لیکن کانگرسی حکومت سے لوگ اتنا ڈرے ہوئے تھے کہ پشاور صدر کا ہوٹل قائداعظمؒ کو ٹھہرانے کے لیے آمادہ نہ ہوا تو سرحد لیگ کے رہنماؤں نے جن میں عبدالواحد خان بھی شامل تھے' انہیں پشاور کے ایک معزز لیگی کارکن حسن محمد خان کے ہاں ٹھہرایا۔ قائداعظمؒ کی دیکھ بھال کی خدمت عبدالواحد خان ہی بجا لا

رہے تھے۔ جلسہ کے بعد دو ملاقاتی بیک وقت قائداعظمؒ سے ملنے آئے۔

عبدالواحد : جناب! اس علاقہ کے ایک بہت بڑے اور بارسوخ خان' میر عالم خان تشریف لائے ہیں۔ اتفاق سے ٹھیک اسی وقت ایک طالب علم بھی ملنے آگیا ہے۔ کسے پہلے وقت دیا جائے؟

قائداعظمؒ : آپ پہلے طالب علم کو آنے دیجئے۔

اس واقعہ کے راوی عبدالواحد خان کہتے ہیں کہ بعد میں جب انہوں نے خان میر عالم خان سے ملاقات کی تو ان الفاظ سے گفتگو شروع کی۔
"برا نہ مانئے گا۔ مجھے ان نوجوانوں سے کام لینا ہے۔"



سر سکندر! آپ طلباء سے وقت لیجئے

جب قائداعظمؒ 1941ء میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس کے سالانہ جلسے کی صدارت کے لیے تشریف لائے تو لاہور کے مسلم لیگی زعماء میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ ان کے یہاں قیام کریں۔ لیکن قائداعظمؒ تو قائداعظمؒ تھے۔ وہ اپنے اصولوں سے کیسے انحراف کرتے۔ طلباء ان کے میزبان تھے۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ جہاں ان کے میزبان ان کو ٹھہرائیں گے' وہ وہاں ٹھہریں گے۔ چنانچہ طلباء نے انہیں نیڈوز ہوٹل میں ٹھہرایا۔ قائداعظمؒ نے آداب مہمانی کو پورے طور پر ملحوظ رکھا۔ اس دوران نوجوان طلباء ہی ان کا پروگرام مرتب کرتے تھے۔ راجہ غضنفر علی خان جیسے دوست اور رفیق کار نے ملنا چاہا تو انہوں نے کہا کہ آپ طلباء سے وقت لیجئے۔

اب سر سکندر حیات خان کی باری تھی۔ سر سکندر کسی تقریب میں ملے۔

سر سکندر : جناب والا! میں آپ سے ایک نجی ملاقات کے لیے آپ کے ہوٹل میں آنا چاہتا ہوں۔

قائداعظمؒ : میں سٹوڈنٹس فیڈریشن کا مہمان ہوں۔ میرا پروگرام نوجوان طلباء کے ہاتھ میں ہے۔ آپ ان سے وقت لے لیجئے۔

اب پنجاب کے وزیراعلیٰ سر سکندر حیات خان' مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے عہدیداروں کو تلاش کر رہے تھے۔ چند روز پہلے یہی صاحب نوجوان کارکنوں سے ملنے سے بھی گریز کرتے تھے۔ اب نوجوان کارکنوں کو موقع ہاتھ آیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں ملنے کی فرصت نہیں۔ وزیراعلیٰ دو روز کے بعد فون

کریں۔ بڑے اصرار کے بعد نوجوانوں نے سر سکندر حیات جیسے وزیراعلیٰ کو ملاقات کا وقت دیا۔



اپنی جنگ خود لڑو

تحریک پاکستان کامیابی کے آخری مراحل میں تھی۔ لیکن یہ مرحلہ سخت صبر آزماء بن گیا تھا۔ سر خضر حیات کا دورِ وزارت تھا۔ اکثر مسلم لیگی رہنما جیل میں تھے۔ ادھر وسائل کا الگ توڑا تھا۔ جسٹس شیم حسین قادری ان دنوں مسلم لیگ کے سرگرم نوجوان کارکنوں میں سے تھے۔ راجہ سید اکبر کے بعد انہیں ہی ایجی ٹیشن کی قیادت کرنا تھی۔ ضروری اخراجات کے لیے پیسے کی شدید کمی تھی۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے شیم حسین' بیگم شاہنواز کا خط لے کر کراچی گئے' جہاں ان دنوں مسلم لیگ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ قائداعظمؒ سندھ کے وزیراعلیٰ غلام حسین ہدایت اللہ کے پاس سندھ گورنمنٹ ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حسین شہید سہروردی بھی وہیں تھے۔ اصل میں خط بھی انہی کے نام تھا۔ بہرحال جب صبح قائداعظمؒ ناشتہ کی میز پر بیٹھ چکے تو شیم حسین ان کی خدمت میں باریاب ہوئے۔

قائداعظمؒ : پنجاب سے کیا خبر لائے ہو؟

شیم : مسلم لیگ کی تحریک خوب چل رہی ہے۔ اس وقت زمام قیادت راجہ سید اکبر کے ہاتھ میں ہے۔ وہ بہت جلد اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کریں گے۔ پھر میری باری ہے۔

قائداعظمؒ : خوب - یہاں اس وقت کس لیے آئے ہو؟

شیم : ہمارے پاس وسائل کی شدید کمی ہے۔ اس لیے بڑی دقت پیش آرہی ہے۔

قائداعظمؒ : پیسے تو ہمارے پاس بھی نہیں۔ پنجاب کو اپنی لڑائی خود لڑنا چاہیئے۔ تم لوگ کوشش کرو۔ ہمت سے کام لو۔

شیم : جناب والا ! ہم نے اپنے وسائل سے پورا فائدہ اٹھایا ہے اور اپنے ذرائع سے حد امکان تک استفادہ کیا ہے۔ اب مجبور ہو کر آپ سے استدعا کی ہے۔ لیگی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہونے کو ہے۔

قائداعظمؒ : تم لوگوں کی کاوشوں کی میں قدر کرتا ہوں۔ اچھا ! تمہارے مشن کے لیے کوشش کی جائے گی۔

قائداعظمؒ کی عادت تھی کہ سیاسی کارکنوں کو خودکفیل ہونے کی تلقین کیا کرتے تھے کہ سیاسی کاموں میں کم سے کم پیسہ صرف کیا جائے اور سیاسی کارکن زیادہ سے زیادہ وسائل پر بھروسہ کریں۔



مورچہ نہ چھوڑو

1946ء کے تاریخی انتخابات جن کی نوعیت پاکستان کے لیے ریفرنڈم کی سی تھی' سر پر تھے کہ اسلامیہ کالج' لاہور کے طالب علم ضیاء الحق کو مسلم لیگ کی انتخابی مہم کے دوران کسی ضروری کام سے بمبئی جانا پڑ گیا۔ شہر قائداعظمؒ میں پہنچ کر ان کے دل نے نہ مانا کہ اپنے محبوب قائداعظمؒ کی زیارت کے بغیر واپس جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ مالا بار ہل قائداعظمؒ کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ قائداعظمؒ کے سیکرٹری مسٹر خورشید الحسن نے انہیں بتایا کہ قائداعظمؒ کی مصروفیت کے پیش نظر انہیں پانچ دن کے بعد ملاقات کا وقت مل سکتا ہے۔ یہ نوجوان نہ مانے۔ ان کا اصرار تھا کہ ہم پنجاب سے آئے ہیں' طالب علم ہیں۔ قائداعظمؒ کی ایک جھلک دیکھے بغیر نہ جائیں گے۔ سیکرٹری خورشید الحسن بھی صورت حال سے مجبور تھے۔ چنانچہ وہ نہ مانے۔ ان نوجوانوں کا خون گرم تھا۔ یہ بھی اڑ گئے۔ آخرکار گفتگو نے ایک ناخوشگوار تکرار کی صورت اختیار کر لی۔ ان کی اونچی آوازیں سن کر قائداعظمؒ اپنے کمرے سے نکل آئے۔ برآمدے میں کچھ دیر ان کی باتیں سنتے رہے۔ پھر چند لمحوں کے بعد ان کی طرف آئے اور بڑے غصے سے بولے۔

قائداعظمؒ : یہ کیا ہو رہا ہے؟

ضیاء الحق : ہم پنجاب سے آئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

قائداعظمؒ : کیا تم طالب علم ہو؟

ضیاء الحق : جی ہاں جناب! میں اسلامیہ کالج' لاہور کا طالب علم ہوں۔

قائداعظمؒ : (قدر برہمی کے ساتھ) تمہیں تو اس وقت پنجاب میں ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ وہاں پاکستان کی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ تم اپنا مورچہ چھوڑ کر مجھے ملنے یہاں پہنچے ہو۔ جاؤ پنجاب واپس چلے جاؤ اور جا کر مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچاؤ۔ میرے اور تمہارے لیے وقت کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔ جب ہم پاکستان کی جنگ جیت لیں گے تو میں تمہیں ملاقات کی دعوت دوں گا۔



قانون کا احترام

ایک بار جب قائداعظمؒ مسلم یونیورسٹی' علی گڑھ تشریف لے گئے تو طلباء کا ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور یونیورسٹی کے خلاف اور انتظامیہ کے خلاف شکایات پیش کیں۔

وفد : ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری شکایات کو دور کرنے اور مطالبات کو منوانے میں ہماری مدد کریں گے۔

قائداعظمؒ : مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ آپ یونیورسٹی کو بہتر دیکھنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے۔ لیکن آپ لوگ چاہتے ہیں کہ دوسرے قانون کا احترام کریں تو پہلے خود بھی قانون کا احترام کرنے کی مثال پیش کیجئے۔

وفد : جناب ہم تو قانون کا پورا اہتمام ملحوظ رکھتے ہیں۔

قائداعظمؒ : پھر تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ لیکن ابھی اس کا امتحان کئے لیتے ہیں۔ اس وقت آپ میں سے بہت سے سائیکلوں پر آئے ہیں۔ ذرا گن کر بتائیے کہ کتنوں کی سائیکلوں پر سائیکل لیمپ ہے۔

وفد : جناب! اس وقت تو صرف ایک پر ہے۔

قائداعظمؒ : (مسکرا کر) نوجوانو! دوسروں پر تنقید نہ کیجئے۔ جبکہ آپ نے خود قانون کا احترام کرنا نہیں سیکھا ہے۔



طلباء اور عملی سیاست

قائداعظمؒ کلکتہ میں مرزا ابوالحسن اصفہانی کے یہاں مقیم تھے کہ گفتگو میں طلباء کے سیاست و کردار کا تذکرہ آگیا۔

اصفہانی : 1946ء کے انتخابات میں مسلم طلباء نے اپنا بھرپور سیاسی کردار ادا کیا جو اس ملک کی سیاسی تاریخ میں ایک نئی چیز ہے۔

قائداعظمؒ : میں نے اس موقع پر ضرور طلباء سے انتخابی مہم میں حصہ لینے کو کہا' وہ بھی محض چند ہفتوں یا مہینوں کے لیے چونکہ یہ پاکستان کی جدوجہد کا آخری مرحلہ تھا۔ ورنہ میرا خیال ہے کہ طلباء عملی سیاست کے سیاسی واقعات اور تغیرات کا مشاہدہ

کرتے رہیں اور اپنے آپ میں یہ استعداد اور قابلیت پیدا کریں کہ جب آخرکار اپنی پڑھائی ختم کر چکیں تو اپنا کردار ادا کر سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ سیاست میں عملی حصہ لینے سے طلباء کی توجہ اور قوت عمل بٹ جاتی ہے۔ حالانکہ ان کے اپنے والدین' خود اپنی اور معاشرے کی جانب سے بڑی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی تعلیم کی طرف پوری توجہ کریں اور اپنے آپ کو کسی نہ کسی پیشے کے اہل بنائیں۔ میں نوجوانوں کے لیے ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کے پاس کسب معاش کا کوئی ذریعہ موجود ہونا چاہئے اور انہیں اپنے مستقبل کے بارے میں اطمینان حاصل ہو جائے۔

جب وہ زندگی میں اپنی جگہ بنا لیں تب ہی انہیں سیاست کے سمندر میں غوطہ لگانا چاہئے۔ سیاست کو ایک پیشے کی طرح اختیار کر لینا بالخصوص اپنی زندگی کے شروع سالوں میں' میرے نزدیک طلباء کے لیے نہ صرف نازیبا ہوتا ہے' بلکہ ان کے آئندہ مفادات کے لیے مضر بھی۔ لیکن میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ طالب علم لڑکے اور لڑکیاں دونوں کو اپنے ملک کے واقعات نیز بین الاقوامی معاملات میں دلچسپی قائم رکھنی چاہئے۔ کیونکہ اس دلچسپی کے ذریعہ ان کی عام معلومات میں اضافہ ہو گا اور انہیں ان مسائل سے جو ان کی قوم کو درپیش ہیں۔ نیز ان اقدامات سے جو ان مسائل کو حل کرنے کے لئے سوچے جا رہے ہیں یا اختیار کئے گئے ہیں' واقفیت رہے گی۔

نوجوان مردوں اور عورتوں کے لیے سیاست کے اکھاڑے میں داخل ہونے سے پہلے بہت کچھ کرنے کو ہے۔ پہلے انہیں اپنی تعلیم کو مکمل کرنا اور اپنے آپ کو مضبوط معاشی بنیاد قائم کرنا چاہیے اور پھر ملک کی سیاست میں عملی حصہ لینے کا خیال کرنا چاہیے۔



یہ چاند وہ نہیں ہے آجائے جو گہن میں

تحریک پاکستان کے سلسلہ میں لاہور میں جو جلسے ہوتے تھے ان میں تین نظمیں بار بار پڑھی جاتی تھیں۔

پیری میں چہرے کی رونق تو دیکھو
مرا پیر پھر نوجواں ہو رہا ہے

--○--

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی

علامہ اقبال

اور یہ بند تو بہت مقبول تھا۔

یہ مشورہ ہوا کل غیروں کی انجمن میں
چھوڑو نہ جان باقی اسلامیوں کے تن میں
میں نے کہا شری جی ! کیا سوچتے ہو من میں
یہ چاند وہ نہیں ہے' آجائے جو گہن میں

1946ء کے عام انتخابات جو ایک طرح پاکستان کے لیے ریفرنڈم کی حیثیت رکھتے تھے' سر پر تھے۔ اسلامیہ کالج' لاہور کے حبیبیہ ہال میں جلسہ ہو رہا ہے۔ اسٹیج پر صرف دو کرسیاں رکھی تھیں۔ ایک پر اسلامیہ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر عمر حیات ملک فریم شدہ سپاسنامہ لئے بیٹھے تھے اور قائد کی تقریر جاری تھی۔

قائداعظمؒ : میرے نوجوان بچو ! میرے پاس زمین کے مربعے نہیں جو میں آپ کو دوں۔ نہ ہی میرے پاس آپ کو دینے کے لیے وکٹوریہ کراس ہے۔ لیکن اتنی بات آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ مجھے آپ پر فخر ہے۔ یہی نہیں بلکہ پوری قوم کو آپ پر ناز ہے۔

(ڈاکٹر ملک کو خطاب کر کے)

ڈاکٹر عمر حیات ملک ! کالج کے دروازے کھول دو اور لڑکوں کو محاذ جنگ پر جانے دو۔ تاکہ یہ پنجاب کے گوشے گوشے میں مسلم لیگ کا پیغام پہنچا سکیں۔

اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے راجہ غضنفر علی لکھتے ہیں۔

"جب قائداعظمؒ نے ڈاکٹر عمر حیات کو نام لے کر پکارا تو ان پر اتنا رعب طاری ہوا کہ فریم شدہ سپاسنامہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے زمین پر گر پڑا اور ٹوٹ گیا۔
قائداعظمؒ کی اس تقریر کو سن کر اسلامیہ کالج کے طلباء کے دلوں میں آگ لگ گئی۔
آن کی آن میں طلباء پنجاب کے گوشے گوشے میں مسلم لیگ کا پیغام لے کر پھیل گئے۔
سیدھے سادے دیہاتی مسلمان مسلم لیگ کو "مسلم لیکھ" (لکیرا) کہتے تھے جو جنت کی لکیر تھی۔"



نوجوان میرے ہیں اور میں نوجوانوں کا ہوں

نوجوانوں سے قائداعظمؒ کے تعلقات کی نوعیت میں قائداعظمؒ کے کردار کی عظمت کا ایک نیا پہلو سامنے آتا ہے۔ شفقت اور قدر دانی کا پہلو۔ وہ جناح جو سیاسی حریفوں کے لئے مرد آہن تھے' جو خوشامدی اور موقع پرست نام نہاد لیڈروں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے' نوجوانوں کے لیے سراپا شفقت و مروت تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کے جذبے' خلوص اور قیمتی قومی خدمات کی دل سے قدر کرتے تھے اور برملا اس کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

نومبر 1946ء میں جب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن' فیصل آباد کی طرف سے ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا تو قائداعظمؒ نے فرمایا:

"آپ سب نوجوان میرے ہیں اور میں آپ کا ہوں"

"جب قوم کے بزرگوں نے میرا ساتھ نہ دیا تھا تو آپ نے میرا ساتھ دیا۔ آپ نے نہایت خلوص اور وفاداری سے میری مدد کی۔ نوجوان تو میرا ہراول دستہ ہیں۔"

نوجوانوں کو شاید معلوم نہیں کہ اس تحریک سے انہوں نے ہندوستان کی تاریخ بدل دی۔"

قائداعظمؒ بڑے مصروف انسان تھے۔ بغیر وقت مقرر کئے وہ بڑے سے بڑے آدمی سے کم ہی ملتے تھے۔ لیکن نوجوانوں کے لیے ان کے دروازے ان کے دل کی طرح ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔ گورنر جنرل بننے کے بعد بھی ان کی یہ روش قائم رہی۔

قیام پاکستان کے بعد حکیم آفتاب احمد قرشی نوجوان طلباء کا ایک وفد لے کر قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آفتاب قرشی : قیام پاکستان تک تو ہم جہاد آزادی میں مصروف رہے۔ اب ہم کچھ اپنے مسائل کی طرف بھی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

قائداعظمؒ : ضرور کرائیں۔ یہ بھی ضروری ہے۔

آفتاب قرشی : لیکن اس سلسلہ میں کچھ کرنے سے ارباب اختیار سے اختلاف کی صورت بھی پیدا ہو گی۔

قائداعظمؒ : ہم تو چراغ سحری ہیں۔ یہ ملک تو نوجوانوں کے لیے ہی ہے۔ نوجوان اپنے مسائل پیش کریں۔ ہم انہیں حل کریں گے۔ آپ پاکستانی نوجوانوں کی تنظیم کیجئے۔ میری ہمدردی اور حمایت آپ کے ساتھ ہو گی۔



بہت سے جناح!

قائداعظمؒ کو نوجوانوں سے بہت امیدیں تھیں۔ اور ان پر انہیں بہت اعتماد بھی تھا۔ حصول پاکستان کی جنگ لڑنے کے لیے قائداعظمؒ نے نوجوانوں' خاص طور پر نوجوان طلباء ہی کو آگے بڑھایا۔ 1937ء میں انہوں نے آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن منظم کی۔ اس کا پہلا اجلاس قائداعظمؒ کی صدارت میں 1937ء میں کلکتہ میں ہوا۔ انہوں نے کہا۔

قائداعظمؒ : آپ لوگ تحریک پاکستان کا ہراول دستہ ہیں۔ نوجوان نسل سے مجھے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔
مجھے یقین ہے کہ تم میں سے بہت سے جناح اٹھیں گے۔

طلباء : جناب! آئندہ کیا ہو گا؟

قائداعظمؒ : مستقبل تمہارے ہاتھوں میں محفوظ ہے۔



آپ ہی میں سے جناح پیدا ہوں گے

پاکستان بننے سے کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ دہلی کے مسلم نوجوانوں نے قائداعظمؒ فٹ بال ٹورنامنٹ کرانے کا فیصلہ کیا۔ ٹورنامنٹ کا افتتاح قائداعظمؒ کو کرنا تھا۔ سردیوں کے دن تھے۔ افتتاح کے لیے چار بجے شام کا وقت مقرر ہوا تھا۔ لیکن وقت پر انتظامات مکمل نہ ہو سکنے کی وجہ سے قائداعظمؒ سے مزید پندرہ منٹ لینے کی درخواست کی گئی۔ یہ درخواست فون پر این ایچ' ہاشمی نے کی۔ قائداعظمؒ نے یہ درخواست قبول کر لی لیکن جب آئے تو منتظمین سے ہاتھ ملاتے ہوئے جو فقرہ بار بار کہا وہ یہ تھا۔

پابندی وقت - مجھے یہ طریقہ پسند نہیں۔

قائداعظمؒ نے اس موقع پر کھیلوں کی اہمیت پر بڑی خوب صورت تقریر بھی فرمائی۔ قائداعظمؒ نوجوانوں میں گھرے ہوئے تھے۔ ان میں این ایچ' ہاشمی بھی تھے اور پاکستان پر باتیں ہو رہی تھیں۔

قائداعظمؒ : پاکستان انشاء اللہ بن کر رہے گا۔

ہاشمی : خدا آپ کی عمر دراز کرے۔ ہمارے یہاں تو قحط الرجال ہے۔

قائداعظمؒ : نوجوان! آپ مایوسی کا شکار کیوں ہوتے ہیں۔ کون جانتا ہے کہ جناح پیدا ہو گا' اتاترک اٹھے گا۔ آپ ہی میں سے بہت سے جناح ابھریں گے۔ مایوس ہونے کی بجائے محنت کریں اور بہتری کی امید رکھیں۔



میں آج ہوں' کل نہیں ہوں گا

1946ء کے تاریخی انتخابات سے ذرا پہلے علی گڑھ کے تقریباً ڈیڑھ سو طلباء قائداعظمؒ سے ملاقات کرنے اور رہنمائی حاصل کرنے دہلی پہنچے۔ قائداعظمؒ ان دنوں غیر معمولی طور پر مصروف تھے۔ اس لیے ان سے ملاقات کے لیے وقت لینا بہت دشوار تھا۔ دریا گنج میں مسلم لیگ کے دفتر کے انچارج قاضی عیسیٰ صاحب نے ان طلباء کی خاطر بار بار فون کر کے اور ڈیڑھ سو کی تعداد کا واسطہ دے کر ان کے لیے پانچ منٹ کا وقت لیا۔ لیکن جب وقت ملا تو چار کے سوا سب مایوس ہو کر ادھر ادھر بکھر چکے تھے۔

مجبوراً" یہی چار نئی دہلی میں قائداعظمؒ کی قیام گاہ پر پہنچے' وہ بھی مقررہ وقت سے خاصی دیر کے بعد۔

یہ کونے کا کمرہ تھا جس کے مغربی اور شمالی بازو باغ میں کھلتے تھے۔ مغربی کھڑکی سے دھوپ آرہی

تھی۔ پودے نیم وا تھے۔ صوفے کی کرسی پر قائداعظمؒ فروکش تھے۔ نیلا سوٹ' سفید بال سلیقے سے بنائے ہوئے' بجلی کے آتش دان روشن' سامنے قالین پر نیم دائرے کی شکل میں اخبار پھیلے ہوئے تھے۔ دائیں ہاتھ لوہے کا آفس بکس رکھا تھا۔ چاروں ملاقاتیوں نے آگے بڑھ کر باری باری عقیدت سے ہاتھ ملایا۔ قائداعظمؒ نے بیٹھے بیٹھے مصافحہ کیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

قائداعظمؒ : آپ کو معلوم ہے کہ میں بہت مصروف ہوں۔ دن رات آپ ہی کے کام میں لگا رہتا ہوں۔ اس لیے بمشکل پانچ منٹ دے سکوں گا۔

طلباء : ہم آپ کے بہت شکرگزار ہیں۔

قائداعظمؒ : آپ علی گڑھ کے طلباء ہیں۔ جن کی میں بے حد قدر کرتا ہوں۔ لیکن کاش میری قوم میں کچھ نظم و ضبط' کچھ وعدے کا پاس اور وقت کی پابندی پیدا ہو جاتی۔ آپ نے ڈیڑھ سو طلباء کا ذکر کیا اور صرف چار آئے' وہ بھی ڈیڑھ گھنٹہ دیر سے اور مجھے منتظر رکھا۔

طلباء : ہم بے حد شرمندہ ہیں۔ دریا گنج میں مسلم لیگ کے دفتر میں ہم چار ہی گئے تھے۔ باقی طلباء باہر سڑک پر انتظار کر رہے تھے۔ اجازت لینے میں بہت وقت لگا۔ جب وقت لے کر ہم نکلے تو وہ کھانا وغیرہ کھانے ادھر ادھر بکھر چکے تھے۔ پھر ہمیں جو تانگہ ملا وہ سست رفتار تھا اس لیے دیر ہوئی۔ ہم بے حد معذرت خواہ ہیں۔

قائداعظمؒ : اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔

طالب علم : میں ابھی سندھ سے آرہا ہوں۔ وہاں مسلم لیگ کی مخالفت بہت زیادہ ہے اور کام کرنے والے بہت کم ہیں۔

قائداعظمؒ : (تاروں کا پلندہ طلباء کی طرف دھکیل کر) میں آپ کی بات کا یقین کروں یا ان لوگوں کا جو یہ تار بھیج رہے ہیں کہ ہمارے حق میں جوش و خروش سے کام ہو رہا ہے۔

طالب علم : کام منظم طور پر نہیں ہو رہا اور اس کا سبب یہ ہے کہ سندھ مسلم لیگ کے پاس فنڈز نہیں میں خود بڑی مشکل سے واپس علی گڑھ آسکا۔

قائداعظمؒ : پھر آپ نے رقم کا بندوبست کیسے کیا؟

طالب علم : ایک دوست سے پیسہ ادھار لیا۔

قائداعظمؒ : آپ کا دوست کیا مسلم لیگ کا دوست نہیں؟

طالب علم : جی وہ تو ہے۔

قائداعظمؒ : تو پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ لوگ مسلم لیگ اور مسلم لیگ کے کارکنوں کی مدد نہیں کرتے۔

(لہجہ بدل کر)

دیکھئے ! آپ نے ہزاروں کام مجھے سونپ رکھے ہیں۔ سب سے بڑا کام یہ کہ میں کانگریس اور مسلمان دشمن طاقتوں کا موثر جواب دوں۔ آپ یہ اخبارات دیکھ رہے ہیں۔ یہ سب کے سب مجھے وکٹڈ جناح کہتے ہیں اور مسلم لیگ کو جناح لیگ۔ کیا میری قوم میں کوئی شخص ہے جو مجھے اس محنت سے نجات دے کر دوسرے کاموں کے لیے تنہا چھوڑ دے۔ میں آج ہوں' کل نہیں ہوں گا۔ پاکستان آپ کا ہے۔ ہندو بوکھلایا ہوا ہے۔ میں اس پر ضرب کاری لگانا چاہتا ہوں۔ انگریز کو اب پاکستان سے مفر نہیں۔

قائداعظمؒ نے اس گفتگو میں برصغیر کی پوری تاریخ اور مسلم لیگ کے مقاصد پر سیر حاصل روشنی ڈالی۔ تین بجے قائداعظمؒ گھڑی کو دیکھ کر یکایک اٹھ کھڑے ہوئے۔ ملاقاتی بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اٹھتے اٹھتے طلباء نے کہا۔

طلباء : جناب ! ہمارے بیشمار ساتھی جو ہمارے ساتھ علی گڑھ سے آئے ہیں۔ آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو وہ بے حد مایوس ہوں گے۔

قائداعظمؒ : میں درشن ورشن میں یقین نہیں رکھتا۔ تاہم آپ ان لوگوں کو ساڑھے تین بجے تک لا سکتے ہوں تو لے آیئے۔ میں مل لوں گا۔ اس کے بعد مجھے فرصت نہیں ہو گی۔

ان چار ملاقاتی طلباء میں سے ایک راجہ ف م ماجد نے اس واقعہ کو دسمبر 1974ء کے اردو ڈائجسٹ میں ان ہی الفاظ اور انداز میں قلم بند کیا ہے۔



باب ششم

قائداعظمؒ اور خواتین

صرف سماجی تتلیاں ہی نہیں

1922ء کے اوائل کا واقعہ ہے' ایک مقتدر سیاسی اور سماجی کارکن خاتون نے قائداعظمؒ سے ملاقات کے دوران سر شفیع کے خاندان کی خواتین کا تذکرہ کیا۔

خاتون : سر! آپ کو پتہ ہے کہ سر شفیع کی فیملی کی خواتین نے روایتی پردے کو خیرباد کہہ دیا ہے۔

قائداعظمؒ : مجھے امید ہے کہ وہ صرف سماجی تتلیاں نہیں بنیں گی۔ وہ کچھ مفید کام بھی کریں گی۔

اور قائداعظمؒ کی توقعات غلط ثابت نہیں ہوئیں۔ بیگم جہاں آرا شاہنواز' ممتاز شاہنواز اور گیتی آرا نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اس واقعہ کو خود بیگم جہاں آرا شاہنواز نے اپنے مضمون "قائداعظمؒ جیسے کہ میں انہیں جانتی تھی" میں بیان کیا ہے۔



نصف پاکستان تمہارا ہے

اواخر 1947ء میں سندھ مسلم لیگ کی خواتین کی سب کمیٹی نے جس کی صدر گورنر سندھ غلام حسین ہدایت اللہ کی اہلیہ تھیں۔ قائداعظمؒ کے اعزاز میں ایک عصرانے کا اہتمام کیا۔ مقصد یہ تھا کہ خواتین کی طرف سے قائداعظمؒ کو تخلیق پاکستان پر مبارکباد دی جائے۔ سب کمیٹی کی امداد کے لیے دعوت نامے فروخت کئے گئے تھے۔ عصرانے پر اتنی خواتین آئیں کہ گورنر ہاؤس کے وسیع و عریض لانوں پر تل دھرنے کی جگہ نہیں رہی۔ مرد بیروں کے بجائے سندھ مسلم لیگ کی عہدیدار اور کارکن خواتین ہی میزبانی کر رہی تھیں۔ خواتین کے جوش و خروش سے قائداعظمؒ بہت متاثر ہوئے۔

لیڈی ہدایت اللہ (سپاسنامہ کے آخر میں) اب میں تقریب کے مہمان خصوصی حضرت قائداعظمؒ سے درخواست کروں گی کہ وہ خواتین کی رہنمائی کیلئے کچھ ارشاد فرمائیں۔

قائداعظمؒ : نصف پاکستان آپ کا ہے۔ چونکہ پاکستان کو حاصل کرنے کے لیے آپ نے مردوں سے کم جدوجہد نہیں کی ہے۔

خواتین کو یہ خراج تحسین قائداعظمؒ نے یوں ہی نہیں پیش کر دیا۔ 23 مارچ 1940ء کو جب لاہور

میں مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس ہوا تو اس میں شرکت کرنے کے لیے ملک کے طول و عرض سے بڑی تعداد میں مسلم لیگی خواتین لیڈرز آئی تھیں۔ خود اس تاریخی اجلاس میں خواتین رضاکاروں نے بہت بڑی تعداد میں شرکت کی تھی جو صدر دروازے سے ڈائس تک دونوں طرف صف آرا تھیں۔ اس تعداد میں مسلم خواتین کا اجلاس میں شرکت کرنا بھی اس اجلاس کی ایک خصوصیت تھی۔ قائداعظمؒ نے خواتین کے رول اور خدمات کو بار بار نمایاں کیا اور سراہا۔ 22 نومبر1942ء کو جناح اسلامیہ کالج برائے خواتین سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا تھا۔

"مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ نہ صرف مسلمان مرد بلکہ مسلمان عورتیں اور بچے بھی پاکستان کو سمجھ گئے ہیں۔ بغیر اپنی عورتوں کے تعاون کے کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ اگر مسلمان عورتوں نے اپنے مردوں سے اسی طرح تعاون کیا جس طرح انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کیا تھا تو مجھے یقین ہے کہ ہم بہت جلد منزل مقصود کو پالیں گے۔"

اسی زمانے میں لاہور کے قریب نواں کوٹ میں خواتین کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ

"انسانی تہذیب کے پیچھے قلم کی قوت رہی ہے۔ اسی طرح ایک اور متحرک بھی ہے جس نے انسان کی تقدیر کو سنوارا ہے۔ یہ تخلیقی قوت عورتوں کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان خواتین اپنے دلوں میں قومی زندگی میں ایک مثبت کردار ادا کرنے کی ایک امنگ، ایک جذبہ پیدا کریں۔"



قومی تعمیر میں عورتوں کا حصہ

1937-38ء میں جب قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کی تنظیم نو کا کام شروع کیا تو خواتین کو بھی مسلم لیگ کے پرچم تلے منظم کرنے کی برابر کی کوشش کی۔ یہ کام مردوں کو منظم کرنے سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ہر صوبہ میں سرآوردہ مسلم خواتین کا تعاون حاصل کیا۔ سی پی میں کام کرنے کا قرعہ فال مرکزی قانون ساز کے رکن اور مسلم لیگ نیشنل گارڈز کے سالار اعلیٰ نواب صدیق علی خان کی بیگم خورشید آراء کے نام نکلا۔ 1938ء کے موسم گرما میں قائداعظمؒ اور فاطمہ جناح نے اور خورشید آرا بیگم کو 10 اورنگ زیب روڈ پر اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے اور اس کے بعد قائداعظمؒ ان سے سی پی میں مسلم خواتین کے تنظیمی مسائل پر گفتگو کرتے رہے۔

قائداعظمؒ : تو پھر آپ کی اصل مشکلات کیا ہیں؟

خورشید آرا بیگم: ہندوؤں کی دشمنی تو بہت ہی زیادہ ہے۔ وہ تو ہمارے وجود کو برداشت ہی نہیں کر سکے۔ بلکہ ہمیں مٹانے کے درپے ہیں۔

قائداعظمؒ : آپ ہندوؤں کے معاندانہ رویہ سے دل شکستہ نہ ہوں۔ جب ہم منظم ہوئے تو انہیں راہ راست پر لانا کوئی مسئلہ نہ ہو گا۔

خورشید آرا بیگم: لیکن سرا اپنوں کا رویہ بھی کچھ حوصلہ افزا نہیں۔ ہم گھر گھر جا کر مسلم لیگ کا پیغام پہنچاتی ہیں۔ پھر بھی ہمارے جلسوں میں عورتیں نہیں آتیں۔ کچھ تو باقاعدہ ہمارا مذاق اڑاتی ہیں۔ البتہ اکا دکا ایسی بھی ہوتی ہیں جو ہمارے ساتھ نعرے بھی لگاتی ہیں۔

قائداعظمؒ : یہ تو آپ کی بہت بڑی کامیابی ہے کہ ایسی عورتیں آج کم ہیں کل زیادہ ہوں گی۔ آپ اپنا کام کرتی رہیں۔
میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ قوم کی تعمیر میں ہماری عورتوں کو اہم کردار ادا کرنا ہے۔ پنجاب میں خواتین نے خاصا کام کیا ہے۔ مجھے اپنی خواتین کی صلاحیت کار اور جذبے پر پورا پورا اعتماد ہے۔

(قائداعظمؒ اور مسلم خواتین صفحہ 56)



خواتین ایک تیسری طاقت

مارچ 1940ء میں قائداعظمؒ لاہور میں لڑکیوں کے ایک کالج میں گئے تو کسی نے پوچھا۔

ایک خاتون : ہم عورتیں کمزور ذات ہیں۔ ہم پاکستان کے لیے کیا کر سکتی ہیں؟

قائداعظمؒ : طاقتوں سے سب لوگ واقف ہیں۔ قلم کی طاقت اور تلوار کی طاقت۔ لیکن ایک تیسری بھی ہے اور وہ عورتوں کی طاقت ہے۔ یہ قوت مردوں کی راہنمائی کے لیے ہے کہ تلوار اور قلم کی طاقت کو کس طرح استعمال کیا جائے۔



شمع محفل نہیں

خورشید حسن صاحب کو قائداعظمؒ کا سیکرٹری رہ چکنے کا شرف حاصل ہے۔ جب وہ انگلستان سے بیرسٹری کر کے واپس آئے تو محترمہ فاطمہ جناح نے ازراہ کرم انہیں اپنے ہاں فلیگ شاف ہاؤس میں رہنے کی دعوت دی۔ اسی دوران میں ان کی شادی ہوئی تو ان کی بیوی ثریا خورشید بھی کچھ دنوں کے لیے ان کے ساتھ فلیگ شاف ہاؤس میں رہیں۔ ثریا نے کچھ عرصہ محترمہ فاطمہ جناح کی سیکرٹری کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ اس طرح انہیں فاطمہ جناح سے اکثر گفتگو کرنے کا موقع ملتا تھا۔

ثریا خورشید : پاکستانی عورت اس وقت جہاں کھڑی ہے اور جن قدروں کو اپنا رہی ہے کیا اس سے وہ اس مقام تک پہنچ سکتی ہے۔ جس کا تصور شاید قائداعظمؒ کے ذہن میں اس نو آزاد مملکت کی عورت کے بارے میں تھا۔

فاطمہ جناح : ہرگز نہیں۔ قائداعظمؒ عورت کو صرف شمع محفل نہیں بنانا چاہتے تھے۔

ثریا خورشید : وہ آزادی نسواں کے حامی تو تھے۔

فاطمہ جناح : آزادی نسواں کا مطلب لوگ غلط سمجھتے تھے۔ آزادی کا مطلب بھٹکنا نہیں۔ بلکہ ان راہوں پر عمل پیرا ہونا ہے جن پر چلنے سے عزت و آبرو' وقار اور عروج نصیب ہوتا ہے۔

ثریا خورشید : اور کیا ایسا کرنے کے لیے تعلیم ضروری نہیں؟

فاطمہ جناح : ضروری نہیں کہ عورت پڑھی لکھی ہو۔ وقار' تمکنت اور گریس ایسی چیزیں ہیں جو ایک عورت میں ہونا ضروری ہیں اور یہی وہ اوصاف ہیں جو عورت کو مکمل عورت بناتے ہیں۔

ثریا خورشید : سوال یہ ہے کہ مکمل عورت کون ہے؟

فاطمہ جناح : ماڈرن عورت یہ سمجھتی ہے کہ چونکہ وہ انگریزی بول سکتی ہے' فیشن کے مطابق کپڑے پہن سکتی ہے۔ اس لیے اس میں "عورت" کی ساری خوبیاں موجود ہیں۔ حالانکہ یہ بات نہیں۔ عورت تو محبت' شفقت اور ہمدردی کا سمندر ہے۔ بدقسمتی سے ہماری عورتیں ایسا نہیں سوچتیں۔ دوسرے یہ کہ ہر بات میں مردوں کی برابری کی کوشش اور خواہش معاشرے میں بعض ایسے مسائل پیدا کر دیتی ہے جس سے سارا سکون غارت ہو جاتا ہے۔

محترمہ فاطمہ جناح کے حوالے سے پاکستانی عورتوں کے بارے میں قائداعظمؒ کی

اس رائے کی تائید قائداعظمؒ کی تقریر کے اس حصے سے ہوتی ہے جو انہوں نے مسلم یونیورسٹی مسلم لیگ کے جلسہ میں 10 مارچ کو علی گڑھ میں کی۔

قائداعظمؒ : ایک اور اہم مسئلہ جس کی اہمیت میں آپ لوگوں پر واضح کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ کوئی قوم صحیح معنوں میں ترقی نہیں کر سکتے جب تک اس کی عورتیں بھی مردوں کے ساتھ تعمیر و ترقی کے کام میں شریک نہ ہوں۔ ہم غلط رسم و رواج کا شکار ہیں۔ عورتوں کو گھر کی چاردیواری کے اندر قیدیوں کی طرح بند کر کے رکھا جاتا ہے۔ یہ انسانیت کے خلاف ایک بڑا ظلم بلکہ جرم ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ مغربی طرز زندگی کی قباحتوں کو اختیار کریں یا ان کی نقل کریں۔ ہمیں اپنے اسلامی تصورات اور معیار کے مطابق عورتوں کی حالت بہتر بنانے کی کوشش ضرور کرنی چاہئے۔ جن ناگفتہ بہ حالات میں ہماری بیشتر عورتیں رہتی ہیں۔ انہیں اس طرح رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ آپ زندگی کے ہر شعبہ میں عورتوں کو اپنے ساتھ لے کر چلئے اور مغرب کی غلط باتوں سے بچئے۔ آپ اس عورت سے جو جاہل ہے' کس طرح توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ اولاد کی پرورش اچھی طرح کر سکے گی۔ عورتوں کو خدا نے یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ بچوں کی تربیت اعلیٰ طریقے سے کر سکتی ہیں۔ ہمیں اس سرمائے کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔



خواتین کا احترام

بقول کانجی دوار کا داس قائداعظمؒ اس قدر شائستہ تھے کہ خواتین کے سامنے بالعموم سگریٹ نوشی سے پرہیز کرتے تھے۔ اس دور کی ایک مشہور سیاسی اور سماجی رہنما خاتون ڈاکٹر مسز اینی بیسنٹ کو تمباکو نوشی پسند نہیں تھی۔ قائداعظمؒ جب کبھی ان سے ملنے جاتے تو سگار کمرے سے باہر پھینک جاتے۔ اینی بیسنٹ کو ان کی سگریٹ نوشی کا علم تھا۔ ایک روز وہ ملاقات کو گئے۔

اینی بیسنٹ : مسٹر جناح! آپ شوق سے سگار پئیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

قائداعظمؒ : شکریہ' معزز خاتون۔

اینی بیسنٹ : آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ آخر دوسرے میرے سامنے سگریٹ پیتے ہی ہیں۔

قائداعظمؒ : ان کی بات ان کے ساتھ ہے۔ میرے لیے میرا اصول ہے۔

یہ بظاہر معمولی بات بھی معمولی نہیں۔ قائد کی عظمت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ شائستگی کی نازک سے نازک حدود کو نہ خود پار کرتے تھے نہ کرنے دیتے تھے۔



ایسی خواتین قابل احترام ہیں

دہلی مسلم لیگ کی خواتین شاخ کی صدر بیگم حسین ملک نے 1946ء میں دہلی کے مشہور ریستوران پکا ڈلی میں قائداعظمؒ کو عصرانہ دیا۔ چند مخصوص مہمانوں میں دہلی شاخ کی جنرل سیکرٹری نورالصباح بیگم بھی تھیں جنؒ کی نشست قائداعظمؒ کے عین سامنے تھی۔ ان کی دائیں طرف بیگم حسین ملک تھیں جو محترمہ فاطمہ جناح سے گفتگو کر رہی تھیں اور بائیں طرف مسٹر حسین ملک بیٹھے تھے۔ قائداعظمؒ نے اس شام نورالصباح بیگم سے بالکل گھریلو قسم کی باتیں کیں۔ ان کے خاندان کی بچوں کی' یہ سن کر حسین ملک نے کہا۔

حسین ملک : انہوں نے تو مسلم لیگ کے لیے اپنے خاندان سے بغاوت کی ہوئی ہے۔

قائداعظمؒ : مسٹر حسین! ایسی عورتیں قابل عزت ہیں۔

قائداعظمؒ مخلص قومی کارکنوں کی بہت عزت اور ہمت افزائی کرتے تھے۔



(ب)

طنز و مزاح

پیشہ ورانہ اخلاق کی بات ہے!

قیام پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ہندو پریس میں ایک خبر چھپی کہ کل شام جب مہاتما گاندھی (ہندوؤں کے مشہور لیڈر موہن داس کرم چند گاندھی) برلا ہاؤس میں اپنی پرارتھنا (وعظ و دعا) کر رہے تھے تو وہاں ایک بڑا سانپ آیا۔ مہاتماجی کے اردگرد عقیدت مندانہ ایک دو چکر لگائے اور پھر جس خاموشی سے آیا تھا۔ اسی طرح باہر نکل گیا۔ اس خبر کو مہاتما جی کی کرامت اور روحانی فضیلت کے مظاہرے کے طور پر خوب اچھالا گیا۔ یہاں تک کہ ایک پریس کانفرنس میں ایک ہندو صحافی نے قائداعظمؒ کو بھی گھیرا۔

صحافی : سر! مہاتما جی کی پرارتھنا میں ایک سانپ کے عقیدت مندانہ آنے کی خبر آپ نے پڑھی ہو گی۔

قائداعظمؒ : جی ہاں۔ پڑھی ہے۔

صحافی : تو آپ کا کیا خیال ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ سانپ آئے اور مہاتما جی سے کچھ تعرض نہ کرے؟

قائداعظمؒ : جی ہاں۔ یہ بھی ممکن ہے۔

صحافی : یہ آپ کہہ رہے ہیں؟ یعنی کیسے!

قائداعظمؒ : پیشہ ورانہ اخلاق کی بات ہے۔ (زہریلے کیڑے ایک دوسرے کو نہیں ڈستے)۔

--()--

پنڈتوں کی حکومت کے بارے میں کیا رائے ہے؟

10 اگست 1947ء کو' پاکستان کے گورنر جنرل کا منصب سنبھالنے سے پہلے' قائداعظمؒ نے 10 اورنگ زیب روڈ پر اپنی کوٹھی میں ایک پریس کانفرنس کی تھی۔ اس میں ہندو پریس کے بھی خاصے نمائندے تھے جن کا رویہ مخاصمانہ اور جارحانہ تھا۔ ایک ہندو صحافی خاص طور پر بڑھ بڑھ کے سوال کر رہا تھا۔

ایک صحافی : سر! کیا پاکستان ایک مذہبی ریاست ہو گی؟

دوسرا صحافی : مذہبی ریاست کا کیا مطلب ہے؟

قائداعظمؒ : خواہ مخواہ بے سوچے سمجھے سوال کرنے سے حاصل۔

دوسرا صحافی : اس کا مطلب ہے ملاؤں کی حکومت۔

قائداعظمؒ : پنڈتوں کی حکومت کے بارے میں کیا رائے ہے؟

اس واقعہ کے شاہد عباس احمد عباسی لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کے اس برجستہ جواب پر بڑا زبردست قہقہہ پڑا۔ اشارہ کانگریس میں پنڈت جواہر لال نہرو اور ان کے خاندان کی سیاسی اجارہ داری کی طرف تھا۔

-- ر --

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش سے

1937ء کے انتخابات کے لیے مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ قائم کرنے کے لیے قائداعظمؒ لاہور میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مسلم لیگ کے لیے اس وقت حالات سازگار نہیں تھے۔ اس لیے قائداعظمؒ کو اس سلسلے میں کافی تگ و دو کرنا پڑی تھی۔ ایک روز قائداعظمؒ نے بڑے لیگی کارکنوں کی محفل میں جن میں قائداعظمؒ کے پرانے اور معتمد رفیق کار اور پنجاب مسلم لیگ کے سیکرٹری پیر تاج الدین بھی موجود تھے' اپنی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔

قائداعظمؒ : آپ لوگوں کو تعجب تو ہو گا' لیکن واقعہ یہ ہے کہ پارلیمانی بورڈ کے سلسلے میں ایک معروف خاتون بار بار مجھ سے ملاقات کرتی رہی ہیں۔

پیر تاج الدین : وہ کیا کہتی ہیں؟

قائداعظمؒ : ان کا اصرار ہے کہ مسلم لیگ کا پارلیمانی بورڈ قائم نہ کیا جائے۔

پیر تاج الدین : قائم نہ کیا جائے۔ آخر کیوں؟

قائداعظمؒ : ان کی دلیل یہ ہے کہ پنجاب میں لیگ کے ٹکٹ پر کوئی امیدوار کامیاب نہیں ہو سکتا۔

پیر تاج الدین : مسٹر جناح! اس خاتون نے آپ سے بہت میل جول بڑھا لیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ اس کے ناز و غمزے کا شکار نہ ہو جائیں۔

اس واقعہ کے راوی ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے لکھا ہے کہ پیر تاج الدین کے بے تکلف فقرے کا قائداعظمؒ نے ہنس کر انگریزی میں جو جواب دیا اس کا مفہوم اردو میں یہ شعر ادا کرتا ہے۔

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش سے
جسے غرور ہو آئے' کرے شکار مجھے

--O--

جب شیر آئے تو میمنے کو بیٹھ جانا چاہئے

لاہور کے تاریخی اجلاس کے دوران کا لطیفہ ہے کہ مجلس انتخاب مضامین میں قرارداد پاکستان پر بحث ہو رہی تھی اور قائداعظمؒ تقریر فرما رہے تھے کہ باہر شور اٹھا

قائداعظمؒ : یہ شور کیسا ہے؟

ایک رضاکار : (باہر دیکھ کر) شیر بنگال آ رہے ہیں۔

قائداعظمؒ : (اے کے فضل الحق کو پنڈال میں داخل ہوتے دیکھ کر) جب شیر آئے تو میمنے کو بیٹھ جانا چاہئے۔

اس واقعہ کے راوی ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں کہ بھاری بھرکم ڈیل ڈول کے مولوی فضل الحق جو جھومتے ہوئے پنڈال میں داخل ہوئے تھے۔ جب اپنی نشست پر جم کر بیٹھ گئے تو قائداعظمؒ پھر کھڑے ہوئے اور مسکرا کر فرمایا "اب شیر کو زنجیروں سے جکڑ دیا گیا۔ اس لیے میمنا پھر باہر نکل آیا ہے۔

(قائداعظمؒ میری نظر میں' صفحہ 52)



آپ صرف دل ہی دل ہیں

ایک بار مسلم لیگ کاؤنسل کا اجلاس ہو رہا تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے اپنی تجویز پیش کی۔

قائداعظمؒ : مولانا! اپنی تجویز کے حق میں دلائل پیش کیجئے۔

مولانا ظفرعلی : (پہلے اپنے سر کی طرف اشارہ کر کے) آپ تو دماغ ہی دماغ ہیں۔ (پھر دل کی طرف اشارہ کر کے) دل نہیں رکھتے۔

قائداعظمؒ : مولانا! (ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آپ تمام تر دل ہیں۔ (سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ نہیں۔

(قائداعظمؒ معاصرین کی نظر میں' قاضی محمد عیسیٰ' صفحہ 94)



اگر آپ نہیں سمجھتے تو میں آپ کو سمجھ نہیں دے سکتا

مسلم لیگ یونیورسٹی نے ایک مباحثہ کا اہتمام کیا تھا جس کا عنوان تھا "مسلمانوں کے مفاد میں مشترک حق رائے دہندگی ہے یا جداگانہ" اس میں حصہ لینے کے لیے چوٹی کے مسلمان لیڈروں کو دعوت دی گئی تھی۔ جس میں مولانا شوکت علی۔ مولانا محمد علی جوہر' سر علی امام' جناح سب ہی مقررین میں شامل تھے۔ محمد علی جوہر اور سر علی امام مشترک حق رائے دہندگی کے حق میں دھواں دھار تقریر کر چکے تو محمد علی جناحؒ کھڑے ہوئے اور بڑے پرسکون لیکن مدلل انداز سے ثابت کیا کہ مشترک حق رائے دہندگی مسلمانوں کے حق میں زہر ہے۔

محمد علی جوہر : (ٹوکتے ہوئے) ہم آپ کو نہیں سمجھ سکتے۔

جناحؒ : (شیر کی طرح گرجتے ہوئے) اگر آپ سمجھ نہیں سکتے تو میں آپ کو سمجھ نہیں دے سکتا۔

اس واقعہ کے راوی ڈاکٹر سید عابد احمد علی لکھتے ہیں کہ اس وقت ہمارے ہیرو علی برادران ہی تھے۔ انہیں اس طرح جھڑک دینا جناحؒ ہی کا کام تھا۔



میں آپ کے لیے دھوپ لایا ہوں

اواخر 1946ء میں قائداعظمؒ حکومت برطانیہ سے نہایت اہم سیاسی مذاکرات کے لیے لندن تشریف لے گئے۔ یہ مذاکرات کیبنٹ مشن پلان کے تعطل کا شکار ہو جانے کے پس منظر میں ہو رہے تھے اور عام تاثر یہی تھا کہ قائداعظمؒ ضرور کچھ متبادل تجاویز اپنے ساتھ لا رہے ہوں گے۔ اس لیے اخباری نمائندے ان کی ٹوہ لگانے کے لیے بے چین تھے۔ اتفاق کی بات کہ جوں ہی قائداعظمؒ کا جہاز افق پر نمودار ہوا بالکل غیرمتوقع طور پر لندن کے روایتی خراب موسم کے گھمبیر بادل چھٹنے لگے اور یکایک چمکتی دھوپ نکل آئی۔

قائداعظمؒ کے جہاز کے اترتے ہی اخباری رپورٹروں نے انہیں گھیرا۔ لندن ٹائمز کا نمائندہ سب سے آگے تھا۔

رپورٹر : جناب والا! آپ اپنے ساتھ کیا (تجاویز) لائے ہیں؟

قائداعظمؒ : میں آپ کے لیے دھوپ لایا ہوں۔

اس کے بعد قائداعظمؒ اپنی جائے قیام پر روانہ ہونے سے پہلے ذرا کی ذرا رکے تو صحافی پھر ان کی طرف جھپٹے۔ قائداعظمؒ ہلکا سا مسکرائے اور کہا

"دوستو! اس وقت میں جو بیان دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ فی الحال مجھے کوئی بیان نہیں دینا۔"

(حیات قائداعظمؒ صفحہ 122)



اگر وہ نہیں ہو تو ویسے نظر کیوں آتے ہو

قائداعظمؒ گورنر جنرل ہاؤس میں اپنے پرسنل سٹاف کو بھی اپنے ساتھ کھانے کی میز پر بٹھاتے تھے اور یہ وقت وہ ہوتا تھا جب ان کی حس مزاح جلوہ دکھاتی تھی۔ ایک روز قائداعظمؒ کے اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری فرخ امین ان کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔

قائداعظمؒ : امین! جو آدمی نہ ہو ویسا نظر آنا بھی ایک مصیبت ہے۔

فرخ امین : سر!

قائداعظمؒ : اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا۔

فرخ امین : سر!

قائداعظمؒ : انگلستان کے کسی چھوٹے سے ریلوے سٹیشن پر گاڑی معمول سے زیادہ دیر ٹھہر گئی۔ ایک ہندوستانی جج نیچے اتر کر پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگے۔ اتنے میں ایک انگریز بھی گاڑی سے اترا اور سیدھا ان جج صاحب کی طرف جا کر ان سے پوچھنے لگا۔ گاڑی کب چھوٹے گی؟ جج نے جواب دیا۔ مجھے کیا معلوم۔ اس پر انگریز نے کہا۔ لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئے۔ کیا تم سٹیشن ماسٹر نہیں ہو۔ یہ سن کر جج نے کسی قدر جھنجلا کر جواب دیا۔ نہیں میں سٹیشن ماسٹر نہیں ہوں۔ انگریز بولا۔ اگر نہیں ہو تو ویسے نظر کیوں آتے ہو۔

اس لطیفے کے راوی فرخ امین نے اسی مضمون میں زیارت میں قائداعظمؒ کی آخری علالت کے حالات بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ قائداعظمؒ کسی نرس سے اپنی دیکھ بھال کرانے کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ اپنے ذاتی کاموں میں انہیں کسی کی مدد اچھی نہیں لگتی تھی۔ شروع شروع میں میں ان کے کاغذات یا قلم اٹھا کر ان کے سامنے رکھ دیتا تھا۔ لیکن اس کو بھی انہوں نے پسند نہیں کیا۔

اس مضمون میں فرخ امین نے یہ بھی لکھا ہے کہ زیارت میں جب قائداعظمؒ کی علالت نے شدت اختیار کی تو محترمہ فاطمہ جناح نے اصرار کیا کہ باہر سے کسی ماہر کو بلا لیا جائے۔ لیکن قائداعظمؒ کسی غیر ملکی معالج سے علاج کرانے پر راضی نہ ہوئے۔

(حیات قائداعظمؒ کے آخری سال' صفحہ 130)



ملک صاحب آپ کو زیادہ سے زیادہ اپنا نمک کھلانا چاہتے ہیں

مارچ 1936ء میں قائداعظمؒ معروف مسلم لیگی کارکن ملک برکت علی کے صاحبزادے ملک شوکت علی کی شادی کی تقریب میں شرکت کرنے کے لیے تشریف لائے۔ مدعوئین میں منجملہ دوسرے عمائدین کے میاں فضل حسین بھی تھے۔ کھانا تیار کرتے ہوئے یہ لطیفہ ہوا کہ فیرنی کی ایک دیگ میں شکر کے بجائے غلطی سے نمک مل گیا۔ جب اہل خانہ کو اس غلطی کا علم ہوا تو نمکین فیرنی کی رکابیوں کو ضائع تو کیا گیا لیکن جلدی میں کچھ رکابیاں اصل فیرنی کی رکابیوں میں مل گئیں۔ اتفاق سے انہیں میں سے ایک رکابی میاں فضل حسین کے آگے چن دی گئی۔ جب انہوں نے ایک چمچ لیا تو فیرنی کو سخت نمکین پا کر حیران ہوئے۔

میاں فضل : (ملک برکت علی سے) میں پانچ برس کے بعد لاہور آیا ہوں۔ اس عرصے میں شاید یہاں کھانے کا ذوق بدل گیا ہے۔

ملک برکت : مذاق تو وہی ہے۔ آپ بدل گئے ہوں تو کہہ نہیں سکتا۔

میاں فضل : تو فیرنی نمکین کیوں ہے؟

(جن مہمانوں کو صورت حال کا علم تھا ان کا ایک قہقہہ بلند ہونے پر)

قائداعظمؒ : کیا قصہ ہے؟

ایک مہمان : فیرنی کی ایک دیگ میں غلطی سے نمک پڑ گیا تھا۔ وہ فیرنی اتفاق سے میاں صاحب کے سامنے آگئی۔

قائداعظمؒ : میاں صاحب' بات یہ ہے کہ ملک برکت علی اپنے گھر کا زیادہ سے زیادہ نمک آپ کو کھلانا چاہتے ہیں تاکہ آپ ان کا نمک حلال ـــ

عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں کہ اس فقرے پر مزید قہقہہ بلند ہوا۔

(قائداعظمؒ میری نظر میں)



چائے کی پیالی کا طوفان

ایک بار قائداعظمؒ میسور سے مس جناح کے ساتھ کار پر اوٹا کمنڈ جا رہے تھے ان کے سیکرٹری

مطلوب الحسن سید بھی پابہ رکاب تھے۔ کل فاصلہ تو اسی میل تھا لیکن پہاڑی راستہ ہونے کی وجہ سے کار آہستہ جا رہی تھی۔ خاصا وقت لگ رہا تھا۔ راستہ میں قائداعظمؒ نے چائے پینے اور پاؤں سیدھے کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ کار روک لی گئی اور سب اتر پڑے۔ قریب ہی ریلوے اسٹیشن تھا۔ جب تک مس جناح چائے کا اہتمام کریں' قائداعظمؒ نے پلیٹ فارم پر ٹہلنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر ہی گزری تھی کہ کچھ لوگوں نے انہیں پہچان لیا اور اسٹیشن پر ہلچل مچ گئی۔ ہر طرف سے قائداعظمؒ قائداعظمؒ کی آوازیں آنے لگیں۔

مطلوب الحسن : سر! آپ کے آنے پر کیسی کھلبلی مچ گئی ہے۔

قائداعظمؒ : یہ چائے کی پیالی کا طوفان ہے۔ جلد اتر جائے گا۔

مطلوب الحسن سید اپنے مضمون میں مزید لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کو قالین جمع کرنے کا بڑا شوق تھا اور وہ اس کا بڑا ذوق رکھتے تھے۔



ادھر بڑے میاں' ادھر دیویاں

1946ء کے انتخابات سے قبل قائداعظمؒ نے آل انڈیا مسلم لیگ کا شعبہ اطلاعات اور پبلسٹی کا کام بلوچستان کے نوجوان وجیہہ' ذہین اور پرجوش مسلم لیگی کارکن قاضی عیسیٰ کے سپرد کیا۔ قاضی عیسیٰ نے یہ شعبہ تین حصوں میں تقسیم کیا۔ انہوں نے انگریزی' اردو اور اسلامیات تینوں کے علیحدہ علیحدہ انچارج مقرر کئے۔ ان سب کی مشترکہ کوششوں اور قاضی عیسیٰ کی جان فشانی سے مسلم لیگ کی پبلسٹی اتنی موثر ثابت ہونے لگی کہ کانگریس نے اس کا توڑ کرنے کے لیے اپنا پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ دہلی کے ایک اونچے ہوٹل امپیریل میں قائم کر دیا اور ایک اور حربہ یہ استعمال کیا کہ پبلسٹی کا کام نوجوان اور خوب صورت دیویوں کے سپرد کیا جو دن رات وہیں رہتی تھیں۔ جبکہ مسلم لیگ کا دفتر دریا گنج پرانی دلی میں تھا اور اس کے آفس سیکرٹری ایک کہنہ بزرگ سید شمس الحسن تھے۔ ایک روز شام کو قاضی عیسیٰ قائداعظمؒ سے ملاقات کے لیے 10 اورنگ زیب روڈ پہنچے۔

قائداعظمؒ : قاضی! تمہارا پبلسٹی کا کام کیسے چل رہا ہے؟

قاضی عیسیٰ : (مذاقاً) میں یہ شعبہ کیسے چلاؤں۔ ادھر لے دے کے بڑے میاں سید شمس الحسن ہیں۔ ادھر کانگریس نے چن چن کر نوجوان دیویاں رکھی ہیں۔

قائداعظمؒ : اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ تمہاری پبلسٹی موثر ثابت ہو رہی ہے۔

قاضی عیسیٰ : (اسی شگفتہ موڈ میں) سر! اجازت ہو تو میں ان کے دفتر جا کر دیکھوں کہ وہ کیسے کام کرتے ہیں۔

قائداعظمؒ : (ہنس کر) ضرور جائیں۔ شاید آپ کی وجاہت انہیں احساس کمتری میں مبتلا کر دے۔



میں کبھی پرائمری سکول میں بھی تھا

کیبنٹ مشن پلان پر مذاکرات کے بعد 1946ء کے اواخر میں قائداعظمؒ دوسرے لیڈروں کے ساتھ انگلستان تشریف لے گئے تھے۔ ایک پریس کانفرنس میں وہ اس نکتے کی وضاحت کر رہے تھے کہ کس طرح کانگریس نے مسلمان کے مفادات کو نقصان پہنچایا ہے کہ یکایک سوئٹزر لینڈ کے ایک صحافی بول اٹھے۔

سوئس صحافی : لیکن سر! کبھی آپ خود بھی تو کانگریس میں تھے۔

قائداعظمؒ : جی ہاں۔ پر کبھی میں پرائمری کلاس میں بھی تھا۔



دیکھا! میرے آتے ہی یونینسٹ پارٹی کا چراغ گل ہو گیا

جون 1937ء میں قائداعظمؒ پنجاب مسلم لیگ کا پارلیمانی بورڈ بنانے لاہور تشریف لائے۔اس وقت پنجاب مسلم لیگ بالکل منظم نہیں تھی۔ موثر کارکنوں کی بے حد کمی تھی اور صوبے پر کانگریس نواز یونینسٹ پارٹی چھائی ہوئی تھی۔ قائداعظمؒ کی ٹرین رات کو پہنچی۔ کوئی ساڑھے آٹھ بجے کا وقت ہو گا۔ جونہی قائداعظمؒ نے پلیٹ فارم پر قدم رکھا تو اتفاق سے یا کسی کی شرارت سے سارے ریلوے سٹیشن کی لائٹ آف ہو گئی۔ مجلس استقبالیہ کے اراکین گھبرا گئے۔ اس وقت بڑے اطمینان سے قائداعظمؒ نے برجستہ کہا۔

"دیکھا! لاہور میں میرے قدم رکھتے ہی یونینسٹ پارٹی کا چراغ گل ہو گیا۔"

(حیات قائداعظمؒ صفحہ 121)



قائداعظم کے کردار

کی

ایک جھلک

(ج)

انٹرویوز

قائداعظمؒ کے کردار کی ایک جھلک

قائداعظمؒ کی سیرت قومی ورثہ ہے۔ اس تصویر کا جو ٹکڑا بھی کہیں سے مل جائے اسے قومی امامت کے طور پر محفوظ کر لینا چاہیئے۔ قائداعظمؒ کی زندگی کے بہت سے ایسے قابل مطالعہ واقعات ہیں جو ابھی مدون نہیں ہوئے اور بہت سے ایسے قابل غور ملفوظات ہیں جو کسی تذکرے میں شامل نہیں ہو سکے ہیں۔

اس کتاب کی تالیف کے سلسلہ میں اتفاق سے ہماری ملاقات ایک ایسے صاحب سے ہو گئی جو قائداعظمؒ کی زندگی کے ایک اہم لمحے کے عینی شاہد ہیں۔ ہم اس گفتگو کو تبرک کے طور پر نقل کرتے ہیں۔

راشد : کیپٹن بخاری صاحب! پہلے تو آپ اپنا تعارف کرائیے۔

بخاری : میرا نام احسان الرحمٰن بخاری ہے۔ 1951ء میں کمشن لیا تھا۔ 1958ء میں ایک حادثے کا شکار ہو کر کیپٹن کے عہدے سے ریٹائر ہو گیا اور اس وقت سے اب تک بحیثیت سویلین ملازمت کر رہا ہوں۔ آبائی وطن گجرات ہے۔ 1944ء میں گورنمنٹ کالج، لدھیانہ میں پڑھتا تھا۔

راشد : لدھیانہ میں کیسے؟

بخاری : ان دنوں میرے والد محکمہ ویسری میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھے۔ فیروز پور اور لدھیانہ کے ویسری ہسپتال ان کے چارج میں تھے۔ رہائش فیروز پور میں تھی۔ اس لیے میں گورنمنٹ کالج، لدھیانہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اور ہوسٹل میں رہتا تھا۔ ہمارے پرنسپل مسٹر یوکرامت تھے۔ گورنمنٹ کالج، لدھیانہ کے دو ہوسٹل تھے۔ ایک ہندو مسلم طلباء کے لیے اور دوسرا خالصتاً سکھوں کے لیے۔ یہ بات میں اس لیے بتا رہا ہوں کہ سکھ تقسیم ہند سے قبل بھی مسلمانوں کے ساتھ مل کر رہنا پسند نہیں کرتے تھے۔ چونکہ مسلم طلباء ہندوؤں کے ساتھ ہی ہوسٹل میں رہتے تھے، انہیں ہندوؤں کی ذہنیت کے مطالعہ کا زیادہ موقع ملتا تھا۔ اسی وجہ سے ان میں ہندو مسلم مسئلہ کا شعور زیادہ تھا اور اسی لیے تقریباً سارے مسلم طلباء مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے پرجوش رکن تھے۔ اسی سلسلے میں ایک بار مجھے قائداعظمؒ کو بہت قریب سے دیکھنے، سننے اور ان سے ہاتھ ملانے اور ان کے عظیم کردار کی ایک جھلک دیکھنے کا موقع ملا۔

راشد : بخاری صاحب! براہ کرم اس واقعہ کو ذرا تفصیل سے بیان کیجئے۔

بخاری : دسمبر 1944ء کے اواخر کی بات ہے۔ جالندھر میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا کیمپ ہو رہا تھا۔ پنجاب کے بہت سے شہروں سے فیڈریشن کی شاخوں کے وفد اس میں شرکت کے لیے جا رہے تھے۔ لدھیانہ سے بھی ہمارے وفد کو جانا تھا۔ یکایک اطلاع ملی کہ 22 دسمبر 1942ء کو قائداعظمؒ بمبئی میل سے جالندھر جاتے ہوئے لدھیانہ سے گزریں گے۔ گاڑی آنے کا وقت صبح پانچ یا چھ بجے کا تھا۔ لیکن ہم لوگ رات ہی کو سٹیشن پر پہنچ گئے۔ صبح 5 بجے تک مسلمانوں کا جم غفیر سٹیشن پر جمع ہو چکا تھا۔ 5 بجے 6 بجے' 7 بجے لیکن گاڑی آنے کا نام نہ لیتی تھی۔ عجیب سا اضطراب مجمع پر طاری تھا۔ کیا ہوا' کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے' گاڑی کیوں اتنی لیٹ ہے؟ ہر شخص دوسرے سے یہی سوال پوچھ رہا تھا۔ خدا خدا کر کے آٹھ بج کر پانچ منٹ پر اطلاع ملی کہ گاڑی آیا چاہتی ہے۔ مجمع میں ایک ہلچل مچ گئی۔ سوا آٹھ بجے گاڑی آئی۔ اب قائداعظمؒ کے کمپارٹمنٹ کی تلاش میں بھاگ دوڑ شروع ہوئی۔ چونکہ سردی شدید تھی اور ابھی تک اندھیرا تھا۔ اس لیے بیشتر کمپارٹمنٹوں کی کھڑکیاں دروازے بند تھے۔ جو دو چار کھلے تھے وہاں لوگ پوچھتے پھرتے تھے کہ قائداعظمؒ کدھر ہیں۔ کچھ پتہ نہ چل رہا تھا۔ آخر کسی منچلے نے یہ تجویز پیش کی کہ آؤ قائداعظم زندہ باد' پاکستان زندہ باد'' کے نعرے لگائیں۔ قائداعظمؒ جہاں بھی ہوں گے خود سامنے آجائیں گے۔ یہ کون سی بڑی بات تھی۔ ہم نے ''قائداعظم زندہ باد' پاکستان زندہ باد'' کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ پھر جیسا کہ خیال تھا یکایک ایک چھوٹے سے کمپارٹمنٹ کی کھڑکی اوپر اٹھی اور قائداعظمؒ کا پروقار چہرہ نمودار ہوا۔ یہ فرسٹ کلاس کا ایک کوپے تھا۔ دیکھتے دیکھتے ہجوم کا رخ اسی طرف ہو گیا اور ان کے ڈبے کے سامنے لوگ جمع ہو گئے اور مزید جوش سے قائداعظمؒ زندہ باد کے نعرے لگانے لگے۔ اتنے میں گارڈ نے چلنے کی سیٹی دی۔ لوگ تو قائداعظمؒ کو دیکھنے اور سننے آئے تھے۔ وہ گاڑی کو کیسے چلنے دیتے۔ گاڑی نے تھوڑی سی حرکت کی لیکن پھر فوراً" ایک دھچکے کے ساتھ رک گئی۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ کچھ پرجوش نوجوان گاڑی کے آگے لیٹ گئے۔ گاڑی رکی تو قائداعظمؒ نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو حاضرین نے متفقہ طور پر کہا پر گاڑی روانہ ہونے سے پہلے آپ ہم سے کچھ خطاب کریں۔ یہ سن کر قائداعظمؒ کھڑکی کی سیٹ سے اٹھ کر کوپے کے دروازے کی طرف آئے۔ دروازہ

کھول کر وہ کھڑا ہونا ہی چاہتے تھے کہ ایک آدمی جو دروازے کے بالکل ساتھ کھڑا تھا' جھٹ سے اندر داخل ہو گیا لیکن دوسرے ہی لمحے ہم نے دیکھا کہ وہ آدمی جو بظاہر جوان اور قوی تھا۔ لڑھکتا ہوا باہر آگرا۔ اور ساتھ ہی قائداعظمؒ کی آواز گونجی۔

"میں سب سے پہلے نظم و ضبط چاہتا ہوں۔"

بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گاڑی کے اندر سے کسی بہت ہی طاقتور شخص نے اس جوان آدمی کو تنکے کی طرح اٹھا کر باہر پھینک دیا ہو۔ لیکن ڈبے کے اندر تو صرف قائداعظمؒ اور محترمہ فاطمہ جناح تھیں جو اوپر والی برتھ پر آرام فرما رہی تھیں۔ دوسری طرف وہ شخص جسے قائداعظمؒ نے باہر دھکیلا تھا' اپنی حرکت پر نادم گاڑی کے قریب ہی کھڑا تھا۔ جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا' وہ شخص گاڑی میں داخل ہو کر صرف بتی جلانا چاہتا تھا۔ لیکن چونکہ اس سال کے اوائل میں محمد رفیق نامی ایک خاکسار ان پر قاتلانہ حملہ کر چکا تھا۔ وہ اس سلسلہ میں محتاط ہو گئے تھے۔ بہرحال' اس حادثے کو انہوں نے زیادہ اہمیت نہیں دی اور دروازے میں کھڑے ہو کر چند الفاظ کہے۔ ان کے گویا ہوتے ہی مجمع پر مکمل سناٹا چھا گیا۔ صرف ان کے الفاظ ان کے مخصوص پروقار اور پر تمکنت لہجے میں گونج رہے تھے اور لوگ ان کی آواز کے زیروبم پر جھوم رہے تھے۔

راشد : کیا سب لوگ انگریزی سمجھتے تھے؟

بخاری : سوال سمجھنے کا نہیں' محسوس کرنے کا تھا۔ بہت کم لوگ ان کے الفاظ سمجھے ہوں گے لیکن ان کی منشاء کو سب سمجھ رہے تھے۔ قائداعظمؒ پاکستان کی علامت تھے۔ وہ برصغیر میں مسلمانوں کی آزادی اور نجات کی علامت تھے۔ وہ ہر اس قدر اور چیز کی علامت بن کر سامنے کھڑے تھے جو سامعین کی نگاہ میں معظم اور محترم تھی۔ قیادت الفاظ سے نہیں' شخصیت سے ہوتی ہے اور اس حقیقت کی زندہ مثال ہم لوگوں کے سامنے تھی۔

راشد : قائداعظمؒ کا کوئی لفظ' کوئی فقرہ آپ کو یاد ہے؟

بخاری : میں نے ابھی کہا کہ ہم سب پر ایک سحر کا سا عالم طاری تھا۔ میں خود الفاظ میں نہیں احساس میں کھویا ہوا تھا۔ جو کچھ مبہم تاثر میرے ذہن میں ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں کچھ پاکستان کی اہمیت' ضرورت اور اس کے لیے جدوجہد کرنے

کے بارے میں بتایا تھا۔ اتحاد' ایمان اور تنظیم کی ضرورت پر وہ ہمیشہ زور دیتے تھے۔

راشد : اس صبح قائداعظمؒ کا لباس کیا تھا؟

بخاری : وہ دھاری دار نائٹ سوٹ میں تھے اور اوپر گاؤن پہنا تھا۔

راشد : پھر کیا ہوا؟

بخاری : گارڈ نے پھر سیٹی دی۔ لیکن گاڑی نہیں چلی۔ لوگ پھر پٹڑی پر کھڑے ہو گئے تھے۔ قائداعظمؒ نے پوچھا کہ "اب کیا بات ہو گئی" عرض کیا گیا کہ وہ جانے سے پہلے لدھیانہ کے مسلم عوام کا پیش کیا ہوا ناشتہ تناول فرمائیں۔ جب حاضرین کا اصرار بہت بڑھا تو ناشتہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

محترمہ فاطمہ جناح اوپر والی برتھ پر تھیں۔ ایک ٹرے ان کو پیش کی گئی۔ دوسری سے قائداعظمؒ نے معمولی سا ناشتہ کیا۔ اس کے بعد پھر گارڈ نے سیٹی دی۔ اب تک تقریباً آدھ گھنٹہ ہو چکا تھا اور پلیٹ فارم پر کسی سیاسی جلسہ کا گمان ہوتا تھا۔ فضا "قائداعظم زندہ باد اور پاکستان زندہ باد" کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ جب گاڑی پھر بھی نہ چلی تو قائداعظمؒ نے کھڑکی ہی سے پوچھا "اب کیا بات ہے" ایک بار پھر ان سے درخواست کی گئی کہ ہم آپ سے ہاتھ ملانا چاہتے ہیں۔ اب وہ واقعہ پیش آیا جس کو میں حاصل زندگی سمجھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ سارے پاکستانیوں تک یہ واقعہ پہنچ جائے کہ اس سے قائداعظمؒ کی عظمت کا ایک نیا رخ سامنے آتا ہے۔ چونکہ یہ واقعہ اب تک قائداعظمؒ کی کسی سوانح حیات میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس لیے میں اس کو تفصیل سے ریکارڈ کرانا چاہتا ہوں۔

راشد : فرمائیے! اس انٹرویو کا مقصد یہ ہے کہ اس اہم واقعہ کو پوری تفصیلات کے ساتھ تاریخ کے لیے محفوظ کر لیا جائے۔

بخاری : پھر یہ ہوا کہ جونہی قائداعظمؒ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو پہلا شخص جو سامنے تھا اس نے دونوں ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی اور سر کو ذرا آگے کر کے جھکا۔ جیسے وہ ان کے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہتا ہے' اس طرح کہ جیسے بزرگوں اور پیروں سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کر کے بوسہ دیا جاتا ہے۔ قائداعظمؒ نے فوراً ہی ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ کو پیچھے ہٹا لیا اور کہا "نہیں میں یہ نہیں کرنے دوں گا۔"

راشد : ان کے اصل الفاظ کیا تھے؟

بخاری : اور یہ الفاظ انہوں نے اپنے مخصوص استوار لہجے میں قدرے سخت انداز سے کہے تھے اور کہا "میں یہ نہیں کرنے دوں گا۔"

راشد : پھر؟

بخاری : پھر لوگوں نے ان کی منشا کے مطابق ان سے ایک ہاتھ سے ہاتھ ملانا شروع کیا۔ دوسرا ہاتھ وہ احتیاط سے پیچھے کر لیتے تھے کہ کہیں غیرارادی طور پر دوسرا ہاتھ آگے نہ آجائے۔ مجھے بھی ان سے لمحہ بھر کو ہاتھ ملانے کا موقع ملا۔ یہ ہاتھ آج بھی مجھے اپنے دوسرے ہاتھ سے برتر لگتا ہے۔

راشد : آپ کی خوش نصیبی میں کیا شک ہے۔ آپ وہ واقعہ بیان کر رہے تھے۔

بخاری : پھر ہم نے وہ ناقابل فراموش منظر دیکھا۔ یکایک قائداعظمؒ کی نظر سامنے کی طرف اٹھی۔ جونہی ان کی نظر اٹھی۔ ہجوم بیچ میں سے چرتا چلا گیا۔ گویا ان کی نظر کے لیے راستہ بنتا چلا گیا۔ مجمع کائی کی طرح پھٹ گیا۔ سب نے پیچھے کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ وہاں پلیٹ فارم کے اس پار لوہے کے کھمبے سے کوئی 25 فٹ کے فاصلہ پر ایک بوڑھا آدمی کھڑا تھا۔ قائداعظمؒ نے اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ وہ تو گویا اسی اشارے کا منتظر تھا۔ بڑی تیزی اور نہایت احترام کے ساتھ قائداعظمؒ کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا بلکہ ان سے لپٹ گیا اور جذبات کی شدت سے رونے لگا۔ عجیب منظر تھا۔ ایک بوڑھا قائداعظمؒ کے سیدھے ہاتھ سے لپٹ کر زار و قطار رو رہا تھا اور سارا مجمع ششدر کھڑا تھا۔ چند لمحات اسی طرح گزرے ہوں گے۔ گارڈ نے پھر سیٹی دی۔ آدمی نے ہاتھ کو بوسہ دے کر اسے چھوڑا۔ قائداعظمؒ نے ہاتھ کھڑکی سے اندر کیا اور گاڑی آہستہ آہستہ حرکت میں آگئی۔ اس منظر نے سارے مجمع پر ایک عجیب اثر کیا۔ یہ صرف قائداعظمؒ کی مقبولیت کا مظاہرہ نہیں تھا بلکہ اس وقت سے آج تک میں یہ سوچتا ہوں کہ دیکھو ہم نوجوانوں کو دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے سے تو منع کر دیا۔ شاید وہ نہیں چاہتے تھے کہ انہیں ولی یا پیر سمجھا جائے اور دونوں ہاتھوں سے روایتی انداز میں مصافحہ کیا جائے اور بوسہ دیا جائے لیکن جب ایک بوڑھے آدمی نے اتنی شدت سے اپنے جذبات اور والہانہ عقیدت کا اظہار کیا تو اسے بخوشی ایسا کرنے دیا۔ یہ تھا ان کا کردار۔ اب آپ اس کا تجزیہ کریں۔ میں یہ کہوں گا کہ ان کا ہر اصول، ان کی ہر حرکت، ہر چیز قومی مفاد کے تابع تھی۔

راشد : اس بوڑھے آدمی کے بارے میں کچھ اور بتایئے۔

بخاری : شلوار قمیض پر چادر اوڑھے ہوئے تھا' سر پر پگڑی نہیں صافہ باندھے ہوئے تھا۔ لیکن مجھ پر جو تاثر ہے' وہ اس کی بزرگی کا ہے۔ لمبی داڑھی تھی' بالکل سفید' بھویں تک بالکل سفید تھیں' سرخ' سفید رنگ تھا۔ میرا خیال ہے کہ پٹھان یا کشمیری ہو گا۔ اس زمانہ میں لدھیانہ میں بہت سے پٹھان اور کشمیری آباد تھے۔

راشد : مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن' جالندھر کے جلسہ کی کوئی اور قابل ذکر بات؟

بخاری : فیڈریشن کے جلسہ میں قائداعظمؒ نے دو تقریریں کیں۔ موضوع وہی' پاکستان اور اتحاد' ایمان' تنظیم تھا۔

فیڈریشن کی شاخوں کے وفود چالیس پونڈ کے چھوٹے خیموں میں ٹھہرائے گئے تھے جو ہم نے خود لگائے تھے۔ نیچے پیال بچھی ہوئی تھی' اس پر سو جاتے تھے۔ لنگر سے کھانا کھاتے تھے۔ اس کیمپ کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ کچھ مسلمان طالبات بھی آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے بھی اپنے خیمے بڑی مستعدی سے خود لگائے تھے۔ ان کے خیمے دور نہیں تھے لیکن یہ پاکستان اور قائداعظمؒ کے نام کا اعجاز تھا کہ کیا مجال کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ ہوا ہو۔ مسلمان قوم پر میرا پکا ایمان ہے۔

راشد : ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی!

بخاری : جی ہاں - جب کوئی نازک وقت آن پڑے تو تمام خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود اس قوم کی حمیت ایمانی جاگ اٹھتی ہے۔

راشد : بخاری صاحب! اب آخر میں وہ دوسرا واقعہ۔

بخاری : یہ واقعہ میرا سنا ہوا ہے۔ دیکھا ہوا نہیں۔ آپ کو شاید معلوم ہو کہ فروری 1948ء میں قائداعظمؒ نے پنجاب رجمنٹ 2/15 ایم جی بٹالین کو پرچم عطا کیا تھا۔ یہ رسم پشاور میں ہوئی تھی۔ جب میں نے 1951ء میں کمیشن لیا۔ بٹالین کی جس کمپنی میں گیا اس میں زیادہ تعداد پٹھانوں کی تھی۔ ان میں بھی قبائلی علاقے کے زیادہ تھے۔ وہ اکثر اس تقریب کا ذکر کرتے تھے۔ میں جو واقعہ آپ کو سنا رہا ہوں' وہ میں نے جمعدار نذیر سے سنا تھا۔ دوسروں نے بھی یہی بتایا۔ لیکن تفصیل سے بتانے والے نذیر ہی تھے۔

راشد : فرمایئے۔

بخاری : پشاور ہوائی اڈے پر سخت حفاظتی اقدامات کیے گئے تھے۔ رسیوں سے حد بندی کی گئی تھی۔ پہلی تو یہ بات ہوئی کہ حکام نے منع کیا ہوا تھا کہ قائداعظمؒ کی آمد پر روایتی انداز میں استقبالی فائر نہ کیا جائے۔ لیکن جونہی قائداعظمؒ کا جہاز رن وے پر آیا تو گولیاں چھوٹنے لگیں۔ زیادہ تر فائر دوسری طرف ہو رہا تھا' جہاں بہت سے قبائلی کھڑے ہوئے تھے۔ بہت بھاگ دوڑ مچی۔ گارڈ آف آنر کے بعد اس طرف جہاں قبائلی کھڑے تھے' ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔ وہ لوگ قائداعظمؒ سے ملنا چاہتے تھے۔ پولیس روک رہی تھی۔ اس کش مکش میں رسی کی حد بندی ٹوٹ گئی۔ ہجوم آگے بڑھا تو پولیس نے لاٹھی چارج شروع کر دیا۔ قائداعظمؒ نے منع کیا کہ ایسا نہ کیا جائے اور خود اس طرف بڑھنے لگے۔ چونکہ پروگرام میں یہ چیز شامل نہیں تھی' اس لیے سارے افسر گھبرائے ہوئے تھے۔ جب قائداعظمؒ آگے بڑھے تو قبائلی اسی جگہ کھڑے رہے جہاں وہ تھے۔ قائداعظمؒ فاصلہ طے کر ان کے پاس گئے۔ دو چار باتیں کیں۔ پھر دونوں ہاتھوں سے روایتی مصافحہ شروع ہوا۔ لوگوں نے ان کے ہاتھوں کو بوسہ بھی دیا۔ قائداعظمؒ نے کوئی تعرض نہ کیا بلکہ اطمینان سے ان کو اپنی عقیدت کے اظہار کا موقع دیا۔ جب میں نے یہ واقعہ سنا تو مجھے پھر لدھیانہ سٹیشن والا قصہ یاد آگیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قائداعظمؒ میں کچھ تھا۔ کوئی غیر مرئی قوت تھی کہ جو دیکھتا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ بلکہ میں نے تو یہ بھی دیکھا کہ اگرچہ لوگ ان کی زبان کو نہیں سمجھتے تھے لیکن ان کی منشاء کو سمجھتے تھے اور سر دھنتے تھے۔ ان کا رابطہ راست لوگوں کے دل سے تھا۔

راشد : اس یقین کا پس منظر کیا ہے؟

بخاری : 1944ء میں اپنی تعلیم کے سلسلہ میں لاہور میں مقیم تھا۔ جولائی 1944ء میں بھاٹی دروازے اور موچی دروازے کے میدان میں رات کو جلسہ تھا۔ سب لوگ دریوں اور گھاس پر بیٹھے تھے۔ صرف ڈائس پر چند کرسیاں تھیں۔ پہلے دوسرے لیڈر بولے۔ مولانا ظفر علی خان' راجہ غضنفر علی خان' خان ممدوٹ تقریر کر چکے تو قائداعظمؒ تقریر کرنے کھڑے ہوئے۔ قدرے رک رک کر اردو میں تقریر شروع کی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے گاندھی کی لنگوٹی اور بکری کا تذکرہ کیا تھا۔ پاکستان بننے کی بات بھی تھی۔ چند منٹ تقریر کی۔ لیکن مجمع کی تسلی نہیں ہوئی۔ وہ جو کچھ ان سے کہنا چاہتے تھے وہ تو وہ اپنے دل میں سمجھتے تھے۔ انہیں ان کے

الفاظ کی نہیں ان کی ساحرانہ آواز کی ضرورت تھی جو ان کے قلب کو گرما دے۔ چنانچہ حاضرین کے بے حد اصرار پر انہوں نے اپنے مخصوص انداز اور مخصوص آواز میں اس وقت کے سیاسی حالات پر بھرپور اور پرمغز انگریزی میں تقریر کی۔ مجھے یقین ہے کہ 30, 40 ہزار کے اس مجمع میں انگریزی سمجھنے والے بہت تھوڑے ہوں گے۔ لیکن عام لوگ تھے کہ جھوم رہے تھے۔ جزاک اللہ سبحان اللہ کی بھی آوازیں آرہی تھیں۔

میں شروع میں کہہ چکا ہوں کہ عام لوگوں کو یہ یقین تھا کہ یہ شخص کھرا اور سچا ہے' بے غرض ہے' مسلمانوں کا سچا خیرخواہ ہے۔ اسی یقین محکم کا نتیجہ تھا کہ لوگ قائداعظمؒ کے کہنے پر جان دینے کو تیار تھے۔ ووٹ دینا تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔



لیفٹننٹ کرنل غلام مصطفیٰ صفدر کی یادیں

لیفٹننٹ کرنل (ریٹائرڈ) غلام مصطفیٰ صفدر ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جنہیں قائداعظمؒ سے روبرو ملاقات کا شرف حاصل ہے۔ اس ملاقات کی تفصیلات ایک انٹرویو کی شکل میں پیش کی جاتی ہیں۔

راشد : صفدر صاحب! آپ کی قائداعظمؒ سے ملاقات کب' کہاں اور کیسے ہوئی؟

کرنل صفدر : یہ واقعہ جولائی 1946ء کا ہے۔ ایک سرکاری کام کے لیے بمبئی گیا ہوا تھا۔ تحریک پاکستان سے دلچسپی تھی ہی۔ اس وجہ سے خیال آیا کہ قائد سے ملاقات کرنی چاہئے۔ بڑی مشکل سے نیاز حاصل ہوا۔

راشد : مشکل سے کیوں؟

کرنل صفدر : جولائی اگست 1946ء برصغیر کی سیاست میں اہم دن تھے۔ قائداعظمؒ بہت مصروف تھے۔ ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ' مالا بار ہل پر قائداعظمؒ کی شاندار اور پروقار کوٹھی پر گیا تو حسب قاعدہ پہلے ان کے سیکرٹری کے ایچ خورشید سے ملا۔ انہوں نے پوچھا کیا کام ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے کام کچھ نہیں۔ صرف قائداعظمؒ کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ قائداعظمؒ کوئی درشن کرنے کی چیز نہیں۔ قائداعظمؒ اس قسم کی عقیدت مندی کو پسند نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ وہ ان

دنوں مصروف بھی بے انتہا ہیں۔ میں نے کہا جناب میں فوجی افسر ہوں۔ کل مجھے پاکستان کے کام آنا ہے۔ میں قائداعظمؒ کی رہنمائی چاہتا ہوں۔ یہ سن کر وہ کچھ پسیجے۔ انہوں نے فون اٹھایا اور قائداعظمؒ سے کچھ باتیں کیں اور تیسرے دن ساڑھے آٹھ بجے دن کا وقت دیا۔ اس دن روزہ تھا۔ مجھے اب بھی یاد ہے۔

راشد : تیسرے دن جب آپ وقت مقررہ پر پہنچے تو آپ کا پہلا تاثر کیا تھا؟

کرنل صفدر : میں تو ایک زائر کی حیثیت سے گیا تھا۔ ہر چیز پر نظر تھی۔ پہلی چیز جس نے متاثر کیا' وہ بنگلے کا بورڈ تھا۔

راشد : کیسا؟

کرنل صفدر : سبز تختی پر سفید حروف میں صرف ایم اے جناح لکھا تھا۔

راشد : سبز سفید تو پاکستان کے جھنڈے کا رنگ ہے۔

کرنل صفدر : اس وقت مسلم لیگ کا جھنڈا بھی دو رنگ کا تھا۔ سبز زمین اور سفید چاند تارا۔

راشد : سبحان اللہ! نام کی تختی میں بھی یہ رعایت۔

کرنل صفدر : کوٹھی کے مجموعی تاثر میں جمال کا پہلو غالب تھا۔ مختصر یہ کہ میں حسب وعدہ قائداعظمؒ کے سیکرٹری صاحب سے ملا۔ ان سے یاداللہ ہو ہی چکی تھی۔ ان سے پہلے قائداعظمؒ پر ایک خاکسار کے حملے کے بارے میں پوچھا۔ گو وہ واقعہ ان کے سامنے کا نہیں تھا۔ جو کچھ انہوں نے سنا تھا' وہ تفصیل سے بتایا۔ میں نے نچلی منزل کے کمرے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ لائبریری میں کتابیں بڑی نفاست سے رکھی تھیں۔ سینٹرل میز پر پاکستان کا چاندی کا بنا ہوا ماڈل رکھا تھا جس میں لاہور کے مقام پر مسلم لیگ کا جھنڈا لگا تھا۔ دفتر میں پرانے اخبارات بڑے سلیقے سے رکھے تھے۔ میں ابھی دفتر کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ اندر سے ایک باوردی قاصد آیا اور ایک بڑا سفید لفافہ خورشید صاحب کو دے کر چلا گیا۔ میں نے نوٹ کیا کہ اس کی چھوٹی داڑھی تھی۔ سر پر پگڑی سفید اچکن پر سبز پٹہ' سیاہ جرابیں لیکن پاؤں میں جوتا نہیں تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے خورشید صاحب سے پوچھا کہ یہ شخص جوتے کیوں نہیں پہنے ہوئے تھا تو انہوں نے کہا۔ اس لیے کہ آتے جاتے آواز پیدا نہ ہو۔ قائد پرسکون ماحول میں کام کرنا پسند کرتے ہیں۔ مجھے قدرے حیرت ہوئی کہ سارے گھر میں حتی کہ سیڑھیوں پر بھی ہر جگہ قالین بچھا ہوا

تھا جس کی وجہ سے شور پیدا ہونے کا امکان نہیں تھا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں ایک زائر کی نظر لے کر گھر میں داخل ہوا تھا۔ ہر چیز کو حیرت و عقیدت سے دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں گھڑی نے ساڑھے آٹھ کا گھنٹہ بجایا اور ایک باوردی قاصد نمودار ہوا۔ خورشید صاحب نے مجھے اس کے ساتھ جانے کا اشارہ کیا اور میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ دربان دروازے تک جا کر پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ میں آگے بڑھا تو قائداعظمؒ کو اپنی سٹڈی کی دہلیز پر اپنا منتظر پایا۔ میں نے اضطراری طور پر انہیں سیلوٹ کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں اس وقت جوان تھا اور فوجی۔ میں نے محسوس کیا کہ ان کے ہاتھ کی گرفت سخت تھی۔

راشد : لباس کیسا تھا؟

کرنل صفدر : بتاتا ہوں۔ ہلکا سلور گرے رنگ کا ڈبل بریسٹ سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ کف لنکس نظر آرہے تھے۔ دوسری آستین میں رومال اڑسا ہوا نظر آرہا تھا۔ پھر وہ صوفے پر بیٹھے اور مجھے دائیں طرف کے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دایاں پاؤں بائیں پر رکھ کر بات شروع کی۔ وہ اس وقت موزے نہیں پہنے ہوئے تھے۔ پیٹنٹ لیڈر کے پمپ شو میں پاؤں چمک رہے تھے۔ سگار بھی ہاتھ میں تھا۔ پہلے نام پوچھا۔ پھر پوچھا کہاں کے رہنے والے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ کوہاٹ کا۔ میں نے محسوس کیا کہ کوہاٹ کا نام سن کر انہیں کچھ دلچسپی ہوئی۔ اس کے بعد کمشن کے بارے میں استفسار کرتے رہے۔ میں نے بتایا کہ میں آرڈیننس میں ہوں تو اور بھی دلچسپی ظاہر کی۔ اس کام کی تفصیل پوچھتے رہے۔ گفتگو انگریزی میں تھی۔ بار بار کہتے تھے۔ "میک اٹ کلیئر" میں نے محسوس کیا کہ وہ واضح جواب چاہتے ہیں۔ گول یا مبہم بات کی تشریح کرواتے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ آرڈیننس ڈپو ملک میں کہاں کہاں ہیں اور ان میں کس قسم کا سامان ہے۔ میں نے کہا پونہ کے قریب گولہ بارود کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ انہوں نے کئی سوال مسلمان افسروں کے بارے میں بھی پوچھے کہ وہ پاکستان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔

راشد : کوئی سوال آپ نے بھی کیا؟

کرنل صفدر : جی ہاں۔ میں نے پاکستان کے بارے میں استفسار کیا۔ فرمایا کہ ہم نے صرف ریزولیوشن ہی پاس نہیں کیا۔ اب پاکستان زندہ حقیقت ہے۔ بڑے بڑے خطاب

یافتگان نے مسلم لیگ کے کہنے پر احتجاج کے طور پر خطابات واپس کر دیئے ہیں۔ پھر یکدم رکے اور مجھ سے پوچھا۔ خطابات کی واپسی کے بارے میں تم نے اخبارات میں میرا بیان پڑھا ہے؟ میں شرمندہ سا ہو کر چپ ہو گیا۔ چونکہ میں نے وہ بیان نہیں پڑھا تھا۔ پھر میں نے کہا۔ سر میں شرمندہ ہوں کہ میں اس علاقے کا رہنے والا ہوں جہاں کچھ لوگ پاکستان کی مخالفت کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے حال ہی میں سرحد کا دورہ کیا ہے۔ وہاں کے لوگوں میں پاکستان کے لیے بڑا جوش ہے' جذبہ ہے۔ جہاں جہاں میں گیا' مسلم لیگ کے جھنڈے ہی جھنڈے دیکھے۔ مسلم لیگ کے جلسوں میں لوگ دور دراز علاقوں سے آتے تھے۔ سرحد میں تحریک پاکستان زوروں پر ہے۔ تمہارے علاقے میں بھی مسلم لیگ مقبول ہو رہی ہے۔ یہ صرف دو بھائی ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ بہت جلد بات بن جائے گی۔

مجھے ملاقات کے لیے آدھ گھنٹہ ملا تھا۔ میں نہیں' چاہتا تھا کہ اپنے قائد کا انمول وقت اپنے اوپر صرف کروں۔ میں بار بار گھڑی دیکھتا تھا۔ ارشاد ہوا کہ ابھی پانچ منٹ باقی ہیں' کچھ اور پوچھنا چاہو تو پوچھو۔ میں کیا پوچھتا۔ اپنے قائد کے سامنے بیٹھنا ہی میرے لیے سب کچھ تھا۔ جب وقت ختم ہوا تو وہ قاصد پھر دروازے پر نمودار ہوا اور میں نے اجازت چاہی۔ وہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

شب وصال بہت کم ہے ......

اس کے مصداق میرا دل تو نہیں بھرا۔ لیکن زندگی بھر کے لیے ایک نئے شعور اور نئے احساس سے بہرہ ور ہو گیا۔



تتمه

مسلمان ایک قوم

جولائی 1942ء میں امریکی پریس کا ایک نمائندہ صحافی قائداعظمؒ کا انٹرویو لینے حاضر ہوا۔ 1940ء کی قرارداد لاہور (قرارداد پاکستان) کے پس منظر میں اس نے علیحدہ مسلم قومیت کی بات چھیڑی۔

امریکی صحافی : جبکہ ہندو مسلمان صدیوں سے ہندوستان میں یک جا رہتے رہے ہیں۔ آپ مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم کس بنا پر کہتے ہیں؟

قائداعظمؒ : ہم ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ہمارا اپنا علیحدہ کلچر ہے' علیحدہ مذہب ہے اور علیحدہ تمدن ہے' زبان و ادب الگ ہے' فنون' عمارات' نام' رسمیں' قدریں' رویے' قوانین' اخلاقی معیارات' رسم و رواج' ماہ و سال کے حساب کا نظام (کیلنڈر اور تقویم) تاریخ اور روایات' رجحانات' امنگیں اور آرزوئیں۔ مختصر یہ کہ زندگی پر اور زندگی کے بارے میں ہمارا امتیازی نقطہ نظر ہے۔ تمام بین الاقوامی اصولوں کے لحاظ سے ہم ایک علیحدہ قوم ہیں۔



حسن طبیعت کا ایک رخ

کیپٹن نواز احمد جب 1948ء میں قائداعظمؒ کے ایک اے ڈی سی کے طور پر ان کے ذاتی سٹاف پر آئے تو انہوں نے نوٹ کیا کہ قائداعظمؒ دوپہر کا کھانا عموماً اپنے اے ڈی سیز کے ساتھ کھاتے تھے اور کھانے کی میز پر وہ ان کا خاص خیال رکھتے تھے اور یہی وہ موقع تھا جب وہ اپنے دوسرے اوقات کے معمول کے خلاف کچھ ہلکی پھلکی باتیں بھی کرتے تھے۔ چونکہ قائداعظمؒ اپنے لائف سٹائل میں بہت ہی Meticulous تھے اور ان کی کوئی بات غیر سوچی سمجھی نہیں ہوتی تھی اس لیے کیپٹن نور احمد کو کھانے کی میز پر قائداعظمؒ کے اس غیر معمولی رویے کے بارے میں کچھ تجسس ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد موقع پا کر انہوں نے عرض کیا۔

کیپٹن نور : سر! میں نے دیکھا ہے کہ آپ اگرچہ کھاتے بہت کم ہیں لیکن ہر ڈش سے کم از کم ایک Helping ضرور لیتے ہیں۔ اگر بار خاطر ہو تو وضاحت فرمائیں۔

قائداعظمؒ : میرے بچے! آپ کا مشاہدہ درست ہے۔ لیکن یہ ایک معمولی سی Courtes ہے۔ اگر میں اپنی خوراک کے لحاظ سے کھانا کھا لوں تو آپ نوجوان اے ڈی سیز کو بھی پروٹوکول کے تقاضے کے مطابق کم Helping لینی پڑے گی اور نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ لوگ بھوکے رہ جائیں گے۔



یہ اقدام قطعاً" غیر آئینی ہو گا

پاکستان بننے کے بعد پاکستان کے علاقے کا ایک والی ریاست پاکستان سے الحاق کرنے میں لیت و لعل کر رہا تھا۔ اس سے گفت و شنید کا کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا تھا اور وقت نکلا جا رہا تھا۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ والی مذکور پر دباؤ ڈالنا چاہیئے۔ چنانچہ ایک فوجی افسر نے قائداعظمؒ سے صاف صاف کہا۔

افسر : میرا تو خیال ہے کہ مذاکرات سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ چھوٹی سی ریاست سے ہلکے سے پولیس ایکشن سے الحاق کی کارروائی مکمل کی جا سکتی ہے۔

قائداعظمؒ : دو غلط مل کر ایک صحیح نہیں بناتے۔

بریگیڈیئر نور احمد راوی میں ہیں کہ قائداعظمؒ کے ذاتی معالج نے دسمبر 1946ء ہی میں ان کے لنگز کے ایکس رے میں کچھ دھبے دیکھے تھے۔ مئی 1947ء میں ان کی علالت بڑھی تو وسط میں ڈاکٹر اور لیاقت علی خان دونوں نے علاج کے لیے باہر جانے یا باہر کے ملکوں سے معالج بلانے کی تجویز پیش کی۔ لیکن قائداعظمؒ نے سختی سے یہ تجاویز مسترد کر دیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی علالت کی تشہیر ہو اور دشمن اس کا فائدہ اٹھائیں۔

(روایت بریگیڈیئر نور احمد' ٹی وی ٹاک 11 ستمبر 1988ء)



جی ہاں! لیکن برابر کی سطح پر

11 مارچ 1948ء کو ایک جرمن میگزین کا نمائندہ صحافی قائداعظمؒ سے انٹرویو کے لیے آیا۔ منجملہ دوسرے امور کے پاک و ہند تعلقات بھی زیر بحث آئے۔

جرمن صحافی : اس وقت پاکستان اور ہندوستان کے درمیان چند شدید اختلافات و تنازعات چل رہے ہیں۔ کیا اختلافی امور میں امن تصفیہ کی امید کی جا سکتی ہے؟

قائداعظمؒ : کیوں نہیں۔ بشرطیکہ حکومت ہند اپنے احساس برتری کے خول سے باہر آجائے اور جو حقائق ہیں ان کا اعتراف کرتے ہوئے پاکستان سے برابری کی سطح پر مذاکرات کرے۔



ہندو مسلم اختلافات کا واحد حل۔

اکتوبر 1944ء میں گاندھی نے قائداعظمؒ کو سیاسی تصفیہ کے لیے مذاکرات کی دعوت دی تھی۔ اس

دعوت کے پس منظر میں ایک غیرملکی صحافی نے قائداعظمؒ کا انٹرویو لیا۔

صحافی : سر! گاندھی جی نے 6 اکتوبر کو آپ کو ہندو مسلم مسئلہ حل کرنے کے لیے مذاکرات کی جو پیش کش کی ہے اس سلسلہ میں آپ کا ردعمل کیا ہے؟

قائداعظمؒ : ہندو مسلم اختلافات کو ختم کرنے کا عملی اور حقیقت پسندانہ طریقہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ برصغیر اور پاکستان کو دو آزاد خودمختار مملکتوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یعنی سرحد' بلوچستان' سندھ' پنجاب' آسام اور بنگال کے علاقوں کو جیسے کہ وہ آج ہیں' مسلم علاقے مان لیا جائے اور ہم ایک دوسرے پر اپنی اپنی اقلیتوں سے مساویانہ سلوک کرنے کے لیے اعتبار کریں۔ ہم 26 ملین مسلمان ان کے سپرد کرنے پر تیار ہیں اگر وہ ہم پر ہندو اقلیت کے بارے میں بھروسہ کریں۔



نہیں نہیں' پیسے کو ہمیشہ گردش میں رہنا چاہیے

یہ واقعہ 1942ء کا ہے۔ قائداعظمؒ جو لاہور میں نواب ممدوٹ کی کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن پنجاب کے چالیس پچاس سرگرم کارکن' حمید نظامی' قاسم رضوی' رفیق مرزا' ڈاکٹر طور' وغیرہ قائداعظمؒ کی خدمت میں فیڈریشن کی سرگرمیوں کی رپورٹ دینے حاضر ہوئے۔ قائداعظمؒ نے رپورٹ توجہ سے سنی اور تفصیلات سے مطمئن ہوئے۔ اجلاس کی کارروائی کے بعد غیررسمی ماحول پیدا ہوا۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قائداعظمؒ کے نوجوان عقیدت مندوں نے ان کا آٹوگراف لینے کی درخواست کی۔ کسی نے ڈائری پر' کسی نے کتاب پر ان کے دستخط لیے۔ حتیٰ کہ ایک نوجوان نے سگریٹ کی ڈبیہ آگے بڑھا دی تو قائداعظمؒ نے اس کا دل رکھنے کے لیے اس پر بھی اپنے مخصوص سٹائل میں ایم اے جناح لکھ دیا۔

یکے از حاضرین: (دس روپے کا ایک نیا نوٹ سامنے رکھتے ہوئے) سر! مجھے بھی ممنون فرمایئے۔

قائداعظمؒ : (نوٹ دیکھ کر ایک دم ہاتھ کھینچتے ہوئے) نہیں یہ نہیں' پیسے کو لازمی طور پر گردش میں رہنا چاہیے۔

اس واقعہ کے عینی مشاہد ڈاکٹر محمد رفیق مرزا لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کے اصل الفاظ یہ تھے۔



انہیں میری نہیں، ٹھوس امداد کی ضرورت ہے

1946ء میں ہندوستان کے صوبے بہار کی مسلم اقلیت پر ہندوؤں نے جو بہیمانہ ظلم ڈھائے تھے۔ اس کا برصغیر کے سارے مسلمانوں کو شدید صدمہ تھا۔ جب بہار مسلم لیگ نے امداد کی اپیل کی تو ڈاکٹر رفیق مرزا سمیت کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے فائنل ایئر کے چند پرجوش طلبہ میاں امیر الدین کی قیادت میں ایک میڈیکل مشن لے کر لاہور سے بہار روانہ ہوئے۔ راستہ میں دہلی میں 10 اورنگ زیب روڈ پر قائداعظمؒ کی خدمت میں ہدایات لینے حاضر ہوئے۔ قائد نے مشن کے جذبہ کو بے حد سراہا اور خلاف معمول ازرہ حوصلہ افزائی وہ مشن کے ارکان کو رخصت کرنے کے لیے اپنی اسٹڈی سے باہر آئے اور کوٹھی کے لان میں کھڑے ہو کر ان سے الوداعی باتیں کرنے لگے۔ چلتے چلتے میاں امیر الدین نے یکایک کہا

امیر الدین : جناب والا! آپ خود بہار تشریف کیوں نہیں لے جاتے؟

قائداعظمؒ : (بے حد تحمل سے) میاں صاحب ان کو میری ضرورت نہیں۔ اس ٹھوس امداد کی ضرورت ہے جو میں یہاں بیٹھ کر کر رہا ہوں۔



میں بھی تمام رات نہیں سویا ہوں

اکتوبر 1947ء کے اواخر میں مسلم لیگ کے پرانے آفس سیکرٹری سید شمس الحسن گورنمنٹ ہاؤس، لاہور میں قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے دہلی کے مسلمانوں کے بارے میں پوچھا۔

قائداعظمؒ : دہلی سے آپ کب واپس پہنچے؟

شمس الحسن : ستمبر کے اواخر میں آیا۔

قائداعظمؒ : ان کاغذات کے بوروں کا کیا ہوا جو میں نے پچھلے اگست 1947ء کو دہلی میں آپ کے سپرد کئے تھے۔

شمس الحسن : سر! وہ محفوظ ہیں، میں انہیں بچا لایا ہوں۔ صرف یہی میں دہلی سے لا سکا۔

(ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ) خوب۔ بیس برس تک ان کو نہ چھیڑیئے۔ پھر ان کو چھاپ دیجئے گا۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کو منظم کرنے میں ہمیں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا اور یہ بھی تاریخ میں محفوظ ہونا چاہئے کہ پاکستان کی جنگ کس طرح لڑی گئی۔ اس لیے اس کی تفصیلات اور جزئیات بھی اہمیت رکھتی ہیں۔ ہاں دہلی کی کیا خبریں ہیں؟

شمس الحسن : مسلمان دل ہلا دینے والے مظالم اور سفاکیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ جن کی تفصیلات میں بیان نہیں کر سکتا اور آپ سن نہیں سکتے۔

قائداعظمؒ : معلوم ہے۔ مجھے سب علم ہے۔ (جذبات سے مغلوب آواز میں) میں چند دنوں سے سو نہیں سکا ہوں۔ جو کچھ میرے اختیار میں ہے۔ میں صورتحال بہتر بنانے کے لیے کر رہا ہوں۔ ہندوستانی لیڈر شپ نے بڑی زیادتی اور بددیانتی کی ہے۔ انہوں نے پاکستان کو قبول تو کیا لیکن ذہنی تحفظات کے ساتھ اور اب وہ ابتدا ہی میں پاکستان کو تباہ کر دینے کے درپے ہے۔
(جوش میں آکر)
برصغیر کے مسلمان اوچھے ہتھیاروں سے تباہ نہیں ہوسکتے۔ اب ان کا ایک وطن ہے۔ اپنی محنت اور جفاکشی سے' انشاء اللہ' وہ اس کو مضبوط اور طاقت ور بنائیں گے۔

(پلین مسٹر جناح' صفحہ 3)

--○--

یہ باورچی یہاں کیسے پہنچا؟

اپنی آخری علالت کے دوران قائداعظمؒ کی غذا بہت کم ہو گئی تھی۔ ان کے معالج ڈاکٹر الٰہی بخش ان کی کم خوراکی سے متفکر تھے۔ انہوں نے فاطمہ جناح سے کہا کہ اگر قائد کو پسند کے ذائقے کا کھانا ملے تو شاید وہ شوق سے کھانا کھائیں۔ محترمہ فاطمہ جناح نے انہیں بتایا کہ کراچی میں ایک باورچی تھا اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا قائد بہت شوق سے کھاتے تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ اندرون پنجاب کے کسی علاقے کا تھا۔ نہ جانے اب کہاں ہو گا۔ ڈاکٹر صاحب نے از خود لاہور تار دیا کہ اس نام کے باورچی کو تلاش کیا جائے۔ چنانچہ پوری سرکاری مشینری کے متحرک ہو جانے کے نتیجہ میں اس باورچی کا کھوج لگا لیا گیا اور اسے زیارت بھیجا گیا۔ اس کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے کا پہلا لقمہ منہ میں رکھتے ہی قائداعظمؒ نے کہا۔

قائداعظمؒ : آج کا کھانا کس نے پکایا ہے؟ یہ وہ کراچی والا کک تو نہیں بھیج دیا۔ وہ تو پنجاب واپس چلا گیا تھا۔

فاطمہ جناح : ہاں! اس کو بڑی مشکل سے تلاش کر کے بلوایا گیا ہے۔

ڈاکٹر الٰہی بخش لکھتے ہیں کہ جب انہیں اس تلاش کی تفصیلات بتائی گئیں تو وہ بجائے خوش ہونے کے سرکاری مشینری اس مقصد کے لیے استعمال کرنے پر سخت ناراض ہوئے اور حکم دیا کہ اس کی تلاش پر جو روپیہ صرف ہوا ہے وہ ان کے حساب سے ادا کیا جائے اور آئندہ کبھی ان کے لیے سرکاری وسائل کو استعمال نہ کیا جائے۔

--○--

منزل مراد پاکستان

اسلام کا قلعہ
پاکستان
اسلام کی تجربہ گاہ
پاکستان
انصاف کی تدبیر
پاکستان
عدل کی تعبیر
پاکستان
ہر ظلم سے پناہ
پاکستان
ہر خوف سے اماں
پاکستان
عزم و یقیں کی داستاں
پاکستان
انسانیت کا پاسباں

پاکستان
غیرت کا جہاں
پاکستان
علم و فن کا چڑھتا سورج
پاکستان
تحقیق کا بہتا دریا
پاکستان
ہر موسم میں بہار بے خزاں
پاکستان
سرزمین تاریخ کا گلاب
پاکستان
عالم میں انتخاب
پاکستان

(سعید راشد)

قومی کردار کی ضرورت

قائداعظمؒ اسلامیہ کالج، لاہور کے غیور طلباء کی خدمات کی بہت قدر کرتے تھے اور ان پر بہت مہربان تھے۔ ایک بار طلبہ کی ایک محفل میں جس میں حکیم آفتاب احمد قرشی بھی موجود تھے۔ قائداعظمؒ مسلمانوں کے عروج و زوال پر تبصرہ کر رہے تھے۔ کسی طالب علم نے پوچھ لیا۔

طالب علم: آخر ہم میں سب سے بڑی کمی کیا ہے؟

قائداعظمؒ: مسلمانوں میں قومی کردار کی کمی ہے۔ نوجوانوں کو اپنی سیرت کی تعمیر کرنی چاہیے اور قومی کردار پیدا کرنا چاہیے۔

(یہ سن کر آفتاب قرشی نے کچھ کہا تو نہیں، لیکن ان کے چہرے سے قائداعظمؒ نے ان کے جذبات کو پڑھ لیا اور کہا)

قائداعظم: تم نوجوان، مخلص ہو اس لئے تم ہر شخص کو اپنے جیسا سمجھتے ہو۔ میں نے دنیا دیکھی ہے۔ زمانے کے انقلابات سے گزرا ہوں۔ مجھے مسلمان قوم کا خوب علم ہے۔ اب حالت پہلے سے بہتر ہوگئی ہے۔ مسلمان بیدار ہو رہے ہیں مگر اب بھی مسلمان قوم میں ایسے افراد موجود ہیں جو ذاتی مفاد کو ملی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ مسلمان قوم کی سب سے بڑی ضرورت قومی کردار ہے۔

حکیم آفتاب احمد قرشی - روزنامہ جنگ لاہور۔ مورخہ 13 اپریل 1980